حقیقۃ التفضیل

تصنیف

ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم، لاہور

مکتبة باب العلم
MAKTABA BAB UL ILAM
Publisher & Distributor

حقیقۃ التفضیل

تصنیف

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم، لاہور، پاکستان

نام کتاب	:	حقیقۃ التفضیل
مؤلف	:	قاری ظہور احمد فیضی
پروف ریڈنگ	:	علامہ نصیر احمد نقشبندی، اوچ شریف
کمپوزنگ	:	حسنین ظہور قادری
بک ورک	:	احتشام الحق قریشی
تعداد	:	1100
الطبعۃ الاولیٰ	:	ربیع الأول ۱۴۴۳ھ
ہدیہ	:	
تزئین و آرائش	:	کشمیری اینڈ سنز (عارف نسیم کاشمیری) لاہور
ناشر	:	مکتبۃ باب العلم، لاہور۔ پاکستان

Tel: 042-37321214, 0300-4150021
E-mail: maktababababuliilmlhr@gmail.com,

ڈسٹری بیوٹرز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز: گنج بخش روڈ لاہور / اردو بازار، کراچی
اسلامک بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
اوچ شریف بک کارنر، نزد کینال ریسٹ ہاؤس، اوچ شریف (بہاول پور)
0300 249 5037 - 0300 415 0021

وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلسَّٰبِقُونَ ﴿١٠﴾ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾

"اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقرب بار گاہ ہیں"۔

أَمَا تَرْضَيْنَ أَنِّيْ زَوَّجْتُكِ أَقْدَمَ أُمَّتِيْ سِلْمًا وَ
أَكْثَرَهُمْ عِلْمًا وَأَعْظَمَهُمْ حِلْمًا ؟

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو میری اُمت میں اسلام کے لحاظ سے سب پر مقدم، علم کے لحاظ سے سب سے برتر اور حلم کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہے؟"۔

(حدیث نبوی)

كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَفْضَلَ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ.

”ہم بیان کیا کرتے تھے کہ اہلِ مدینہ میں افضل علی بن ابی طالب ہیں رضی اللہ عنہ“۔

(ابن مسعود: فضائل الصحابة ج ۲ ص ۸۰۲ ح ۱۰۹۷)

مَا جَاءَ لِأَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الْفَضَائِلِ مَا جَاءَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے اتنے فضائل نہیں آئے جتنے سیدنا علی بن ابی طالب کے آئے ہیں“۔

(إمام أحمد بن حنبل، قاضی محمد إسماعیل وغیرھما)

وَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ مُخْتَلِفَةٌ فِي التَّفْضِيلِ.

"یقیناً ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ تفضیل میں مختلف تھے"۔

(الباقلاني)

الْمَسْئَلَةُ اِجْتِهَادِيَّةٌ

"یہ اجتہادی مسئلہ ہے"

(میرشریف جرجاني وغیره)

حمد و صلاۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْمَجْدِ وَالْعُلیٰ ، خَالِقِ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ ، وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی وَ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی جَمِیْعِ الْأَنْبِیَاءِ لَاسِیَّمَا عَلٰی سَیِّدِ الْأَنْبِیَاءِ مُحَمَّدِ ںِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی آلِهِ الْمُجْتَبٰی وَأَصْحَابِهٖ أُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَا.

سببِ تالیف

مستقل تصنیف اس موضوع پر قلم بند کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن جب میرے سامنے اِس موضوع پر ایک ایسا فتویٰ آیا جو دلائل سے دور اور غیض و غضب سے بھرپور تھا تو مجھے خیال آیا کہ اِس موضوع پر جتنا ہو سکے حقائق کو سامنے لانا ضروری ہے لیکن یہ خیال عمل میں تبدیل نہ ہو سکا۔ پھر اچانک بیرونِ ملک سے بعض احباب کا فون آیا کہ فیضی صاحب! سنا ہے کہ مسئلہ تفضیل پر جناب کی کوئی تحریر ہے؟ چونکہ مجھے اِس موضوع پر اپنی کوئی مستقل تحریر یاد نہیں تھی اِس لیے میں نے انکار کر دیا۔ اِس پر اُنہوں نے فرمایا: چند سال قبل فلاں صاحب کے پاس آپ نے اِس مسئلہ کے متعلق اپنی تحریر بھیجی تھی۔ تب مجھے یاد آیا کہ پانچ چھ برس قبل میں نے اِس موضوع پر واقعی اُن صاحب کے پاس کچھ صفحات بھیجے تھے تاکہ وہ مجھے میری اغلاط سے آگاہ فرمائیں اور مفید مشوروں سے بھی نوازیں۔ اُنہیں وہ تحریر بہت پسند آئی تھی اور اُنہوں نے فرمایا تھا کہ اگر یہ شائع ہو جائے تو بہت بہتر ہو گا۔ اِس پر میں ہنس کر خاموش ہو گیا تھا۔

وہ تحریر کیسے وجود میں آئی تھی؟ اُس کا مختصر تذکرہ پیش کرتا ہوں: میری کتاب "شرح خصائص علي عليه السلام" کے خلاف بعض شیطان صفت لوگوں کی انگیخت پر چودہ صفحات پر مشتمل ایک

فتویٰ صادر کیا گیا تھا، جس کے تقریباً چھ صفحات میں مسئلۂ تفضیل پر گفتگو کی گئی تھی اور باقی تقریباً نو صفحات ناجائز دفاعِ معاویہ اور اُس کے جھوٹے فضائل میں کالے کیے گئے تھے۔ میرے نزدیک اُس فتویٰ کی کوئی اہمیت تھی اور نہ ہی میں اُس کی تردید میں اپنا وقت ضائع کرنا چاہتا تھا، لیکن مجھے میرے بعض اکابر نے حکماً فرمایا کہ میں اُس کا جواب لکھوں۔ میں نے طبع آزمائی کرتے ہوئے اُس کا جواب لکھنا شروع کیا تو چھ سو چوبیس [۶۲۴] صفحات تیار ہو گئے، جن میں سے ملخص کر کے تقریباً سو صفحات اپنے بعض اکابر کو بھیج دیے اور باقی فائلز میں محفوظ کر کے اپنے پاس رکھ لیے۔ چونکہ اُنہیں شائع کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا اِس لیے وہ گوشۂ ذہن سے بھی تقریباً محو ہو چکے تھے، لیکن سوئے اتفاق کہ اچانک مارکیٹ میں "فیضانِ امیر معاویہ" کے نام سے ایک کتاب آگئی جس کا اکثر حصہ کذب، دجل، فریب، تلبیسات اور تاویلات سے مملو تھا، پھر "بے خطا بے گناہ، معاویہ معاویہ" کا جھوٹا اور باطل نعرہ بھی آگیا تو مجھے اپنے بعض اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ کی فراست و بصیرت کی قدر معلوم ہوئی کہ اُنہوں نے مجھے مذکورہ فتویٰ کے جواب لکھنے کے لیے جو شفقت بھرا حکم دیا تھا وہ درست، بروقت اور دوراندیشی پر مبنی تھا۔ سو میں نے اپنی اُسی تحریر کو تلاش کیا اور اُس کی نوک پلک سنوار کر "فیضانِ امیر معاویہ" کارد لکھنا شروع کیا تو چند روز میں چار سو صفحات پر مشتمل کتاب "الأحاديث الموضوعة في فضائل معاوية" تیار ہو گئی۔

اب جب تفضیل کے موضوع پر محبانِ اہلِ بیتِ کرام اور ساداتِ عظام کے خلاف چھ صفحات پر مشتمل غیر معتدل اور فتنہ انگیز فتویٰ شائع ہوا تو فقیر نے اپنی مذکور الصدر تحریر کا وہ بقیہ حصہ جو تفضیل کے متعلق تھا اُس کی نوک پلک سنوارنا اور اُسے مرتب کرنا شروع کیا تو حذف و اضافہ کے بعد کتابِ ھٰذا "حقيقة التفضيل" وجود میں آگئی۔

کتابِ ھٰذا میں بعض مقامات پر اُن مفتی صاحب کی تحریر کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جنہوں

نے شرح "خصائص علي علیہ السلام" کے خلاف فتویٰ دیا تھا اور ساتھ ہی انڈیا کے ایک بریلوی عالم دین کی کتاب کے کچھ مقامات پر بھی کلام کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں قدیم و جدید دوسرے اکابر سے بھی اختلاف کیا گیا ہے، تاہم اِس موضوع پر میری یہ تحریر ابھی کافی تشنہ طلب ہے۔ میں گزشتہ تین چار ماہ سے بیمار اور بعض پریشانیوں کا شکار ہوں، اگر زندگی رہی اور شافیٔ مطلق جل جلالہ نے صحت و عافیت بحال فرمائی تو کچھ زیرِ ترتیب و تکمیل کاموں سے فراغت کے بعد اِس موضوع پر پھر مزید تفصیلی روشنی ڈالوں گا۔ إن شاء الله تعالیٰ.

مقصدِ اشاعت

کئی سال پہلے سے موجود اِس تحریر کو حالیہ ایام میں شائع کرنے کا مقصد فقط یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسئلہ تفضیل میں اِس قدر خود ساختہ غیور ہیں کہ تفضیل صدیقی یا تفضیلِ شیخین میں توقف کو بھی خروجِ از اہل سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں یہ چند سطور پیش کر کے عرض کرنا مقصود ہے کہ جنابِ والا! جس مسئلہ کو آپ نے عقیدہ تصور کر لیا ہے اور جس پر آپ اتنا آگ بگولا ہو رہے ہیں وہ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی اُس پر کبھی کوئی اجماعِ امت ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی کسی صحابی کو افضل سمجھتا تھا تو دوسرا کسی اور صحابی کو افضل سمجھتا تھا۔ وہ حضرات افضلیتِ مطلقہ اور قطعی شطعی کے چکروں سے ہرگز ہرگز آشنا نہیں تھے، لہٰذا مفتیانِ کرام کو کچھ ہاتھ ہولا رکھنا ہوگا، ورنہ اُن کی اپنی ہی آخرت برباد ہوگی۔ اگر کوئی مفتی شفتی اپنے غیض و غضب پر مبنی فتاوی کا اثر اپنے معاصرین تک محدود سمجھتا ہے تو یہ اُس کی بھول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے بے ڈھنگے فتاوی کی زد میں بشمول اہل بیت عظام وہ کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آتے ہیں جو نہ تو بعد کے مفتیوں کے خود ساختہ عقائد و قواعد سے آگاہ تھے، نہ اُنہیں خود ساختہ اجماعِ امت معلوم

تھا اور نہ ہی وہ کسی کی افضلیتِ مطلقہ اور تفضیلِ شیخین سے آگاہ تھے۔ اُنہیں نہ تو ترتیبِ خلافت بترتیبِ افضلیت کا علم تھا اور نہ ہی اُنہیں بعد میں وضع کردہ ضروریاتِ اہل سنت کے گورکھ دھندوں کا علم تھا۔ سو اگر مفتی چاہتا ہے کہ آج کل کے سادات کرام اور سیدنا علی علیہ السلام کی تفضیل کے قائلین علماء کرام اور عوام پر فتوے لگائے تو ضرور لگائے مگر یہ خیال بھی رکھے کہ تفضیلِ مرتضوی کے قائلین میں صحابہ و اہل بیت کی ایسی انعام یافتہ ہستیاں بھی تھیں جن پر فتویٰ لگانا تو دور کی بات ہے فقط اُن سے اعراض کرنے سے بھی مفتی کی آخرت برباد ہو جائے گی۔

کچھ سادات کرام اور محبانِ اہل بیت کی خدمت میں

یہاں یہ نیاز مند اُن ساداتِ کرام اور محبانِ اہل بیت عظام سے بھی کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے جو گزشتہ ایام میں بعض مفتیوں کے شرارت و فساد پر مبنی فتاوی سے پریشان ہوئے۔ عزت مآب سجادہ نشینو اور سادات کرام کے محبوّ! اِس قسم کے فتووں کا جواب اور سدباب جلسوں اور کسی ہوٹل میں سیمینار منعقد کرنے سے نہیں ہوتا، کیونکہ زبانی جمع خرچ سے بچے پیدا نہیں ہوا کرتے۔ مدارس قائم فرمائیں تو عالم بچے پیدا ہوں گے، پہلے سے قائم شدہ مدارس کی سرپرستی فرمائیں، اپنے بچوں کو عالم بنائیں اور مریدین کے تندرست و عقل مند بچوں کو بھی زیور علم سے آراستہ فرمائیں۔ سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ جلسے کرتے کرتے نہیں بلکہ درس پڑھاتے پڑھاتے قطبیت پر فائز ہوئے تھے۔ خواجہ غریب نواز چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا مشغلہ بھی جلسے کرنا نہیں بلکہ درس پڑھانا تھا۔ سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی درس پڑھاتے تھے، حتیٰ کہ اُن کی اہلیہ رحمۃ اللہ علیہا بھی بنات کو بخاری شریف کا دورہ پڑھاتی تھیں، لیکن افسوس کہ آج کل بزرگوں کی اولاد میں سے کچھ حضرات اِس قدر علم سے متنفر ہیں کہ علماء کو بعض جانوروں سے تعبیر کرنے سے بھی گریز نہیں

کرتے، جبکہ دوسری طرف جب خود اُن پر آن بنتی ہے تو مولانا لوگوں کو اپنے دفاع کے لیے آگے کر دیتے ہیں۔

لائقِ تعظیم ہستیو! نہ سب مولوی ایک جیسے ہوتے ہیں اور نہ ہی سب پیر و سجادہ نشین دودھ کے دھلے ہوتے ہیں۔ اگر آپ نے کسی مولوی سے دھوکہ کھایا یا اُس نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو اِس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ علم کے ہی دشمن بن جائیں۔ آپ اپنے ادارے قائم کر کے بچوں کو تعلیم دلائیں اور اپنی مرضی کے علماء اور نتائج حاصل کریں۔ دیکھیے بعض تنظیموں کے سربراہان نرے جاہل تھے لیکن اُنہوں نے مدارس قائم کیے اور پھر مانگے تانگے علماء کی خدمات حاصل کر کے بچوں کو تعلیم دلائی مگر نتائج اپنی مرضی کے حاصل کیے اور ناصبی مولویوں کی ایک کھیپ تیار کر لی۔

جب نواصبِ زمانہ بچوں پر اُن کے اساتذہ کے اثر کے بجائے اپنا اثر قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہمارے پیرانِ عظام اور ساداتِ کرام اور مجھ ایسے فقیر لوگ ایسا کیوں نہیں کر سکتے ؟ کیا سادات کرام اور مشائخ عظام کے پاس وسائل کی کمی ہے؟ سیکڑوں ایکڑ زمین اُنہیں مریدین سے حاصل ہوتی ہے اور سرمایہ کی بھی کوئی کمی نہیں ہے لیکن افسوس کہ بعض مشائخ اپنے بنگلوں، گھوڑوں کے اصطبلوں اور دوسرے اللوں تللوں میں تو دلچسپی رکھتے ہیں مگر علمی اداروں کی طرف نہ صرف یہ کہ توجہ نہیں دیتے بلکہ اُلٹا نفرت کرتے ہیں۔ خدارا سوچیے! ورنہ یہ مت بھولیے کہ آپ سے آپ کی قوت، وجاہت، وسائل، منصب، عوام میں محبت اور اختیار وغیرہ کے بارے میں سوال نہیں ہو گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا ﴿٣٦﴾

"بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے"۔[1]

خود آپ سے آپ کے بزرگ بھی ضرور باز پُرس کریں گے کہ ہمارے نام پر تمہیں جو عزت، شہرت اور دولت حاصل ہوئی تھی اُس کا مصرف کیا کیا تھا؟

دوسری گزارش یہ ہے کہ سادات کرام اور سجادگان کو چاہیے کہ وہ آپس میں اتحاد واتفاق قائم فرمائیں اور ملک و بیرونِ ملک کے تمام سادات کرام باہم مسلسل رابطہ رکھیں۔ حالت تو یہ ہے کہ مدارس سے تو تقریباً پچانوے فیصد سجادگان دور بلکہ نفور ہیں اور جو مشائخ عظام اور سادات کرام نواصب وخوارجِ زمانہ کی بد معاشیوں کا سدباب کرنے کی خاطر کوئی جلسہ کرنا چاہتے ہیں تو سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اگر کچھ مشائخ وسادات کسی کنونشن اور اجتماع میں آ بھی جائیں تو وہاں اسٹیج پر ایک دوسرے کے قریب یا برابر بیٹھنے میں اُن کے لیے مسئلہ بن جاتا ہے اور یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ آج کل کے پیر، مشائخ اور سجادگان فقیر نہیں بلکہ سلطان ہیں۔ ہر ایک کا اپنا ایک حلقۂ ارادت ہے اور ہر ایک اپنے حلقہ کا باشاہ ہے۔ جب طبیعت میں اِس قدر شہنشاہی آ جائے تو پھر مل جل کر رہنے اور اتحاد واتفاق کی اُمید ناممکن نہیں تو سخت مشکل ضرور ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر طبیعت میں فقر ہو تو پھر دِل وسیع ہوتا ہے اور اُس کی برکت سے ماحول میں بھی وسعت آ جاتی ہے، مگر افسوس کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بادشاہوں کے مزاج کی عکاسی میں ارشاد فرمایا تھا مجھے لگتا ہے کہ عصر حاضر کے سب تو نہیں مگر اکثر سجادگان اور پیر اُسی تنگ نظری اور تنگ مزاجی کا شکار ہو چکے ہیں۔ شیخ نے فرمایا تھا:

دہ درویش در گلیمے بخسپند، ودو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔

---

(1) بني إسرائيل: ٣٦

"دس فقیر ایک گدڑی میں سو جاتے ہیں اور دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے"۔[1]
جو سجادہ واقعی اِس شاہی مزاج کا ہو گا تو اُسے مجھ فقیر پر غصہ آئے گا تاہم میں ہر ایک سید، ہر گدی نشین اور سجادہ نشین سے معذرت خواہ ہوں اور عرض کناں ہوں کہ خدارا آپ آپس میں رشتہ داری کے طور پر بھی متحد و متفق ہو جائیں اور دینی اور ملی لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے دست و بازو بن کر اپنی قوت کو مجتمع فرمائیں اور مدارس اور علماء حق کی سرپرستی فرما کر ناصبیت و خارجیت کا سر کچلنے کی کوشش فرمائیں، ورنہ خاکم بدہن اندیشہ ہے کہ نواصب و خوارج کے ناپاک ہاتھ ہمارے تمہارے گریبانوں تک نہ پہنچ جائیں۔ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِيْنَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

تفضیل کی قطعیت از کتاب و سنت

کتاب و سنت میں یہ تو مذکور ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فضیلت میں برابر نہیں ہیں لیکن یہ قطعاً مذکور نہیں کہ کسی صحابی کو دوسرے پر قطعی افضلیت حاصل ہے اور نہ ہی یہ مذکور ہے کہ کوئی ایک صحابی دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قطعی افضلیت رکھتا ہے، البتہ قرآن مجید میں یہ ضرور مذکور ہے کہ ازواج مطہرات دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہیں جبکہ دوسری طرف متعدد احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اہل کساء علیہم السلام ازواج مقدسہ سے بھی افضل ہیں۔ اِس مسئلہ کی وضاحت ہم نے اپنے رسالہ "اهل کساء علیہم السلام کا مقام حقائق و اوھام" میں کی ہے کہ اگرچہ قرآن مجید کی نص سے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا ثابت ہے مگر اہل کساء علیہم السلام اُن سے افضل ہیں۔ اِس پر قرآن مجید سے ایک مثال بھی پیش کی ہے۔ اہل علم کو چاہیے کہ وہ مذکور الصدر رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

---

(1) گلستان مترجم اردو ص ۹۲، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

علماءِ عقائد و کلام اور دوسرے محققین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مسئلہ تفضیل میں دلائل باہم متعارض ہیں اِس لیے قطعیت کا فائدہ نہیں دیتے، حتیٰ کہ ردِّ روافض میں شہرت رکھنے والے علماء کو بھی مجبوراً لکھنا پڑا ہے کہ کسی صحابی کی دوسرے صحابی پر تفضیل قطعی ثابت نہیں ہے۔ زیادہ تر قطعیت قطعیت کی رٹ ہند و پاک کے متأخرین علماء کے ہاں ملتی ہے لیکن یہ ساری رٹ دلائل سے عاری ہے اور دجل و مکاری اور مبنی بر عیّاری ہے۔ یقین فرمایئے! تحکم (دھکابازی) دھونس دھمکی، ہراساں کرنے، مبتدع کہنے، رافضی قرار دینے اور بے دینی کے فتوے لگانے کے علاوہ مدعیانِ قطعیت کے پلے کچھ بھی نہیں ہے، جیسا کہ آگے چل کر جدید و قدیم تمام مدعیانِ قطعیت کے دعووں کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

افضلیت پر اجماع کا دعویٰ

مدعیانِ قطعیت نے جب جان لیا کہ کتاب و سنت سے اُن کا دعویٰ ثابت نہیں ہو رہا تو پھر اُنہوں نے پینترا بدلتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ تفضیلِ صدیقی پر اجماعِ امت ہے۔ بعض نے کہا: تفضیلِ شیخین رضی اللہ عنہما پر اجماعِ امت ہے اور بعض نے کہا کہ ترتیبِ خلافت بترتیبِ افضلیت پر اجماعِ امت ہے لیکن یہ سب محض دعاوی ہیں حقیقت سے اِن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آیئے! سطورِ ذیل میں اُن کے دعوائے اجماع کا جائزہ لیتے ہیں۔

صحابہ و اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت پر تو بالآخر اجماع ہو گیا تھا، لیکن اُن کی افضلیت پر اُس وقت سے لے کر آج تک قطعاً کبھی بھی کوئی اجماع نہیں ہوا۔ چنانچہ علامہ باقلانی جیسا آدمی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ صحابہ مسئلہ افضلیت پر متفق نہیں تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّ الصَّحَابَۃَ مُخْتَلِفَۃٌ فِي التَّفْضِیلِ.

"یقیناً ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ تفضیل میں مختلف تھے"۔[1]

امام محی الدین رحماوی حنفی متوفیٰ ۹۵۲ھ لکھتے ہیں:

وَالْحَقُّ أَنَّ الْفَضْلَ الْحَقِيْقِيَّ أَمْرٌ خَفِيٌّ وَالدَّلَائِلُ مُتَعَارِضَةٌ.

"اور حق یہ ہے کہ حقیقی فضیلت مخفی ہے اور دلائل باہم ٹکراتے ہیں"۔[2]

کیا دورِ صحابہ میں تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما پر اجماع تھا؟

آگے چل کر اجماع کی بحث میں یہ تحقیق آئے گی کہ کسی مسئلہ میں کوئی ایک مجتہد اختلاف کرے، یا کوئی حاملِ صلاحیت تابعی صحابہ کے ساتھ اختلاف کرے اور بعض نے کہا: دو سے زائد مجتہد کسی مسئلہ میں اختلاف کریں تو اجماع منعقد نہیں ہوتا، جبکہ مسئلہ افضلیت میں دو سے زائد ہی نہیں بلکہ کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا۔ اُن کی تعداد کتنی ہے؟ اس پر کئی اقوال ہیں۔ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَرُوِيَ عَنْ سَلْمَانَ وَأَبِي ذَرٍّ، وَالْمِقْدَادَ، وَخَبَّابٍ، وَجَابِرٍ، وَأَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ، وَزَيْدِ بْنِ الْأَرْقَمِ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ، وَفَضَّلَهُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى غَيْرِهِ.

"سیدنا سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، خباب بن الأرت، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اول وہ شخص ہیں جو اسلام لائے، اور اِن تمام (۷ سات) حضرات

(1) مناقب الأئمة الأربعة للباقلاني ص ۵۱۴۔

(2) القول الفصل شرح الفقه الأكبر، للرحماوي ص ۳۲۱۔

نے اُنہیں دوسروں پر فضیلت دی ہے"۔ (1)

ابن حجر مکیؒ اور فاضل بریلیؒ کی بے خبری

علامہ ابن حجر مکی نے امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو شاذ کہہ دیا، ابن حجر مکی کی عبارت کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور اُس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن فاضل بریلی نے نہ صرف یہ کہ قولِ ابن عبدالبر کو نقل کیا بلکہ اُس پر اپنی برہمی کا اظہار بھی کر دیا۔ یہاں ہم اُن کی کتاب "مطلع القمرین" سے چند جملے نقل کر رہے ہیں:

۱۔ ایک مقام پر فاضلِ بریلیؒ نے دعویٰ کیا ہے:

"تفضیل پر ابن عبدالبر سے پہلے اجماع تھا"۔ (2)

۲۔ جو لوگ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے دلیل لیتے ہیں، فاضل بریلی نے اُن کی خوش فہمی پر یوں پھبتی کسی ہے:

"اشتباہ: یہاں حضرات سنفضیہ (غالباً تفضیلی سنی) کو ہلدی کی ایک گرہ ابو عمر بن عبدالبر صاحبِ استیعاب کی سنی سنائی یا کسی اردو فارسی کے رسالہ میں دیکھ کر ہاتھ لگ گئی ہے، اس پر وہ قیامت کے ناز ہیں کہ جامہ میں پھولے نہیں سماتے۔ اُنہوں نے کہیں لکھ دیا ہے کہ صحابہ میں دو چار حضرات تفضیلِ حضرت مولا کے بھی قائل تھے۔ اے میرے پروردگار! اب صبر کی مجال کہاں، ایک غل پڑ گیا کہ حضرت بھلا اجماع کیسا؟ یہ مسئلہ خود صدرِ اول میں مختلف فیہ رہا ہے،

---

(1) الاستیعاب ج۳ص۱۹۷؛ الصواعق المحرقۃ ص۵۸، وط: ص۱۸۱۔

(2) مطلع القمرین ص۶۸۔

اب ہمیں اختیار ہے چاہے مانیں چاہیں نہ مانیں"۔[1]

فاضل بریلیؒ کی طنز کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص ہلدی کی پڑیا کے اچانک مل جانے سے پنساری یا حکیم نہیں بن جاتا اسی طرح ابن عبد البر کے شاذ قول سے کوئی مولوی (اصطلاحِ اعلیٰ حضرت میں: عالِم) نہیں بن جائے گا اور نہ ہی اُس کے حق میں یہ قول مفید ہو گا۔

۳۔ ایک اور مقام پر اعلیٰ حضرتؒ نے ابن عبد البر کے قول کی صحت پر عدم اعتماد کا اظہار یوں کیا ہے:

"سخت تعجب کہ وہ اکابرِ دین اس سے محض غافل جائیں اور برابر بے ذکرِ خلاف اجماعِ صحابہ و تابعین کی تصریحیں فرمائیں اور ساڑھے تین سو برس کے بعد ابن عبد البر اُس پر آگاہی پائیں"۔[2]

اس پر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ نہ تو امام ابن عبد البر رحمہ اللہ سے قبل تفضیل پر اجماع تھا اور نہ ہی تفضیلِ مرتضوی کے قائلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دو چار تھے، بلکہ کثیر صحابہ تفضیلِ مولا علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے۔ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۴۶۳ھ نے تو فقط سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام گنوائے تھے، جبکہ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا کہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفضیلِ مرتضوی کے قائل تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَرَوَيْنَا نَحْوَ عِشْرِيْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّ أَكْرَمَ النَّاسِ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ.

(1) مطلع القمرین ص ۶۹۔

(2) مطلع القمرین ص ۶۹۔

''ہم نے تقریباً بیس صحابہ کرام ﷺ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں سیدنا علی بن ابی طالب اور زبیر بن العوام ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ مکرم (معزز) تھے''۔ (1)

علاوہ ازیں امام ابن عبد البر [ت: ۴۶۳ھ] سے قبل امام ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ [ت: ۴۰۳ھ] یعنی ساٹھ برس قبل وفات پانے والے نے بھی اس حقیقت کا زبردست الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَالْقَوْلُ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَنْهُ مَشْهُورٌ عِنْدَ كَثِيرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كَالَّذِي يُرْوٰى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، وَ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ . وَعَمَّارٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ وَغَيْرِهِمْ.

''سیدنا علی ﷺ کی تفضیل کا قول کثیر صحابہ کرام ﷺ کے نزدیک مشہور تھا، مثلاً سیدنا عبد اللہ بن عباس، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر، جابر بن عبد اللہ، ابو الہیثم بن التیہان اور دوسرے صحابہ کرام ﷺ''۔ (2)

اِس عبارت میں علامہ باقلانی نے پہلے ''كَثِيرٌ مِنَ الصَّحَابَةِ'' کا لفظ لکھا پھر بطورِ مثال پانچ صحابہ کرام ﷺ کے اسماء نقل فرمائے اور آخر میں ''وَغَيْرُهُمْ'' کے لفظ سے تفضیلِ مرتضوی کے قائلین باقی صحابہ کرام ﷺ کی طرف بھی اشارہ فرما گئے۔

(1) الفِصَل لابن حزم ج۴ ص ۱۸۱۔

(2) مناقب الأئمة الأربعة للباقلاني ص ۲۹۴۔

اِس سے آگے باقلانی نے یہ بھی لکھا ہے:

وَإِنْ كَانَتِ الرِّوَايَةُ فِي تَفْضِيلِ أَبِي بَكْرٍ أَشْهَرُ عِنْدَ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ.

"اگرچہ محدثین کے نزدیک تفضیلِ ابی بکر رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ مشہور ہے"۔ (1)

لیکن ظاہر ہے کہ محدثین کی روایت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب مقدم اور زیادہ اتباع کے لائق ہے۔ محدثین کرام کی اِس روایت کو یوں سمجھئے جیسا کہ اُن کے نزدیک صحابی کی تعریف اور ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک صحابی کی تعریف اور ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب "الصحابۃ والطلقاء" کا مطالعہ فرمائیں

علامہ باقلانی نے ایک اور مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک قوم کو تفضیلی مانا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ رَوَى أَنَّ قَوْمًا مِّنَ الصَّحَابَةِ كَانُوا يَذْهَبُونَ إِلَىٰ تَفْضِيلِ عَلِيٍّ عَلَىٰ أَبِي بَكْرٍ.

"بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سیدنا علی کی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر تفضیل کا مذہب رکھتی تھی"۔ (2)

ایک اور مقام میں موصوف نے لفظ "جماعة" سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عقیدہ نقل کیا ہے:

وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ كَانَتْ تُظْهِرُ الْقَوْلَ بِفَضْلِ

---

(1) مناقب الأئمة الأربعة للباقلاني ص ۲۹۴۔

(2) مناقب الأئمة الأربعة للباقلاني ص ۴۷۱۔

عَلِيٍّ أَمَامَ زَمَنِ أَبِي بَكْرٍ وَبَعْدَهُ.

"اور بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی ظاہر کرتی تھی"۔(1)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے فقط سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا کہ وہ افضلیتِ مرتضوی کے قائل تھے تو اعلیٰ حضرت نے اُن کے قول کو شاذ کہہ دیا، اگر اعلیٰ حضرت امام باقلانی کے یہ اقوال پڑھ لیتے جن سے واضح ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک قوم، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم تفضیل مرتضوی کے قائلین تھے تو نہ جانے فاضلِ بریلی پھر کیا کیا فرماتے؟ خیال رہے کہ امام باقلانی اور ابن حزم دونوں امام ابن عبد البر سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ سو جب امام ابن عبد البر سے پہلے والے مصنفین، محدثین اور متکلمین نقل کر چکے ہیں کہ تفضیلِ مرتضوی کے قائلین کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے تو پھر ایسا قول اگر امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کر دیا تو وہ شاذ کیسے ہو گیا؟ کیا جس حقیقت سے ابن حجر مکی اور فاضل بریلوی وغیرہ جیسے لوگ بے خبر ہوں تو وہ شاذ کہلائے گی؟

صحابہ وتابعین کا جم غفیر تفضیلِ مرتضوی کا قائل

دراصل جو بندہ شیعہ کے خلاف لکھ رہا ہو یا اُس کا مطمحِ نظر تفضیلِ صدیقی کا اثبات ہو تو وہ پروا نہیں کرتا بلکہ منڈھ (دبا) کے رکھتا ہے تو لامحالہ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے، جیسا کہ علامہ

---

(1) مناقب الأئمة الأربعة للباقلاني ص ۴۷۱۔

ابن تیمیہ کے بارے میں امام سبکی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ شیعہ کی تردید کرتے کرتے تنقیصِ علی المرتضیٰ علیہ السلام کے مرتکب ہو گئے تھے۔ علامہ ابن حجر مکی نے بھی چونکہ شیعہ کی تردید میں کتاب لکھی ہے اِس لیے وہ بھی افراط و تفریط کا شکار ہو گئے بلکہ بعض محتاط علماء کرام نے اُن کی کتاب کو تعصّب پر مبنی قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ ابن حجر مکي در صواعق محرقه که در رَدِّ شیعه باو کدوجوه واشد طریق کرده، وداد تشدد وتعصب داده است۔

"شیخ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں جنہوں نے شیعوں کا رد، محکم وجوہات اور مضبوط طرق سے کیا ہے، اس میں اُنہوں نے تشدد و تعصب اختیار کیا ہے"۔(1)

ورنہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فقط ابن حجر مکی ہی سنی عالم پیدا نہیں ہوئے تھے اُن کے علاوہ بھی بڑے بڑے سنی علماء آئے حتیٰ کہ ابن حجر مکی کے شیخ المشائخ قسم کے لوگ بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تفضیلِ مرتضوی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک مخلوق کا مذہب کہا ہے۔ چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لَيْسَ تَفْضِيلُ عَلِيٍّ بِرَفْضٍ وَلَا هُوَ بِبِدْعَةٍ، بَلْ قَدْ ذَهَبَ إِلَيْهِ خَلْقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ.

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل رفض ہے اور نہ ہی بدعت، بلکہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم میں سے ایک مخلوق اس طرف گئی ہے"۔(2)

---

(1) تکمیل الإیمان فارسي ص ۱۵۴، ومترجم أردو ص ۱۱۱۔

(2) سیر أعلام النبلاء للذهبي ج ۱۶ ص ۴۵۷۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اعلیٰ حضرت اس مسئلہ میں ابن حجر مکی سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، جیسا کہ اس کی کچھ مثالیں آگے چل کر پیش کی جائیں گی، بہر حال انصاف یہ ہے کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا قول برحق ہے اور اُن کے قول کو شاذ کہنا فقط ابن حجر مکی اور فاضلِ بریلی کی بے خبری ہی نہیں بلکہ یہ اُن دونوں صاحبان کا ایسا تشدد و تعصّب ہے جو انسان کو حقائق سے برگشتہ کرتا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔

اعلیٰ حضرتؒ کی خوش فہمی

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

> "خلافتِ صدیق بربنائے تفضیل تھی۔ فاروقِ اعظم وغیرہ صحابہ نے اُن کی افضلیت مطلقہ ثابت کی اور اسی پر نزاع منقطع ہو کر بیعت واقع ہو گئی اور پھر ظاہر کہ اُن بیعت کرنے والوں میں وہ صحابہ بھی تھے جن سے ابن عبد البر نے یہ روایتِ شاذہ نقل کی"۔ (1)

راقم الحروف کہتا ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کے امیدواروں میں کوئی مفاضلہ ہوا تھا اور نہ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دلائلِ افضلیتِ صدیقی کی بنیاد پر اُن کی خلافت کی بیعت منعقد کرائی تھی۔ اگر کوئی بضد ہو کہ مفاضلہ کی بنیاد پر ہی خلافت کا تحقق ہوا تھا تو پھر اُسے ثابت کرنا ہو گا کہ:

۱۔ خلافت کے اُمیدوار کون کون تھے؟

۲۔ متعدد امیدواروں میں سے کس کے کون کون سے فضائل زیر بحث آئے تھے؟

۳۔ کیا اُس مفاضلہ میں بطور اُمیدوار سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے؟

۴۔ اگر وہ خود موجود نہیں تھے تو کیا اُس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام شامل کیا گیا تھا؟

---

(1) مطلع القمرین ص ۷۳۔

۵۔ کیا سیدنا علی علیہ السلام کا کوئی نمائندہ وہاں موجود تھا؟

فاضل بریلویؒ نے جو یہ لکھا کہ ”فاروقِ اعظم وغیرہ صحابہ نے اُن کی افضلیت مطلقہ ثابت کی اور اسی پر نزاع منقطع ہو کر بیعت واقع ہوگئی“ یہ خود سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ کے ہی خلاف ہے۔ چنانچہ وہ سقیفہ بنو ساعدہ کے اجتماع سے تقریباً بارہ سال بعد یعنی اپنی زندگی کے آخری ایام تک اعتراف فرماتے رہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اچانک ہوئی تھی اور اُس میں شور وغل برپا ہوا تھا تو اُنہوں نے جلدی سے دستِ صدیقی پر اپنا ہاتھ رکھ کر اُن کی بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ ایک طویل حدیث میں ہے کہ اُنہیں جب اُن کی زندگی کے آخری ایام میں معلوم ہوا کہ کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی اچانک ہوئی تھی اور پھر وہ مستحکم بھی ہوگئی تھی، لہٰذا ہم بھی اُسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اچانک فلاں کی بیعت کر لیں گے۔ اِس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے طویل خطبہ دیا اور اُس میں ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ قَائِلاً مِنْكُمْ يَقُوْلُ : وَاللّٰهِ لَوْمَاتَ عُمَرُ بَايَعْتُ فُلَاناً . فَلَا يَغْتَرَّنَّ امْرَءٌ أَنْ يَقُوْلَ : إِنَّمَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِيْ بَكْرٍ فَلْتَةً وَتَمَّتْ . أَلَا وَإِنَّهَا قَدْ كَانَتْ كَذٰلِكَ ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ وَقَى شَرَّهَا . وَلَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ تُقْطَعُ الْأَعْنَاقُ إِلَيْهِ مِثْلُ أَبِيْ بَكْرٍ ؟ مَنْ بَايَعَ رَجُلاً عَنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَا يُبَايَعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ.

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کہنے والے نے کہا ہے: اللہ کی قسم! اگر عمر فوت ہو گئے تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا۔ پس کوئی شخص اِس دھوکہ میں نہ رہے کہ وہ کہے: بے شک ابو بکر کی بیعت بھی اچانک ہوئی تھی اور وہ پوری ہو گئی تھی۔ سنو! بلاشبہ وہ اسی طرح ہی ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس ”فَلْتَةٌ“

(جلد بازی) کے شر سے محفوظ رکھا تھا، لیکن تم میں ایسا کون ہے جس کی طرف حضرت ابو بکرؓ کی طرح سفر کیا جائے؟ جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی شخص کی بیعت کرے تو نہ اُس کی بیعت منعقد ہوگی اور نہ ہی بیعت ہونے والے کی بیعت ہوگی"۔

اِسی حدیث میں آگے چل کر سیدنا عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے شور وغل میں اُس وقت بیعت کی تھی جب انصارؓ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا:

مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ. يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! فَكَثُرَ اللَّغَطُ، وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ، حَتَّى فَرِقْتُ مِنَ الاخْتِلَافِ، فَقُلْتُ: ابْسُطْ يَدَكَ يَا أَبَابَكْرٍ! فَبَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعْتُهُ وَبَايَعَهُ المُهَاجِرُونَ، ثُمَّ بَايَعَتْهُ الأَنْصَارُ.

"اے قریشیو! ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا، پس بے ہنگم شور شروع ہو گیا اور آوازیں بلند ہونے لگیں حتی کہ میں نے اختلاف کے بیچ میں سے نکل کر کہا: اے ابو بکر ہاتھ بڑھایئے! اُنہوں نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اُن کی بیعت کر لی اور مہاجرین نے اُن کی بیعت کر لی پھر انصار نے بھی اُن کی بیعت کر لی"۔(1)

(1) بخاري: كتاب الحدود وما يحذر منها، باب رجم الحبلى من الزنا إذا أحصنت، ص ۹۳۹، ۹۴۱ ح ۶۸۳۰؛ مسند أحمد [بتحقيق شعيب الأرنؤوط] ج ۱ ص ۴۵۳، ۴۴۹ ح ۳۹۱؛ المصنف لابن أبي شيبة ج ۱۲ ص ۳۰۲، ۳۰۷ ح ۳۳۴۱۲، وط: بتحقيق محمد عوامة ج ۱۷ ص ۴۷۲، ۴۷۶ ح ۳۳۵۳۹۔

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک ہوئی تھی، بغیر مشورہ کے ہوئی تھی اور شوروغل کے ماحول میں ہوئی تھی تو پھر خود انصاف فرمایئے کہ فاضل بریلی کا یہ لکھنا کہ "فاروقِ اعظم اور دوسرے صحابہ نے اُن کی افضلیت مطلقہ ثابت کی اور اُسی پر نزاع منقطع ہو کر بیعت واقع ہو گئی"۔ کس قدر خلافِ حقیقت ہے؟

ایک اور حدیث میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

وَإِنَّ أَبَابَكْرٍ صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم ثَانِيَ اثْنَيْنِ ، فَإِنَّهُ أَوْلَى الْمُسْلِمِينَ بِأُمُورِكُمْ ، فَقُومُوا فَبَايِعُوهُ.

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی اور غار کے ساتھی ہیں، سو وہ تمام مسلمانوں سے بڑھ کر تمہارے اُمور کے متصرف (ومالک) ہیں، لہٰذا اُٹھ کر اُن کی بیعت کر لو"۔ (1)

لیکن اِس حدیث میں بھی اُن کے مدمقابل اُمیدوار کا ذکر نہیں ہے، اُنہیں اگر ایک صحابی نے اولیٰ المسلمین کہا ہے تو سیدنا علی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولیٰ المؤمنین فرمایا ہے۔

الغرض سقیفہ بنو ساعد میں "فَلْتَةٌ" (جلد بازی) کا عالم اور مشورہ کا فقدان تو اِس حد تک تھا کہ جملہ بنو ہاشم اور اہل بیت کرام علیہم السلام تو کیا خود سیدنا علی علیہ السلام ایسے اقضی الامۃ، افہم الناس، اعلم القرآن، اعلم السنۃ اور مدبّر الامۃ تک سے بھی مشورہ نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ سیدۃ نساء العالمین سیدتنا فاطمہ علیہا السلام کے وصال کے بعد جب امام المتقین سیدنا علی علیہ السلام نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر پر طلب کر کے اُن کی بیعت کرنا چاہی تو اُن کے سامنے یوں شکوہ کیا:

---

(1) بخاري، كتاب الأحكام، باب الاستخلاف ص ۹۹۳ ح ۷۲۱۹۔

وَلٰكِنَّكَ اِسْتَبْدَدْتَ عَلَيْنَا بِالْأَمْرِ، وَكُنَّا نَرٰى لِقَرَابَتِنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَصِيبًا، حَتّٰى فَاضَتْ عَيْنَا أَبِي بَكْرٍ.

علامہ غلام رسول سعیدیؒ نے اِن الفاظ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"لیکن آپ نے خلافت کے معاملہ کو از خود طے کر لیا اور رسول اللہ ﷺ سے جو ہماری قرابت ہے اُس کی وجہ سے (مشورہ میں) ہم اپنا حق سمجھتے تھے، حتی کہ حضرت ابو بکر کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے"۔(1)

مولانا شریف الحق امجدی نے اِس جملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"لیکن آپ نے اس معاملے میں (میری دانست میں)(2) ہماری حق تلفی کی ہے۔

---

(1) بخاري: كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، [باب نمبر ۳۸] ص ۵۷۷ ح ۴۲۴۰؛ صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي لا نورث ما تركنا فهو صدقة ص ۸۴۱، ۸۴۲ ح ۱۷۵۹؛ نعمة الباري ج ۷ ص ۶۱۰۔

(2) اِس ترجمہ میں قوسین کے مابین (میری دانست میں) کے الفاظ شریف الحق امجدی کی طرف سے انتہائی بدترین اور بے ہودہ اضافہ ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تو ایسا کچھ نہیں تھا لیکن فہم علی کے مطابق اُن کی حق تلفی ہوئی تھی۔ بندہ پوچھے کہ اہل بیت جو ثقلین میں سے ایک ثقل ہیں کی سب سے بڑی شخصیت کو اسلام کے سب سے بڑے معاملہ میں شریک مشورہ ہی نہ کرنا کیا معمولی بات ہے؟ مذہبی تعصب نے ہماری مت ماردی ہے، اندازہ فرمایئے! جس سو فیصد بجا شکوہ پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے تھے، رضوی مولوی اُس کو سیدنا علی علیہ السلام کی ذاتی دانست قرار دے کر "مٹی پاؤ" والا معاملہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بلاشبہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فہم پر حملہ ہے۔ فقط فہم مرتضوی پر ہی حملہ نہیں بلکہ فہم صدیقی رضی اللہ عنہ پر بھی حملہ ہے، کیونکہ اُنہوں نے بھی بزبانِ گریہ شکوہٗ مرتضوی کی صحت کا اعتراف کیا تھا۔ امجدی صاحب کے برائیکٹ میں جو الفاظ ہیں اُنہیں نکال لیا جائے تو پھر ترجمہ کے بقیہ الفاظ یہ رہتے ہیں:

"لیکن آپ نے اس معاملے میں ہماری حق تلفی کی ہے"۔=

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ [وآلہ] وسلم کی قرابت کی وجہ سے ہم بھی اس میں اپنا حق جانتے تھے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں"۔[1]

علامہ سعیدی صاحب کے ترجمہ میں بریکٹ میں جو "مشورہ میں" کے الفاظ ہیں وہ بھی اسی حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں۔ جب کوئی بندہ اپنی مرضی کرے اور کسی سے صلاح و مشورہ نہ کرے تو ایسے عمل کو استبداد کہتے ہیں۔ قارئین کرام کو چاہیے کہ وہ لفظِ استبداد کا معنیٰ کتبِ لغت میں خود ہی دیکھ لیں۔

قارئین کرام! سطورِ بالا میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے مسئلہ میں تین اقوال سامنے آئے ہیں:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بیعتِ ابو بکر رضی اللہ عنہ جلد بازی، شور و غل اور بلا مشورہ کی گئی،

۲۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اُن سے اِس معاملہ میں مشورہ ہی نہیں کیا گیا، اسی لیے اُنہوں نے اِس کو استبداد قرار دیا،

۳۔ فاضلِ بریلی کا قول ہے کہ پہلے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیتِ مطلقہ ثابت کی گئی پھر اُن کی بیعت منعقد ہوئی۔

خود بتلائیے! مسلمان انسان اُن حضرات (سیدنا عمر و علی رضی اللہ عنہما) کے اقوال پر اعتماد کرے جو معاملہ کے شرکاء اور شاھد ہیں یا تیرہ سو سال بعد فاضل بریلی کے قول کو عقیدہ بنائے؟

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے تقرر میں جس ''فَلْتَۃٌ'' (جلد بازی) اور استبداد کا ذکر ہے اُس کے بارے میں جس قدر تشریحات و تاویلات حسنِ ظن کی بنا پر کی جاتی ہیں وہ سب اپنی جگہ مگر یہ

=یہی ''وَلٰکِنَّکَ اِسْتَبْدَدْتَّ عَلَیْنَا بِالْأَمْرِ'' کا صحیح مفہوم ہے۔

(1) نزھۃ القاري شرح صحیح البخاري ج ۴ ص ۱۸۶۔

بات درست نہیں کہ اُن کے تقرر کے وقت کسی قسم کا کوئی مفاضلہ ہوا تھا اور دوسرے اُمیدواروں کے مقابلہ ومفاضلہ میں کسی ایک امیدوار کی تفضیل کے ثابت ہونے پر طے ہوا تھا۔

افسوس کہ طبائع میں اِس قدر جبر و تحکم پیدا ہو گیا ہے کہ بعض لوگ پہلے اپنی طرف سے کوئی بات اختراع کر کے اُسے عقیدہ بنالیتے ہیں اور پھر جو شخص اُن کے اُس اختراعی عقیدہ کو تسلیم نہ کرے تو اُس کے خلاف فتویٰ کی لٹھ استعمال کرتے ہیں۔ نحن نشتكي إلى الله وهو المستعان.

ابن عبد البر کے قول سے چھٹکارا پانے کا گُر، از فاضل بریلی

آگے چل کر فاضل بریلی نے امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے جان چھڑانے کا گُر بھی بتا دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "علماء سب بشر تھے اور سہو وخطا سے غیر معصوم۔ ہر شخص کے کلام میں اگرچہ کیسے ہی درجہ عُلوِ شان و رفعتِ مکان میں ہو دو ایک لغزشیں ضرور ہوتی ہیں۔ وہاں معیار کامل ومِحک حق وباطل کلمات اکابر سلف وجماہیر ائمہ ذی فضل وشرف ہے۔ جو کچھ اس کے خلاف ہو مسندِ قبول پر ہر گز جگہ نہ دی جائے کہ سلامتی اتباع سلف کرام وسواد اعظم میں ہے، نہ کہ کسی عالم سے جو لفظ بسبقتِ قلم نکل گیا اسے حرز جاں کیجئے اور کلمات جماہیر سلف وخلف طاقِ نسیاں پر رکھ دیجئے۔ یہاں بھی ابو عمر کا تخطیہ (اُنہیں غلطی پر کہنا) کافہ سابقین ولاحقین کی تغلیط سے آسان تر"۔(1)

یہ بات بالکل حق ہے کہ علماء بشر تھے اور اُن سے میدانِ تحریر میں لغزشیں نہ صرف یہ کہ ہوسکتی ہیں بلکہ ہونا ضروری بھی ہیں۔ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ علماء وفقہاء اغلاط سے مبراء نہیں، اس سلسلے میں ہم اُن کی طویل عبارت اپنی کتاب "أنوار

---

(1) مطلع القمرین ص ۷۴۔

العرفان في أسماء القرآن"میں نقل کر چکے ہیں۔اُس میں ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: اسلاف سے غلطیاں ہو سکتی ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اگر اُن کی غلطیوں کی نشان دھی کی جائے تو اُن کے پیروکار مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ راقم الحروف نے ایک خود ساختہ امیر اہل سنت کو کہتے ہوئے سنا کہ "اعلیٰ حضرتؒ کے علاوہ اُن کے کان کسی اور کی بات سننے سے بہرے ہیں"۔ کراچی کے ایک اور صاحب جن کے والد سید بنے تھے، لہٰذا اب وہ بھی سید ہیں، کے الفاظ ہیں:

"امیر معاویہ کا گستاخ جہنم کے کتوں میں سے کتا ہے! سچ کہا، اب دوسری بات کوئی نہیں، میرے اعلیٰ حضرت نے کہہ دیا بات ختم، کتاب بند، ہماری آنکھیں بند۔ اللہ اکبر یہی نسبت ہوگی ان شاء اللہ جو کل ہمیں حضور کے قدموں تک لے جائے گی"۔

فاضل بریلوی کی بات پر جو شخص اپنی آنکھ بند اور کان بند رکھنا چاہتا ہے بے شک رکھے مگر مسئلۂ تفضیل میں فاضل بریلوی کا امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کو غلطی پر کہنا اور اُن کے قول کو شاذ کہنا درست نہیں، کیونکہ ایسے اقوال اُن سے ماقبل اور مابعد علماء اہل سنت سے بھی منقول ہیں، جیسا کہ ہم اِس سے قبل علامہ باقلانی، ابن حزم اور علامہ ذہبی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں، لہٰذا فاضل بریلوی کا امام ابن عبد البرؒ کے قول کو شاذ اور خطا قرار دینا اُن کے اپنے بیان فرمودہ قاعدہ کے مطابق بجائے خود خطا بھی ہے اور امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ پر سوئے ظن بھی۔

امام دار قطنیؒ اور ذہبیؒ کے کلام پر کچھ تبصرہ

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ :اِخْتَلَفَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ بَغْدَادَ ، فَقَالَ : قَوْمٌ

عُثْمَانُ أَفْضَلُ . وَقَالَ قَوْمٌ: عَلِيٌّ أَفْضَلُ ، فَتَحَاكَمُوا إِلَيَّ ، فَأَمْسَكْتُ ، وَقُلْتُ: الْإِمْسَاكُ خَيْرٌ ، ثُمَّ لَمْ أَرَ لِدِينِي السُّكُوتَ، وَقُلْتُ لِلَّذِي اِسْتَفْتَانِي: اِرْجِعْ إِلَيْهِمْ ، وَقُلْ لَهُمْ: أَبُو الْحَسَنِ يَقُولُ : عُثْمَانُ أَفْضَلُ مِنْ عَلِيٍّ بِاِتِّفَاقِ جَمَاعَةِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، هٰذَا قَوْلُ أَهْلِ السُّنَّةِ ، وَهُوَ أَوَّلُ عَقْدٍ يَحِلُّ فِي الرَّفْضِ .

قُلْتُ: لَيْسَ تَفْضِيلُ عَلِيٍّ بِرَفْضٍ وَلَا هُوَ بِبِدْعَةٍ ، بَلْ قَدْ ذَهَبَ إِلَيْهِ خَلْقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ . فَكُلٌّ مِنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ ذُو فَضْلٍ وَسَابِقَةٍ وَجِهَادٍ ، وَهُمَا مُتَقَارِبَانِ فِي الْعِلْمِ وَالْجَلَالَةِ ، وَلَعَلَّهُمَا فِي الْآخِرَةِ مُتَسَاوِيَانِ فِي الدَّرَجَةِ ، وَهُمَا مِنْ سَادَةِ الشُّهَدَاءِ رضي الله عنهما، وَلٰكِنْ جُمْهُورُ الْأُمَّةِ عَلٰى تَرْجِيحِ عُثْمَانَ عَلٰى عَلِيٍّ وَإِلَيْهِ نَذْهَبُ . وَالْخَطْبُ فِي ذٰلِكَ يَسِيرٌ، وَالْأَفْضَلُ مِنْهُمَا بِلَاشَكٍّ أَبُوبَكْرٍ وَ عُمَرُ ، مَنْ خَالَفَ فِي ذَا فَهُوَ شِيْعِيٌّ جَلْدٌ ، وَمَنْ أَبْغَضَ الشَّيْخَيْنِ وَاعْتَقَدَ صِحَّةَ إِمَامَتِهِمَا فَهُوَ رَافِضِيٌّ مَقِيتٌ، وَمَنْ سَبَّهُمَا وَاعْتَقَدَ أَنَّهُمَا لَيْسَا بِإِمَامَي هُدًى فَهُوَ مِنْ غُلَاةِ الرَّافِضَةِ ، أَبْعَدَهُمُ اللّٰهُ.

"امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بغداد کی ایک قوم میں اختلاف ہوا تو کچھ لوگوں نے کہا: عثمان افضل ہیں اور کچھ لوگوں نے کہا: علی افضل ہیں۔ پھر وہ میرے پاس فیصلہ کے لیے آئے تو میں نے خاموشی اختیار کی اور کہا: خاموشی ہی بہتر ہے۔ پھر میں نے اپنے دین کے لیے خاموشی کو بہتر نہ سمجھا تو میں نے

فتویٰ طلب کرنے والے کو کہا: اُن کے پاس لوٹ جااور اُنہیں کہہ دے کہ ابوالحسن (دار قطنی) کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی جماعت کے اتفاق سے حضرت عثمان سیدنا علی سے افضل ہیں، یہی جماعتِ اہل سنت کا قول ہے اور یہ پہلی گرہ ہے جو رفض میں کھولی جاتی ہے۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل رفض ہے اور نہ ہی بدعت، بلکہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم میں سے ایک مخلوق اس طرف گئی ہے۔ پس عثمان اور علی دونوں میں سے ہر ایک صاحبِ فضیلت اور صاحبِ سبقت وجہاد ہے، اور وہ دونوں علم و مرتبہ میں بھی برابر ہیں اور شاید وہ آخرت میں بھی درجہ میں مساوی ہوں گے اور وہ دونوں شہداء کے سردار ہیں۔ لیکن جمہور امت حضرت عثمان کی امام علی پر ترجیح کی قائل ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے، اور اِس میں معاملہ آسان ہے اور بلاشبہ اِن دونوں سے ابو بکر و عمر افضل ہیں، جس شخص نے اِس میں اختلاف کیا وہ پکا شیعی ہے، اور جس نے شیخین سے بغض رکھا اور اُن کی خلافت کی صحت کا عقیدہ رکھا تو وہ ناپسندیدہ رافضی ہے اور جس نے اُن دونوں کو سب کیا اور یہ عقیدہ رکھا کہ وہ ہدایت کے امام نہیں تھے تو وہ غالی رافضیوں سے ہے، اللہ تعالیٰ اُنہیں دور رکھے"۔ (1)

اِس کلام میں وہ باتیں قابل تبصرہ ہیں جنہیں ہم نے Underline کر دیا ہے:

ا۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ کا کہنا کہ "رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی جماعت کے اتفاق سے خلیفہ سوم سیدنا علی سے افضل ہیں" اِس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا غلط

---

(1) سیر أعلام النبلاء للذهبي ج ١٦ ص ٤٥٨، ٤٥٧۔

قول کیسے کر سکتے ہیں جو قرآن مجید کی تصریح کے بھی خلاف ہو۔ سیدنا علی علیہ السلام ایمان، اسلام اور نماز میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سبقت رکھتے ہیں اور قرآن مجید میں ہے کہ سابقون ہی سابقون ہیں اور وہی مقربین ہیں۔

۲۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کا تفضیلِ علی بر عثمان کو رفض کی پہلی گرہ قرار دینا حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ رفض کا سیدنا عثمان و علی یا چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے مابین مفاضلہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ رفض خلیفہ اول و ثانی کی خلافت کی حقانیت کے انکار اور ان سے اظہارِ براءت کو کہتے ہیں، اور رفض کا آغاز اُس وقت ہوا جب کچھ لوگوں نے سیدنا امام زید بن زین العابدین علیہما السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اظہار کریں تو وہ جنگ میں اُن کا ساتھ دیں گے۔ امام زید علیہ السلام نے یہ کہہ کر اُن کے مطالبہ کو مسترد کر دیا کہ وہ دونوں میرے بابا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر ہیں لہٰذا میں اُن سے اظہارِ براءت نہیں کرتا۔ اِس پر اُن لوگوں نے کہا: ''نَحْنُ نَرْفُضُكَ'' (ہم آپ کو چھوڑ دیں گے) امام پاک نے فرمایا: تمہاری مرضی۔ اِس پر وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور اُسی دن سے وہ اور ایسے تمام لوگ رافضی قرار پائے، ورنہ تو کثیر صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم تفضیلِ مرتضوی کے قائل تھے مگر رافضی نہیں تھے۔

۳۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کا کہنا ''وہ دونوں علم و مرتبہ میں بھی برابر ہیں'' قرآن و حدیث اور بداہتِ عقل تینوں کے خلاف ہے۔ حدیث میں مطلقاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ''أَكْثَرُهُمْ عِلْمًا'' (علم میں زیادہ) فرمایا گیا ہے۔ علم کا سرچشمہ قرآن مجید ہے اور فہمِ قرآن میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس انسان پر رشک کرتے تھے وہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ بخاری میں ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام اولین شاگردِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، سو بعد والا کوئی انسان کم عمر ہو یا

زیادہ اگر پہلے سے کسی دوسرے مدرسہ سے پڑھ کر نہ آیا ہو تو وہ کسی سابق اور ذہین طالب علم سے کیونکر بڑھ سکتا ہے؟

مرتبہ میں برابری کے قول کی حیثیت اِسی معقول حقیقت سے بھی جانی جاسکتی ہے اور ﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلسَّٰبِقُونَ ۝١٠ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝١١ فِي جَنَّٰتِ ٱلنَّعِيمِ ۝١٢﴾ سے تو ویسے ہی ظاہر ہے۔

۴۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کا کہنا "جمہور امت حضرت عثمان کی امام علی پر ترجیح کی قائل ہے" ایسا بالکل نہیں ہے اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ یہ مذکور الصدر آیات واحادیث دونوں کے خلاف ہے، البتہ واضعین عقائد وکلام کا "ترتیبِ خلافت بترتیبِ افضلیت" کے مطابق دعویٰ ہے مگر یہ ایسا دعویٰ ہے جس پر وہ خود بھی مطمئن نہیں۔

۵۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کا کہنا: "بلاشبہ اِن دونوں سے ابو بکر وعمر افضل ہیں" یہ دعویٰ بھی سورۃ الواقعہ کی مذکورہ بالا آیات کے خلاف ہے اور اس کے دو پہلو ہیں:

الف: سیدنا ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما دونوں سے سیدنا علی علیہ السلام ایمان، اسلام اور نماز میں سابق ہیں اور یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جو سابقین ہیں وہی سابقین ہیں اور وہی مقربین ہیں۔ اِس میں کم عمر ہونے اور زیادہ عمر ہونے کی کوئی قید نہیں۔ دیکھئے اگر اللہ تعالیٰ کسی کم عمر بچے کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ بزرگ جس حق کی شہادت (گواہی) دینے اور تصدیق کرنے سے گریزاں ہوں وہ بچہ آگے بڑھ بڑھ کر اور بار بار اُٹھ اُٹھ کر اُس حق کی شہادت بھی دے اور تصدیق بھی کرے تو مومن کا کام ہے کہ وہ تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ کا اُس بچے پر بڑوں سے زیادہ فضل ہے۔ مت بھولیے کہ جس نے علی کو بچپن میں یہ سعادت عطا فرمائی یہ وہی قادر وقیوم اللہ ہے جس نے سیدہ مریم علیہا السلام کی عفت کی، سیدنا یوسف علیہ السلام کی عصمت کی اور حضرت جریج رحمہ اللہ کی پاک دامنی کی گواہی جھولے کے بچوں سے

دلوائی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج کے واقعات کے ضمن میں بنتِ فرعون کی خادمہ کے چھوٹے بچے کے بولنے کا واقعہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

تَكَلَّمَ أَرْبَعَةٌ وَهُمْ صِغَارٌ: هٰذَا، وَشَاهِدُ يُوسُفَ، وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ، وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عليه السلام.

”چار بچوں نے کلام کیا حالانکہ وہ چھوٹے تھے (۱) یہی، (۲) شاہدِ یوسف، (۳) جریج کی پاک دامنی کا گواہ اور (۴) عیسیٰ بن مریم علیہ السلام“۔(1)

سو اگر قرآن و سنت کی رو سے جھولے کے بچوں کی شہادت گزشتہ انبیاء و اولیاء کے حق میں درست بھی ہے اور اُن کے اپنے حق میں بھی اور جن کے حق میں اُنہوں نے گواہی دی اُن کے لیے بھی وجہِ فضیلت ہے تو پھر رسالتِ نبوی ﷺ کی شہادت اگر دس گیارہ سال کا بچہ دے تو کیوں درست نہیں اور وہ اُس کے حق میں وجہِ فضیلت کیوں نہیں؟ آخر روافض کی ضد میں سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام کی کس کس خصوصیت اور کس کس افضلیت کا انکار کیا جائے گا؟

ب: دوسرے پہلو سے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اِس لیے قرآن کے خلاف ہے کہ

---

(1) المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۴۹۶، وط: دار المیمان ج ۵ ص ۸۷، ۸۸ ح ۳۸۷۷؛ مسند البزار ج ۱۱ ص ۲۷۷، ۲۷۶ ح ۵۰۶۷؛ مسند أحمد ج ۵ ص ۳۰، ۱۳ ح ۲۸۲۱؛ مسند أبي يعلى ج ۴ ص ۳۹۴ ح ۲۵۱۷؛ الإحسان في ترتيب صحيح ابن حبان ج ۷ ص ۱۶۴، ۱۶۵ ح ۲۹۰۴؛ المعجم الكبير ج ۱۱ ص ۴۵۰، ۴۵۱ ح ۱۲۲۷۹؛ دلائل النبوة للبيهقي ج ۲ ص ۳۸۹؛ مجمع الزوائد طبع قديم ج ۱ ص ۵۶ وط: دار المنهاج ج ۱ ص ۳۹۲ ح ۲۳۱؛ الأحاديث المختارة للمقدسي ج ۱۰ ص ۲۷۸، ۲۷۷ ح ۲۹۱؛ كشف الأستار عن زوائد البزار ج ۱ ص ۳۸، ۳۷ ح ۵۴؛ تفسير ابن كثير ج ۴ ص ۳۸۴، ۳۸۳؛ الدر المنثور ج ۸ ص ۲۳۲، ۲۳۱؛ كنز العمال ج ۱۵ ص ۱۶۵، ۱۶۴ ح ۴۰۴۶۸۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر سبقت نہیں رکھتے بلکہ وہ کم وبیش چھ برس بعد ایمان لائے۔ سو جب تک کوئی دوسری نقلی وجہِ افضلیت نہ ہو تو اُنہیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہنا قرآن وسنت دونوں کے خلاف ہے۔اِس کی مکمل تفصیل ”ذی النورین پر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کی سبقت کیوں؟“ کے عنوان کے تحت آگے آرہی ہے۔

۶۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے جو یہ کہا: ”جس نے شیخین سے بغض رکھا اور اُن کی خلافت کی صحت کا عقیدہ رکھا تو وہ ناپسندیدہ رافضی ہے“ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے، شاید اُن کے دور میں ایسے رافضی ہوں گے جو شیخین رضی اللہ عنہما سے بغض بھی رکھتے ہوں گے اور اُن کی خلافت کو صحیح بھی سمجھتے ہوں گے، لیکن میری معلومات کی حد تک ہمارے زمانے میں ایسے رافضی موجود نہیں ہیں۔

۷۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے لفظِ شیخین استعمال کیا ہے اور مشہور اصطلاح کی وجہ سے مجھ سمیت تمام اہل سنت یہ لفظ اِنہی دونوں حضرات کے لیے استعمال کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ”شیخین“ کی اصطلاح میں شمولیت کا حق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ زیادہ رکھتے ہیں، کیونکہ وہ عمر میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فقط چار سال چھوٹے ہیں اور اسلام لانے میں تو بالکل قریب ہیں۔ نیز وہ پیدائش میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے چودہ برس پہلے ہیں اور اسلام میں چھ برس بڑے ہیں۔ سو جو شخص عمر اور اسلام میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قریب ہے ہمارے علماء اُس کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لفظ شیخین میں شامل نہیں کرتے اور جو صاحب اٹھارہ سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اور چودہ برس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چھوٹے ہیں اُنہیں لفظِ ”شیخین“ میں شامل کرتے ہیں۔ اللہ ہی جانے کون بشر ہے؟

ترتیب خلافت بترتیب افضلیت کا دعویٰ

بلا تحقیق اور محض شہرت کی بنا پر اکثر لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ”ترتیبِ خلافت ہی

ترتیبِ افضلیت ہے" لیکن یہ محض بے بنیاد دعویٰ ہے، حقیقت سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الْأَفْضَلِيَّةُ عِنْدَنَا بِتَرْتِيبِ الْخِلَافَةِ مَعَ تَرَدُّدٍ فِيمَا بَيْنَ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

"ہمارے نزدیک افضلیت ترتیب خلافت کے مطابق ہے، اس تردد کے ساتھ جو سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل کے مابین ہے"۔(1)

صحیح بات یہ ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں کوئی تردد نہیں ہے، اِس لیے کہ جو پہلے اسلام لایا اور پہلے نماز پڑھی وہ تمام بعد والوں سے افضل ہے لیکن علماء اہل سنت نے جن کی تفضیل میں تردد اور تعارض کی بات کی ہے وہ فقط سیدنا علی و عثمان رضی اللہ عنہما نہیں بلکہ چاروں کی تفضیل میں تردد و تعارض ہے۔ چنانچہ اسی امام کی وہ کتاب جس کو سنی مکاتبِ فکر کے مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، اُس میں اسلاف کی طرف سے اِن چاروں کی بالترتیب افضلیت کا ذکر کرنے کے بعد یوں مرقوم ہے:

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ دَلِيلٌ عَلَى ذٰلِكَ لَمَا حَكَمُوا بِذٰلِكَ، وَ أَمَّا نَحْنُ فَقَدْ وَجَدْنَا دَلَائِلَ الْجَانِبَيْنِ مُتَعَارِضَةً.

"ظاہر ہے کہ اُن کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ یہ حکم نہ لگاتے، رہے ہم تو یقیناً ہم نے جانبین کے دلائل کو متعارض (باہم ٹکراتا ہوا) پایا ہے"۔(2)

نوٹ

(1) المقاصد للإيجي مع شرحه ج۵ ص ۲۹۰۔

(2) شرح العقائد للتفتازاني ص ۱۵۰۔

اِس میں اگر امام تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلاف سے صحابہ کرام ﷺ کو مراد لیا ہے تو واضح رہے کہ صحابہ کرام ﷺ کے درمیان خلیفہ کے چناؤ کے لیے کسی قسم کا کوئی مفاضلہ نہیں ہوا تھا، جیسا کہ ہم اِس سے قبل "اعلیٰ حضرتؒ کی خوش فہمی" کے عنوان کے تحت واضح کر چکے ہیں۔

متشدد لوگ ترتیبِ خلافت کو ترتیبِ افضلیت کے مطابق لکھتے وقت اِس درسی کتاب میں جو حقیقت مذکور ہے اُس کو نظر انداز کر دیتے ہیں؟ گویا اُن کے نزدیک مدارس میں پڑھایا جانے والا عقیدہ اور ہے اور عوام الناس کو بتایا جانے والا عقیدہ اور؟ یا یہ کہ جب فتویٰ ٹھوکنا ہو تو پھر انصاف کے پیمانے بدل جاتے ہیں؟ اگر مدارس کے نصاب میں شامل اِن کتب کے مندرجات کو مفتیان حضرات فقط اپنے ہی مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہیں تو پھر تو یہی سمجھا جائے گا کہ پاکستان کے کرپٹ سیاستدان اور ہمارے مفتیان کے مابین کوئی فرق نہیں، کیونکہ کرپٹ سیاستدان بھی کتبِ آئین و قانون کی فقط اُن شقوں پر عمل کرتے ہیں جو اُن کے حق میں مفید ہوں۔

شرح العقائد کے ایک اور شارح لکھتے ہیں:

فَتَرَدُّدٌ فِي التَّفْضِيلِ.

"پس تفضیل میں تردد ہے"۔(1)

علامہ ابو المعین نسفی حنفی ماتریدی متوفّٰی ۵۰۸ھ اپنی ایک سابق کتاب میں تو ترتیب افضلیت بترتیبِ خلاف پر ہی زور دیتے رہے اور اختلافی اقوال سے آنکھیں چراتے رہے لیکن اُنہیں اپنی بعد والی بعض کتب میں کثیر اختلاف کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔ چنانچہ وہ طویل بحث و نظر کے بعد لکھتے ہیں:

وَفِي فَضْلِ التَّرْتِيبِ فِي الْفَضِيلَةِ اِخْتِلَافٌ بَيْنَ النَّاسِ. وَفِيهِ كَلَامٌ كَثِيرٌ.

---

(1) النکت والفوائد علی شرح العقائد للبقاعي ص ۱۳۳۔

"اور فضیلت کی ترتیب میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے اور اس میں کثیر کلام ہے"۔ (1)

ذی النورین پر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کی سبقت کیوں؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کم وبیش ایک سو ستر افراد کے بعد چھٹے سال کے اختتام پر اسلام لائے تھے، اور اُس وقت تک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان سختیاں برداشت کرتے کرتے حبشہ کو ہجرت فرما چکے تھے اور باقی انتالیس چالیس افراد دار الأرقم میں رہ گئے تھے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تقریباً ساڑھے پانچ چھ سال قبل سعادتِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ کتب سیر و تاریخ میں ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا۔ امام ابن عساکر کی ایک روایت کے مطابق اُن کی کوشش کے نتیجے میں سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَمَضَى أَبُو بَكْرٍ فَرَاحَ بِعُثْمَانَ وَطَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ، وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ، وَسَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، فَأَسْلَمُوا.

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کوشش کی اُنہوں نے عثمان بن عفان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو قائل کر لیا تو وہ اسلام لے آئے"۔ (2)

اس ترتیب کے مطابق اسلام لانے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد معلوم ہوتا ہے، اس لحاظ سے وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے اور مجموعی لحاظ سے آٹھویں مسلمان شمار

---

(1) التمهيد في أصول الدين ص ۱۶۲۔

(2) تاریخ دمشق ج ۳۰ ص ۴۶۔

ہوتے ہیں، کیونکہ سیدنا ابو بکرؓ چھ افراد کے بعد اسلام لائے تھے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی سوانح میں متعدد روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"امام ابن عساکر نے جیّد سند کے ساتھ لکھا ہے کہ محمد بن سعد بن ابی وقاص نے اپنے والد سعد سے پوچھا: کیا ابو بکر تم سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ اُنہوں نے فرمایا: نہیں، اُن سے قبل پانچ سے زائد افراد اسلام لا چکے تھے، لیکن وہ ہم سب سے اسلام میں بہتر تھے۔ ابن کثیر نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گھرانے والے ہر ایک سے پہلے ایمان لائے: آپ کی زوجہ سیدہ خدیجہ، آپ کے غلام زید، زید کی بیوی ام ایمن، سیدنا علی اور حضرت ورقہ بن نوفلؓ"۔(1)

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ ابتدائی ایام میں مسلمان ہو گئے تھے، پھر کیا وجہ ہے کہ ترتیبِ خلافت بترتیبِ افضلیت کے مدعیان اُن پر اُس صحابی کو افضلیت اور سبقت دیتے ہیں جو اُن سے چھ سال بعد مسلمان ہوئے؟

اعلیٰ حضرتؒ کی کتاب کے نام کا قرآن و سنت کے خلاف ہونا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ نے اپنی کتاب کا نام ہی ایسا رکھا ہے جس سے سیدنا عثمانؓ پر سیدنا فاروق اعظمؓ کی سبقت ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کی کتاب کا نام ہے "مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين" (افضلیت ابو بکر و عمرؓ) جب سیدنا عثمانؓ سیدنا عمرؓ سے ایمان، اسلام اور ہر طرح کی نیکی میں پانچ چھ سال سابق ہیں تو پھر اُن پر سیدنا عمرؓ کی سبقت کا قول کرنا قرآن مجید کی صراحت کے سراسر خلاف ہے۔ چنانچہ سورۃ الواقعہ میں ہے:

---

(1) تاریخ الخلفاء للسیوطي ص ۳۲، وط: ص ۱۰۸؛ تاریخ دمشق ج ۳۰ ص ۴۵۔

وَالسَّٰبِقُونَ السَّٰبِقُونَ ﴿١٠﴾ أُولَٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾

"اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقرب بارگاہ ہیں"۔

(ترجمہ: کنز الإیمان)

اگر آپ اِس ارشادِ الٰہی "اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے" کے مطلب کو کماحقہ سمجھنا چاہیں تو حسبِ ذیل عنوان کے تحت درج کردہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم میں غور فرمائیں۔

کثرتِ ثواب کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غیر درست اندازے

درجِ ذیل احادیث کی روشنی میں آپ یہ جان کر حیران رہ جائیں گے کہ جس شخص کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ مستعد، زیادہ باہمت اور بڑا مجاہد وغیرہ ہونے کی وجہ سے افضل سمجھتے تھے وہ اپنے دوسرے ساتھی سے محض اِس لیے مفضول (کم فضیلت والا) نکلا کہ دوسرے ساتھی کی عبادت کے چند شب و روز اُس کے مقابلہ میں زیادہ تھے۔ چنانچہ امام احمد اور دوسرے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم لکھتے ہیں:

۱۔ "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک قبیلہ کے دو صحابی اکٹھے مسلمان ہوئے اُن میں سے ایک جہاد میں شہید ہوگئے اور دوسرے کا ایک سال بعد انتقال ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا اُس شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہوگئے تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا اُن کی نیکیاں نہیں دیکھتے کتنی زیادہ ہو

گئیں؟ ایک رمضان المبارک کے پورے روزے بھی اُن کے زیادہ ہوئے اور چھ ہزار اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ایک سال کی اُن میں بڑھ گئیں"۔[1]

۲۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے دو آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ساتھ آئے اور اکٹھے ہی مسلمان ہوئے۔ ایک صاحب بہت زیادہ مستعد اور ہمّت والے تھے وہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں اور وہ دونوں صاحب بھی وہاں ہیں۔ اندر سے ایک شخص آئے اور اُن صاحب کو جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا اندر جانے کی اجازت ہو گئی اور جو صاحب شہید ہوئے تھے وہ کھڑے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر اندر سے ایک شخص آئے اور اس شہید کو بھی اجازت ہو گئی، اور مجھ سے کہا کہ تمہارا ابھی وقت نہیں آیا تم واپس چلے جاؤ۔ میں نے صبح کو لوگوں سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا۔ سب کو اس پر تعجب ہوا کہ اُس شہید کو بعد میں کیوں اجازت ملی اُن کو تو پہلے ہونی چاہیے تھی۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے اِس کا تذکرہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ شہید بھی ہوئے اور وہ بہت زیادہ مستعد اور ہمت والے بھی تھے مگر جنت میں یہ دوسرے صاحب پہلے داخل ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اُنہوں نے ایک سال کی عبادت زیادہ

---

(1) مسند أحمد ج ۲ ص ۳۳۳، وط: ج ۳ ص ۲۷۵ ح ۸۳۸۰، وط: ج ۱۴ ص ۱۲۶ ح ۸۳۹۹؛ مسند البزار ج ۳ ص ۱۴۳ ح ۹۲۹؛ الترغیب والترهیب ج ۱ ص ۱۴۹؛ إتحاف الخيرة المهرة ج ۶ ص ۳۶۸ ح ۶۰۳۴، وط: ج ۸ ص ۲۹۴ ح ۸۰۹۳۔

نہیں کی؟ عرض کیا بے شک کی۔ ارشاد فرمایا: کیا اُنہوں نے پورے ایک رمضان کے روزے اُن سے زیادہ نہیں رکھے؟ عرض کیا گیا: بے شک رکھے۔ ارشاد فرمایا: کیا اُنہوں نے اتنے اتنے سجدے ایک سال کی نمازوں کے زیادہ نہیں کئے؟ عرض کیا گیا: بے شک کیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''لِمَا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ'' (بایں وجہ اُن دونوں میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہو گیا"۔ (1)

ایک اور حدیث میں تین اشخاص کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۳۔ حضرت عبد اللہ بن شداد بیان کرتے ہیں قبیلہ بنو عذرہ کے تین افراد نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اکٹھے حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان کی کفالت میں میری معاونت کون کرے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں۔ پس وہ تینوں حضرات حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں رہنے لگے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا تو اُن میں سے ایک اُس لشکر میں شامل ہو گیا تو شہادت سے سرفراز ہوا۔ حضور ﷺ نے پھر ایک اور لشکر جہاد کے لیے بھیجا تو دوسرا شخص اس میں شریک ہوا اور شہید ہوا۔ راوی کہتے ہیں: پھر تیسرے شخص نے اپنے بستر پر طبعی وفات پائی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان تینوں کو حالتِ خواب میں جنت میں دیکھا تو میں نے

---

(1) مسند آحمد ج ۱ ص ۱۶۳، وط: ج ۱ ص ۴۴۷ ح ۱۴۰۳، وط: ج ۳ ص ۲۲ ح ۱۴۰۳؛ سنن ابن ماجه ج ۴ ص ۳۱۳ ح ۳۹۲۵؛ صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۲۴۸، ۲۴۹ ح ۲۹۸۲؛ مسند البزار ج ۳ ص ۱۶۵ ح ۹۵۱۔

طبعی وفات پانے والے کو سب سے آگے دیکھا اور جو دوسرے نمبر پر شہید ہوا تھا اُسے اُس کے ساتھ دیکھا اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا اسے اُن دونوں سے پیچھے دیکھا۔ فرماتے ہیں: اس پر میرے دل میں تعجب پیدا ہوا تو میں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کونسی چیز اسے تسلیم کرنے سے مانع ہے؟

لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِي الْإِسْلَامِ لِتَسْبِيحِهِ وَتَكْبِيرِهِ وَتَهْلِيلِهِ.

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس مومن سے کوئی افضل نہیں جس کو اسلام میں اللہ کی تسبیح، تکبیر اور تہلیل (کلمہ طیبہ کے ورد) کے لیے لمبی عمر عطا کی جائے“۔(1)

ایک اور حدیث میں فقط چالیس روز کا فرق بیان کیا گیا ہے، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۴۔ ”حضرت عامر بن سعد ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سعد بن ابی وقاص اور دوسرے صحابہ کرام ؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دو بھائی تھے ”وَكَانَ أَحَدُهُمَا أَفْضَلَ مِنَ الْآخَرِ فَتُوُفِّيَ الَّذِي هُوَ أَفْضَلُهُمَا“ (ایک اُن میں سے دوسرے سے افضل تھا، پس وہ جو

---

(1) مسند أحمد ج ۱ ص ۱۶۳، وط: ج ۱ ص ۴۴۶ ح ۱۴۰۱، وط: ج ۳ ص ۱۹ ح ۱۴۰۱ وص ۲۱ ح ۱۳۸۹؛ عمل اليوم والليلة للنسائي ص ۴۸۴ ح ۸۳۹، ۸۳۸؛ مسند أبي يعلى ج ۱ ص ۲۷۵، ۲۷۶ ح ۶۳۰؛ مسند البزار ج ۳ ص ۱۶۷ ح ۹۵۴؛ منتخب مسند عبد بن حميد ج ۱ ص ۱۳۹ ح ۱۰۴؛ إتحاف الخيرة المهرة ج ۶ ص ۳۶۶، ۳۶۷ ح ۶۰۳۲، وط: ج ۸ ص ۲۹۲ ح ۸۰۸۷، ۸۰۸۸، ۸۰۹۰، ۸۰۸۹۔

افضل تھا اُس کا انتقال ہوگیا) دوسرا اُس کے بعد چالیس روز زندہ رہا پھر انتقال کرگیا، لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہلے کی دوسرے پر افضلیت بیان کرنا شروع کردی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي؟ (کیا وہ نماز نہیں پڑھتا تھا؟) [موطا میں ہے: أَلَمْ يَكُنِ الْآخَرُ مُسْلِمًا'' (کیا وہ دوسرا مسلمان نہیں تھا؟) لوگوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، لیکن وہ حرج کش نہیں تھا۔ فرمایا: ''مَا يُدْرِيكُمْ مَا ذَا بَلَغَتْ صَلَاتُهُ؟'' (تم کیا جانو کہ اس کو نماز نے کہاں پہنچادیا ہے؟)''۔(1)

اندازہ فرمایئے کہ عبادت کے لیے جس کا ایک سال، یا چند ماہ یا چند ایام دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ تھے تو وہ اپنے اُس ساتھی سے کتنا بڑھ گیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خیال میں افضل تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر فقط پانچ چھ سال کی عبادات کی کثرت کی برتری ہی حاصل نہیں تھی بلکہ اُنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان میں سبقت کی سعادت بھی عطا فرمائی تھی۔ سو خود غور فرمایئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان میں سابق اور اعمال میں زیادہ بنایا اُس پر کسی بھی دوسرے کو افضلیت وسبقت

---

(1) مسندأحمد ج ١ ص ١٧٧، وط: ج ١ ص ٤٨٠ ح ١٥٣٤، وط: ج ٣ ص ١١٥ ح ١٥٣٤؛ الموطأللإمام مالک ج ١ ص ١٧٠ ح ٤٣٠، وط: ج ٢ ص ٧٨، ٧٧ ح ٤٦١؛ التمهيد ج ٢٤ ص ٢٢٠ تا ٢٣٠؛ الاستذكار ج ٦ ص ٣٥٠ ح ٩٣٢٨، وط: ج ٢ ص ٣٦٥، ٣٦٦ ح ٣٩٢؛ مسندسعدبن أبي وقاص ص ٨٤ ح ٤٠؛ صحيح ابن خزيمة ج ١ ص ١٩٢ ح ٣١٠؛ المستدرک ج ١ ص ٤٤٧ ح ٧٤٥، وط: ج ١ ص ٢٠٠، وط: ج ١ ص ٣١٦ ح ٧١٩؛ الجامع لشعب الإيمان ج ٤ ص ٣٠٥ ح ٢٥٥٧؛ الأحاديث المختارة لضياء المقدسي ج ٣ ص ١٩٤، ١٩٣، ١٩٥ ح ٩٨٨، ٩٨٩، ٩٩٠؛ الترغيب والترهيب ج ١ ص ١٤٨، ١٤٩، وط: ص ١٩٤ ح ٥٢٣، ٥٢٢؛ مجمع الزوائد ج ١ ص ٢٩٧، وط: ج ٢ ص ٣٠ ح ١٦٥٠۔

دینا کیا قرآن وسنت کے خلاف نہیں؟

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تھے تو اُس وقت اُن کی عمر چونتیس [۳۴] برس تھی، یعنی وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح دس گیارہ سال کے بچے نہیں تھے کہ اُن کی اسلامی اہمیت کو گھٹانے کی سازش کی جاسکے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کی دو ہجرتوں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اُن کی چھ سال کی زائد عبادت، اُن کا مالِ کثیر خرچ کرنا، مسجد نبوی شریف کی زمین خرید کر کے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کرنا، غزوات میں اُن کی مالی قربانیوں کا نمایاں ہونا، بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کو وقف کرنا وغیرہ امور کے باوجود اُن پر خلیفہ ثانی کو ترجیح دے کر اُنہیں مفضول بنادیا گیا؟

اسلامی اور ایمانی سبقت اور عبادات کی کثرت کے باوجود اِس مفضولیت کی کوئی اور باطنی اور روحانی وجہ نہ ہو تو پھر اُن پر اور اُن کی مانند سابقین اسلام (جیسا کہ سیدنا علی، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا یاسر اور سیدنا عمار بن یاسر) رضی اللہ عنہم پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت وسبقت کا قول کرنا قرآن وسنت دونوں کے خلاف ہے اور اِس لحاظ سے اعلیٰ حضرت کی کتابِ مذکور کا نام بھی کتاب وسنت دونوں کے خلاف ہے۔ پس سلامتی اِسی میں ہے کہ باہمی قیل وقال اور مناظرہ بازی کو نظر انداز کر دیا جائے اور مذکور الصدر ارشادِ الٰہی ﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلسَّٰبِقُونَ ۝١٠ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝١١﴾ اور فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان واعتقاد رکھا جائے۔ تنازع کی صورت میں اہل ایمان کو اِسی اُصول کا پابند بنایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ارشادِ الٰہی ہے:

فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ. ۝٥٩

”پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو“۔

باقی رہا خلافت کا معاملہ تو اُس کا تعلق افضلیت سے نہیں ہے اور نہ ہی اِس معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین کوئی مفاضلہ کی مجلس قائم ہوئی تھی جیسا کہ ہم اِس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ یاد رکھیے اور

کبھی مت بھلایئے کہ خلافت کے لیے افضلیت کی شرط شیعہ کا عقیدہ ہے اہل سنت کا نہیں۔ ان شاء اللہ عنقریب اِس پر کتبِ اہل سنت سے باحوالہ اور مفصل گفتگو آئے گی۔

کیا کسی صحابی کی افضلیت قطعی ہے؟

خیال رہے کہ کسی قطعی مسئلہ کے منکر کو ضال، مضل، گمراہ، بدمذہب اور خارج از اہل سنت کہنا درست ہے مگر بشرطیکہ وہ مسئلہ واقعی قطعی ہو۔ مسئلہ افضلیت یا تفضیلِ صدیقی ہر گز قطعی نہیں ہے لیکن حیرت ہے کہ مفتی منیب الرحمان صاحب نے چند علماءِ ہند کے اقوال کو جمع کر کے پہلے افضلیتِ صدیقی کے مسئلہ کو اجماعی اور قطعی تصور کر لیا پھر اُس سے اختلاف اور توقف کرنے والے پر یوں فتویٰ جڑ دیا:

> "انبیاء ورُسلِ بشر و مُرسلین ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں، جنات اور فرشتوں سے افضل سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر مولا علی کَرَّمَ اللہُ وَجھَہٗ ہیں۔ شیخین کریمین یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو بالترتیب تمام صحابہ سے افضل ماننا اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس لیے جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کو یا اہل بیت اطہار میں سے کسی کو خواہ جگر گوشۂ رسول فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا یا جنت کے نوجوان کے سردار حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو ابو بکر صدیق یا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل مانے یا اُس میں توقف کرے، وہ گمراہ، بد مذہب اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اس کی بیعت بھی جائز نہیں، اگر کوئی پیر اس عقیدے

کے خلاف عقیدہ رکھے تو اس سے بیعت توڑنا واجب ہے"۔[1]

مفتی صاحب نے جن ہندی علماء کی عبارات کے بل بوتے پر یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے اُن کے اسماء مبارکہ یہ ہیں:

۱۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی

۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۳۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

۴۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہم۔

اب بالترتیب اِن حضرات کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

"امیر را افضل از صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) گوید از جرگۂ اہل سنت می بر آمد۔"

ترجمہ: "جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کہے، وہ اہل سنت کے گروہ سے نکل جاتا ہے"۔

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ: دفتر دوم)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"افضلیت شیخین در ملت اسلامیہ قطعی است"۔

ترجمہ: "ملت اسلامیہ میں افضلیت شیخین کا مسئلہ قطعی ہے"۔

(قُرَّۃُ العَینَینِ فِی تَفضِیلِ الشَّیخَینِ، ص: ۲۶)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

---

(1) افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علماء اہل سنت کا متفقہ فتویٰ ص ۲۔

"عبد اللہ بن سبا یہودی نے اپنی گمراہ جماعت کو سب سے پہلے یہی عقیدہ سکھایا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، (تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۱)"

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"حاصل یہ کہ تفضیل صدیق قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت، جو اس سے انکار کرے، قریب ہے کہ اس کے ایمان میں خطرہ ہو۔ انتہائی عجب اس سے جو اجماع صحابہ و تابعین و کافہ اہل سنت کا خلاف کرے، پھر اپنے آپ کو سنی کہے۔

اے عزیز! جیسے تمام ایمانیات پر یقین لانے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور ایک کا انکار کافر و مرتد کر دیتا ہے، اسی طرح سنی وہ تمام عقائد اہل سنت میں ان کے موافق ہو، اگر ایک میں بھی خلاف کرتا ہے ہرگز سنی نہیں، بدعتی ہے، اسی لیے علمائے دین تفضیلیہ کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے اور انہیں اہل بدعت کی شاخ جانتے ہیں"۔ (مَطْلَعُ الْقَمَرَيْن فِيْ إِبَانَةِ سَبقَةِ الْعُمَرَيْن، ص:۱۲۹)"۔

مزید فرمایا:

"جو مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضراتِ شیخین پر قربِ الٰہی میں فضیلت دے، وہ گمراہ مخالفِ اہل سنت ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:۲۹ ص ۶۱۵)"۔[1]

مفتی صاحب نے اپنی ایک اور کتاب میں بھی اسی طرح خود ساختہ اجماع کی بنیاد پر یوں لکھا ہے:

"تفضیلی اہل سنت سے خارج ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

---

(1) افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علماء اہل سنت کا متفقہ فتویٰ ص ۵، ۴۔

اِس امت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ماننا اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کے بر خلاف کسی اور صحابی خواہ حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ماننا اہل سنت سے باہر نکلنا اور روافض کی وادی میں قدم رکھنا ہے"۔[1]

گذشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مسئلہ تفضیل کے دلائل باہم متعارض ہیں اور ترتیبِ خلافت کے مطابق ترتیب افضلیت کے قول میں تردد ہے۔ نیز آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفضیل مرتضوی کے قائل تھے، جن میں سیدنا عمار بن یاسر اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اسماء بھی شامل ہیں، کیا وہ بھی اہل سنت و جماعت (اشعری اور ماتریدی) سے خارج اور روافض کی وادی میں قدم رکھ چکے تھے؟ یا کیا اُنہیں یہ سبق عبد اللہ بن سبا یہودی نے سکھایا تھا؟ یہ سب بعد کی تُک بندیاں ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ترتیبِ خلافت پر نظر کرتے ہوئے خلیفۂ ثالث پر خلیفۂ ثانی کو فضیلت دینا قرآن و سنت دونوں کے خلاف ہے۔

بولی تو کوئی ایک بولیں!

تعجب ہے کہ تفضیل کی قطعیت کے قائلین کبھی تو بالترتیب خلفاء اربعہ کی افضلیت کا قول کرتے ہیں اور کبھی فقط شیخین تک رُک جاتے ہیں، حالانکہ دلائل کا تعارض فقط سیدنا عثمان اور سیدنا علی علیہما السلام کے فضائل کے مابین نہیں بلکہ چاروں کے فضائل کے مابین ہے۔ مثلاً یہ جو امام الحرمین جوینی متوفیٰ ۴۷۸ھ، علامہ تفتازانی متوفیٰ ۷۹۳ھ، ابن حجر مکی متوفیٰ ۹۷۵ھ اور شیخ محقق متوفیٰ ۱۰۵۲ھ مسئلہ تفضیل کی بحث میں فرماتے ہیں:

---

(1) اصلاحِ عقائد و اعمال للمفتي منیب ص ۳۸۔

وَتَتَعَارَضُ الظُّنُونُ فِي عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ.

"سیدنا عثمان و علی ﷺ کی تفضیل میں آراء مختلف ہیں"۔(1)

یا جو امام ابو العباس قرطبی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے:

وَقَدْ اِخْتَلَفَ أَئِمَّةُ أَهْلِ السُّنَّةِ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

"بے شک ائمہ اہل سنت نے سیدنا علی و عثمان ﷺ کی تفضیل میں اختلاف کیا ہے"۔(2)

اِس پر ہم پوچھتے ہیں کہ سیدنا عثمان و علی ﷺ کے فضائل کے مابین ایسے کون سے متعارض دلائل ہیں جو سیدنا علی اور سیدنا ابو بکر ﷺ کے فضائل کے مابین نہیں ہیں؟ دلائل کا تعارض سب کے فضائل کے درمیان ہے، یہی وجہ ہے کہ روزِ اوّل سے لے کر آج تک اِس مسئلہ میں دلائل و آراء کا ٹکراؤ ہے، نہ کبھی اِس پر اجماع ہوا ہے اور نہ ہی یہ مسئلہ ظنیت کی حد عبور کر کے قطعیت کے میدان میں داخل ہو سکا ہے۔ اگر اُمت مسلمہ یا اہل سنت کے مابین اِس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہوتا تو علم کلام کی کتب میں تعارض و تردد کی روایات کیوں ہوتیں اور پھر "قرة العينين في تفضيل الشيخين" اور "مطلع القمرین" وغیرہ جیسی کتب کیوں وجود میں آتیں؟ کبھی بھی کوئی اجماع نہیں ہوا، البتہ چشم بد دور! مفتی منیب الرحمان صاحب نے چار علماءِ ہند کے اجماع کو اجماعِ اُمت ضرور بنا دیا ہے۔

افضلیت کو قطعی کہنے میں اشعری کا تفرد

جب کوئی مسئلہ ظنی ہو تو اُس کے بارے میں ہر ایک شخص کو اپنے دلائل کے مطابق نظریہ

---

(1) كتاب الإرشاد للجويني ص ۴۳۱؛ شرح المقاصد للتفتازاني ج۵ ص ۲۹۱؛ الصواعق المحرقة لابن حجر مكي ص ۱۸۰؛ تكميل الإيمان للشيخ عبد الحق دهلوي، ص ۱۵۱۔

(2) المفهم لأبي العباس القرطبي ج۶ ص ۲۳۸۔

اور موقف رکھنے کا حق ہوتا ہے اور دوسرے کسی شخص کو اُس پر کوئی قدغن یا فتویٰ لگانے کا اختیار نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر کوئی مسئلہ قطعی ہو تو اُس میں رائے دینے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ چونکہ افضلیتِ مابین الصحابہ کا مسئلہ بھی ظنی ہے اس لیے سابقین صحابہ کرام ﷺ میں سے کوئی شخص کسی بھی صحابی کو دوسرے صحابی پر فضیلت دے تو اُس شخص کو بدعتی، فاسق، ضال، مضل، رافضی اور کافر قرار دینا اسی طرح جرم ہے جس طرح قطعیت کے انکار کا جرم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے جس شخص نے بلا دلیل افضلیت کی قطعیت کا قول کرنے میں خطا کی وہ ابو الحسن اشعری شافعی ہے۔ ہم حسبِ ذیل عنوان کے تحت اُن کی عبارت نقل کر رہے ہیں۔

کیا خلافت پر اجماع افضلیت پر اجماع کے مترادف ہے؟

امام ابو الحسن اشعری شافعی خلافت پر اجماع کو افضلیت پر اجماع کی دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَإِذَا وَجَبَ إِمَامَةُ أَبِي بَكْرٍ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَجَبَ أَنَّهُ أَفْضَلُ الْمُسْلِمِينَ ﷺ.

”اور جب رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق ﷺ کی خلافت واجب ہو گئی تو اُن کا مسلمانوں سے افضل ہونا بھی واجب ہو گیا“۔ (1)

یہ علامہ ابو الحسن اشعری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سنگین لغزش ہے، فاضل بریلی رحمہ اللہ سے بھی یہی لغزش ہو گئی۔ چنانچہ بعض مقامات پر وہ بھی خلافت پر اجماع کو تفضیل پر اجماع کی دلیل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب اجماع قطعی ہوا تو اُس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین [ﷺ] کی قطعیت میں

---

(1) الإبانة عن أصول الديانة للأشعري ص ١٦٩، وط: ص ٧٢۔

کیا کلام رہا"۔[1]

اِن دونوں حضرات کی یہ دلیل درست نہیں ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت کی صحت پر اجماعِ اہلِ سنت ہے اور بایں وجہ وہ عند اہل السنۃ قطعی ہے، اسی طرح اُن کی افضلیت بھی قطعی ہے اور اُس کا انکار قطعیت کا انکار ہے۔ یہ انتہائی شدید اور خلافِ حقیقت قول ہے، کیونکہ قطعیات کا انکار اکثر کے نزدیک کفر اور بعض کے نزدیک گمراہی ہے، اور اس کی زد میں کثیر صحابہ، اہل بیت، جملہ بنو ہاشم اور تابعینؒ کی بڑی تعداد آتی ہے۔

قطعی اور ظنی کی پہچان

یہاں یہ عاجز مجھ ایسے عوام کی آسانی کے لیے عرض کرتا ہے کہ کسی بات کے قطعی ہونے کے لیے تین میں سے کسی ایک دلیل کا ہونا ضروری ہوتا ہے:

۱۔ اُس کا قرآن مجید کی نص سے ثابت ہونا

۲۔ حدیثِ متواتر سے ثابت ہونا

۳۔ سکوتاً نہیں بلکہ قولاً اور نصاً اُس پر کامل اجماع ہونا۔

لہٰذا جو کوئی بات قرآن مجید کی نص، احادیث متواترہ اور کامل اجماع سے ثابت نہ ہو تو وہ قطعی نہیں ہوتی۔ کسی بات کے قطعی نہ ہونے کی آسان پہچان یہ ہے کہ جب کسی بات کے بارے میں کتب میں درجِ ذیل باتوں میں سے کوئی ایک بات مل جائے تو وہ قطعی نہیں ہوگی:

۱۔ اس مسئلہ کے ثبوت میں جتنی احادیث ہوں سب خبر آحاد ہوں

۲۔ اس میں دلائل متعارض ہوں

۳۔ اس میں علماء کا اختلاف ہو

---

(1) مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين ص ۷٦۔

۴۔ وہ اجتہادی مسئلہ ہو۔

اشعری کی قطعیت خود اُن کے اپنے ہاتھوں منہدم

اس تفصیل سے جہاں مسئلۂ تفضیل کا ظنی ہونا ثابت ہوا، وہیں شیخ ابوالحسن اشعری کا افضلیت کو قطعی قرار دینے کا بطلان بھی واضح ہو گیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اشعری کے اِس قول کو خود اُن کی دوسری عبارات بھی مسترد کر رہی ہیں۔ اس لیے کہ اُنہوں نے تفضیل میں پانچ مختلف اقوال نقل کیے ہیں اور مسئلہ واحدہ میں اتنے اقوال کا ہونا اُس کی قطعیت کی بیخ کنی کے لیے کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وَاخْتَلَفُوا فِي التَّفْضِيْلِ.

علماء نے تفضیل میں اختلاف کیا ہے:

۱۔ بعض نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل سیدنا ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی ﷺ ہیں

۲۔ بعض نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل سیدنا ابو بکر پھر عمر پھر علی پھر عثمان ﷺ ہیں

۳۔ بعض نے کہا: ہم کہتے ہیں: ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر اس کے بعد ہم خاموش رہتے ہیں

۴۔ بعض نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل سیدنا علی پھر سیدنا ابو بکر ﷺ ہیں

۵۔ بعض نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ سیدنا ابو بکر افضل ہیں یا سیدنا علی

رضی اللہ عنہما"۔[1]

جب موصوف نے خود ہی ''اخْتَلَفُوا فِي التَّفْضِيلِ ''(علماء نے تفضیل میں اختلاف کیا ہے) کا عنوان قائم کیا ہے تو پھر اجماع کیسا؟ کیا اختلاف اور اجماع یعنی اجتماعِ ضدین ممکن ہے؟

اس پر مزید گفتگو آگے آئے گی اور وہاں یہ بھی وضاحت آئے گی کہ ظنی اور اجتہادی مسائل میں ایک کی رائے دوسرے سے مختلف ہو تو ایک دوسرے پر فسق وغیرہ کا حکم لگانا درست نہیں ہوتا۔

اجماع، اجماع، اجماع

میں نے "شرح خصائص علي ﷛" میں مسئلۂ افضلیت پر بعض ایسی احادیث کے تحت مختصر کلام کیا تھا جن سے افضلیت مرتضوی ظاہر تھی، اُس سے میرا مقصد یہ تھا کہ اِس مسئلہ کی قدرے توضیح سے مسلمانوں کے مابین سے منافرت کا خاتمہ ہو۔ الحمد للہ، میری اس کاوش کو بہت پذیرائی ملی مگر چند شر پسند ملاؤں نے عوام کی کم علمی یا عدم مطالعہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مسئلہ کو اجماعی باور کرانے کی کوشش کی اور جو لوگ افضلیت کو قطعی نہیں مانتے اُن کے خلاف طوفانِ بدتمیزی بپا کر دیا۔ سو اب ہم چاہتے ہیں کہ اِن لوگوں کے دعوائے اجماع کی حقیقت کو کھول کر رکھ دیا جائے۔

اجماع کی تعریف

اجماع کی اصطلاحی تعریف کو قلم بند کرتے ہوئے ہمیں اس امر پر حیرت ہو رہی ہے کہ علماء اصول کا اجماع کی تعریف میں بھی اجماع نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس سلسلے میں مذاہب اربعہ

---

(1) مقالات الإسلاميين للأشعري ج ۲ ص ۱۴۷۔

اور بعض دوسرے حضرات کے اقوال پیش کریں گے تاکہ کسی نتیجے پر پہنچا جاسکے۔ امام ابن الہمام حنفی لکھتے ہیں:

وَاصْطِلَاحًا اِتِّفَاقُ مُجْتَهِدِي عَصْرٍ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى أَمْرٍ شَرْعِيٍّ.

"اصطلاح میں سیدنا محمد ﷺ کی امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی امر شرعی پر متفق ہونا اجماع ہے"۔ (1)

اکثر علماءِ اصول نے اجماع کے لیے بعد از وصالِ نبوی ﷺ کی شرط بھی ذکر فرمائی ہے۔ چنانچہ امام تاج الدین سبکی شافعی اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

هُوَ اِتِّفَاقُ مُجْتَهِدِي الْأُمَّةِ بَعْدَ وَفَاةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فِي عَصْرٍ عَلٰى أَيِّ أَمْرٍ كَانَ.

"بعد از وصالِ نبوی ﷺ مجتہدینِ اُمت کا کسی زمانے میں کسی امر پر متفق ہو جانا اجماع ہے"۔ (2)

---

(1) كتاب التحرير مع تيسير التحرير ج ٣ ص ٢٢٤۔

(2) جمع الجوامع للسبكي شافعي ٧٦؛ نظم جمع الجوامع للسبكی مع الكوكب الساطع للسيوطي شافعي ج ٢ ص ١٣١؛ الكوكب المنير لابن النجار حنبلي ج ٢ ص ٢١١؛ شرح الأصول من علم الأصول للعثيمين حنبلي ص ٥١٨؛ شرح مختصر التحرير للعثيمين ص ٥٣٧،٥٣٨؛ إيصال المسالک للمحمد بن يحيى الولاتي المالكي ص ١٥٤؛ الشامل للعبد الكريم النملة ج ٢ ص ٥١١؛ الإجابة السائل شرح بغية الآمل للأمير الصنعاني ظاهري ص ١٤٢؛ إرشاد الفحول للشوكاني ظاهري ص ٣٤٨؛ من أصول الفقه للغلام قادر باكستاني ص ٤٩؛ المسائل الأصولية للعبد الرحمان السديس ص ١١٧۔

یہی مذہب زیادہ صحیح ہے، کیونکہ صحابہ کرام ﷡ کے جس قول و فعل کو خاموش تائید نبوی ﷺ حاصل ہو جائے اُسے سنتِ تقریری کہا جاتا ہے، اجماع نہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اجماع ہمیشہ اختلافِ آراء کے بعد ہوتا ہے۔ چنانچہ قاضی ابویعلیٰ حنبلی لکھتے ہیں:

وَسُمِّيَ إِجْمَاعًا، لِإِجْتِمَاعِ الْأَقْوَالِ الْمُتَفَرِّقَةِ وَالْآرَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ.

"اجماع کو اجماع متفرق اقوال اور مختلف آراء پر جمع ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے"۔[1]

اور ہمیشہ یاد رکھیے کہ متفرق اقوال اور مختلف آراء اصول میں نہیں بلکہ فروع میں ہوتے ہیں اور اجماع کی ضرورت بھی فروعی مسائل میں ہوتی ہے۔ چنانچہ علم اُصول کی درسی کتاب میں مذکور ہے:

إِجْمَاعُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ مَا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي فُرُوعِ الدِّيْنِ حُجَّةٌ مُوْجِبَةٌ.

"اِس اُمت میں رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد دین کے فروعی مسائل میں اجماع ایک حجتِ واجبہ ہے"۔[2]

سو اگر ظاہری حیاتِ نبوی ﷺ میں کسی بات میں صحابہ کا اختلاف ہوا ہو، اور اُس کی بازگشت نبی کریم ﷺ تک پہنچی ہو اور آپ نے اُس اختلاف کو لائق توجہ ہی نہ سمجھا ہو تو یہ بداہۃً باطل ہے، اور اگر آپ کو معلوم ہی نہ ہوا ہو تو پھر اختلاف و اجماع تو کیا سنت تقریری بھی نہ ہوئی۔

---

(1) العدة في أصول الفقه ج ۴ ص ۱۰۵۷۔

(2) أصول الشاشي حنفي ص ۲۸۷۔

اجماع کی اقسام

امام ابوزید عبید اللہ بن عمر الدبوسی حنفی متوفّٰی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں:

"اجماع کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ صراحتاً اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم،

۲۔ ایسا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم جس میں بعض کی طرف سے صراحت ہو اور باقیوں کی طرف سے سکوت

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد والے لوگوں کا کسی ایسے حکم پر اجماع جو پہلے موضوعِ بحث ہی نہ رہا ہو (یعنی پیش آمدہ مسائل میں سے کسی مسئلہ پر سب کا اتفاق)

۴۔ بعد کے لوگوں کا کسی ایسے قول پر اتفاق جس میں اسلاف کرام کا اختلاف رہا ہو۔[1]

کونسا اجماع واجب ہے؟

واجب الاتباع وہ اجماع ہے جس پر اُمت کے تمام اہل عدل وورع مجتہدین متفق ہوں، لیکن چونکہ بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ اجماع مخصوص اصحابِ فضیلت کا ہی معتبر ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے ایسے تمام اقوال کو جمع فرما کر پہلے اُن کی اقسام بیان کی ہیں اور پھر واضح کیا ہے کہ اُن میں سے کون سی قسم قبول ہے اور کون سی قبول نہیں۔ چنانچہ امام دبوسی حنفی اور دیگر علماء لکھتے ہیں:

"۱۔ بعض حضرات نے کہا: ہر زمانہ کا اجماع حجت ہے

---

(1) تقويم الأدلة في أصول الفقه للدبوسي حنفي ص ۳۱؛ أصول الشاشي ص ۲۸۸۔

۲۔ بعض نے کہا: صحابہ کرام ﷺ کے بعد کوئی اجماع نہیں

۳۔ بعض نے کہا: اجماعِ اہلِ مدینہ کے علاوہ کوئی اجماع نہیں

۴۔ بعض نے کہا: اہل بیت کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی اجماع نہیں، کیونکہ امام اُن میں ہے اور امام کذب سے معصوم ہوتا ہے

۵۔ بعض نے کہا: جب اسلاف کرام میں کوئی مسئلہ مختلف فیہ رہا ہو تو پھر اُس پر اجماع کی کوئی حیثیت نہیں۔

اِن میں سے پہلا قول ہی صحیح ہے، اس لیے کہ دلائلِ اجماع جب جمع ہوں تو وہ حجت ہے، اور وہ قوم، نسب اور مکان وزماں کے ساتھ مقید نہیں، لہٰذا آخری چار اقوال متروک ہیں۔ ہمارے مشائخ نے امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: ہر زمانے کا اجماع حجت ہے، البتہ درجات کے لحاظ سے اجماع کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ قوی ترین اجماع وہ ہے جس پر صحابہ کرام ﷺ کی نص ہو، اور اہل بیت اور اہل مدینہ بھی صحابہ میں شامل ہیں

۲۔ پھر وہ اجماع ہے جس پر بعض صحابہ ﷺ کی صراحت ہو اور باقی حضرات کی خاموشی، کیونکہ خاموشی نص (تصریح) سے کم درجہ کی رضامندی ہے

۳۔ اجماعِ صحابہ ﷺ کے بعد پھر وہ اجماع ہے جس میں پہلے کوئی قول ظاہر نہ ہوا ہو، اس لیے کہ صحابہ کرام ﷺ خلفاء رسول ﷺ ہیں، بعد کے لوگ صحابہ ﷺ کے خلفاء ہیں، سو بعد کے لوگوں اور صحابہ ﷺ کے مابین مراتب کا اتنا فرق ہے

جتنا اُن کے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین زمانی فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بہترین لوگ میری وہ جماعت ہے جن میں مَیں خود موجود ہوں، پھر وہ لوگ ہیں جو اُن سے متصل ہوں، پھر وہ جو اُن کے بعد ہوں“۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا طبقات میں سے تنہا کسی بھی طبقے کا اجماع قابل قبول نہیں، البتہ اگر تمام اہل علم و فضل کسی بات پر جمع ہو جائیں تو وہ قطعی اجماع ہے۔ اسی کو امام علاؤ الدین سمرقندی حنفی اور امام عبد العزیز بخاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے:

فَهُوَ اِجْتِمَاعُ جَمِيْعِ آرَاءِ أَهْلِ الْإِجْمَاعِ عَلٰى حُكْمٍ مِنْ أُمُوْرِ الدِّيْنِ عَقْلِيٍّ أَوْ شَرْعِيٍّ، وَقْتَ نُزُوْلِ الْحَادِثَةِ، أَوْ يُقَالُ: اِتِّفَاقُ جَمِيْعِ أَهْلِ الْإِجْمَاعِ.

”جمیع اہل فکر کی آراء کا اُمورِ دین میں سے کسی عقلی یا شرعی حکم پر جمع ہونا، یا دوسرے الفاظ میں پیش آمدہ مسئلہ کے کسی پہلو پر تمام اہل اجماع کا متفق ہونا اجماع ہے“۔[2]

اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم حجت باقی غیر حجت

اہل سنت کا مذہب یہ ہے اور یہی حق ہے کہ ہر زمانے میں اجماع حجت ہے، تاہم یہ بات

---

(1) تقويم الأدلة في أصول الفقه للدبوسي حنفي ص ٣١، كشف الأسرار ج ٢ ص ١٩٣، ١٩٤؛ فتح الغفار بشرح المنار لابن نجيم حنفي ص ٣٥٠؛ نور الأنوار على شرح المنار ص ٢١٧، ٢١٨؛ زبدة الأسرار للسيواسي ص ٢٠٦، ٢٠٧؛ إفاضة الأنوار للدهلوي ص ٣٨٥، ٣٨٦؛ شرح منار الأنوار لابن الملك ص ٢٥٩۔

(2) ميزان الأصول ص ٤٩٠؛ كشف الأسرار شرح أصول البزدوي ج ٣ ص ٢٢٧۔

بھی حق ہے کہ سب سے زیادہ قطعی اور قوی اجماع، اجماعِ صحابہ ﷺ ہے۔ چنانچہ امام ابوالیسر بزدوی لکھتے ہیں:

ثُمَّ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ حُجَّةٌ بِالْإِجْمَاعِ ، وَفِي إِجْمَاعِ غَيْرِهِمْ إِخْتِلَافٌ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ.

"اجماعِ صحابہ ﷺ کے حجت ہونے پر اجماع ہے اور دوسروں کے اجماع میں علماء کے مابین اختلاف ہے"۔[1]

اسی مفہوم کو امام فخر الدین رازی شافعی متوفّٰی ۶۰۶ھ نے یوں بیان کیا ہے:

وَالْإِنْصَافُ : أَنَّهُ لَا طَرِيْقَ لَنَا إِلىٰ مَعْرِفَةِ حُصُولِ الْإِجْمَاعِ إِلَّا فِي زَمَانِ الصَّحَابَةِ ، حَيْثُ كَانَ الْمُؤْمِنُونَ قَلِيْلِيْنَ ، يُمْكِنُ مَعْرِفَتُهُمْ بِأَسْرِهِمْ عَلَى التَّفْصِيلِ.

"انصاف یہ ہے کہ ہمارے پاس معرفتِ اجماع کا کوئی طریقہ نہیں، ماسوا زمانۂ صحابہ ﷺ کے اجماع کے، کیونکہ وہ قلیل مومن تھے، اُن سب کی تفصیلی معرفت ممکن ہے"۔[2]

اسی بات کو امام جصاص رازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۳۷۰ھ نے یوں ادا کیا ہے:

اِتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى صِحَّةِ إِجْمَاعِ الصَّدْرِ الْأَوَّلِ ، وَ أَنَّهُ حُجَّةُ اللّٰهِ ، لَا يَسَعُ مَنْ يَجِيئُ بَعْدَهُمْ خِلَافَهُ ، وَهُوَ مَذْهَبُ جُلِّ الْمُتَكَلِّمِينَ.

---

(1) معرفة الحجج الشرعية لأبی اليسر البزدوي ص ۱۵۲ ـ

(2) المحصول من علم الأصول ج ۴ ص ۳۵، ۳۴ ـ

"فقہاء کرام کا صدرِ اول کے اجماع پر اتفاق ہے اور وہی حجت الٰہی ہے، اُن کے بعد کسی شخص کو اُن سے اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں اور یہی متکلمین کی بڑی جماعت کا مذہب ہے"۔[1]

تابعی کے اختلاف کا اجماعِ صحابہ کے منافی ہونا

بلاشبہ بعد کے علماء کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اجماعِ صحابہ ﷺ سے اختلاف کر سکیں تاہم صحابہ کرام ﷺ کے ہم عصر غیر صحابی یعنی مجتہد تابعی کے اختلاف کو قابلِ اختلاف مانا گیا ہے۔ چنانچہ امام جصاص رازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ أَصْحَابُنَا: التَّابِعِيُّ الَّذِي قَدْ صَارَ فِي عَصْرِ الصَّحَابَةِ مِنْ أَهْلِ الْفُتْيَا. يُعْتَدُّ بِخِلَافِهِ عَلَى الصَّحَابَةِ كَأَنَّهُ وَاحِدٌ مِنْهُمْ.

"ہمارے فقہاء نے کہا ہے: وہ تابعی جو دورِ صحابہ ﷺ میں اہل فتویٰ میں سے ہو چکا تھا اُس کے اختلاف کا لحاظ اُسی طرح رکھا جائے گا، گویا کہ وہ اُنہی میں سے ایک ہے"۔[2]

اگرچہ بعض لوگوں نے اس پر تحفظات کا اظہار کیا ہے لیکن اکثر علماء کرام نے تابعی کے اس اختلاف کی حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بعض لوگوں کے تحفظات کو مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَهٰذَا فَاسِدٌ مُهِمَّا بَلَغَ التَّابِعِيُّ رُتْبَةَ الْاِجْتِهَادِ قَبْلَ تَمَامِ الْإِجْمَاعِ.

---

(1) الفصول في الأصول ج ۳ ص ۲۵۷۔

(2) الفصول فی الأصول ج ۳ ص ۳۳۳۔

لِأَنَّهٗ مِنَ الْأُمَّةِ. فَإِجْمَاعُ غَيْرِهٖ لَايَكُونُ إِجْمَاعُ جَمِيعِ الْأُمَّةِ ، بَلْ إِجْمَاعُ الْبَعْضِ . وَالْحُجَّةُ فِي إِجْمَاعِ الْكُلِّ.

"یہ اعتراض بیکار ہے، خصوصاً جب تابعی اجماع کے مکمل ہونے سے قبل رتبۂ اجتہاد کو پہنچ چکا ہو تو چونکہ وہ امت کا حصہ ہے، اس لیے اُس کے بغیر اجماع، اجماعِ امت نہیں بلکہ بعض کا اجماع ہوگا اور حجت کُل کے اجماع میں ہے (نہ کہ بعض کے اتفاق میں)"۔(1)

امام کلوذانی حنبلی، موفق الدین حنبلی، شمس الدین محمد فناری رومی حنفی، امام علاؤالدین سمرقندی حنفی، علامہ محب اللہ بہاری حنفی، عبدالعلی بحر العلوم سہالوی لکھنوی حنفی، امام فخر الدین رازی شافعی، امام بدرالدین زرکشی شافعی، امام ابو العباس قرافی مالکی، اور علامہ محمد بن یحیٰ الولاتی مالکی نے بھی اسی مفہوم کو اپنے اپنے الفاظ میں مقرر رکھا ہے۔(2)

کیا اکثریت کا اتفاق اجماع ہے؟

جب کوئی مسئلہ زیرِ بحث ہو اور بعد از اختلاف اُس پر (کسی ملک یا شہر کے نہیں بلکہ) دنیا بھر کے اکثر مجتہدین علماء کا اتفاق ہو جائے لیکن کچھ مجتہدین اتفاق نہ کریں تو اجماع قائم نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(1) المستصفى للغزالي ج ١ ص ٢٧٤۔

(2) التمهيد في أصول الفقه ج٣ص ٢٦٧؛ روضة الناظر ج ١ ص ٣٩٧؛ فصول البدائع للرومي ج ٢ ص ٣٠٢؛ ميزان الأصول ص ٤٩٩؛ مسلّم الثبوت ج٢ ص ٢٧١؛ فواتح الرحموت ج٢ ص ٢٧١؛ المحصول للرازي ج ٤ ص ١٧٧؛ تشنيف المسامع للزركشي ج٣ ص ٩٧؛ شرح تنقيح الفصول للقرافي ص ٢٥٨؛ إيصال السالك للولاتي ص ١٥٥۔

فَاخْتَلَفَتِ الْجَمَاعَتَانِ اللَّتَانِ وَصْفُهُمَا مَا ذَكَرْنَا فِي حُكْمِ حَادِثَةٍ ، وَأَنْكَرَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ مَا قَالُوا ، أَوْ لَمْ يُنْكِرْهُ ، لَمْ يَنْعَقِدْ بِقَوْلِ إِحْدَى الْجَمَاعَتَيْنِ إِجْمَاعٌ ، إِذَا لَمْ يَكُنْ يَثْبُتُ ضَلَالُ أَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ عِنْدَنَا ، وَهٰذَا لَا خِلَافَ فِيهِ.

"پس ایسی دو جماعتیں جن کی صفات ہم بیان کر چکے ہیں، کسی مسئلہ میں مختلف ہو جائیں اور اُن میں سے ایک جماعت دوسری کی تردید کرے یا نہ کرے (لیکن اتفاق میں شامل نہ ہو) تو محض ایک جماعت کے قول سے اجماع منعقد نہیں ہوتا، جبکہ اُن میں سے کسی فریق کی ضلالت ہمارے نزدیک ثابت نہ ہو، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں"۔ (1)

قلیل کے موقف کا کثیر سے بہتر ہونا

آگے ایک مقام پر امام موصوف نے واضح کیا ہے کہ اگر دلائل قلیل لوگوں کے ساتھ ہوں اور دوسری طرف لوگوں کی کثرت ہو تو اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

فَإِنَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْتَبِرُ إِجْمَاعَ الْأَكْثَرِ ، وَهُمُ الْحَشْوُ. قَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ : لَا يَنْعَقِدُ بِذٰلِكَ إِجْمَاعٌ، وَ وَجَبَ الرُّجُوعُ إِلَى مَا يُوجِبُهُ الدَّلِيلُ . وَلِحُجَّةِ هٰذَا الْقَوْلِ : أَنَّ الْحَقَّ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مَعَ الْقَلِيلِ . . . وَالدَّلِيلُ عَلَى ذٰلِكَ : إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَدْ أَثْنَى عَلَى قَلِيلٍ، وَمَدَحَهُمْ فِي مَوَاضِعَ مِنْ كِتَابِهِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ

(1) الفصول للجصاص رازي ج ۳ ص ۲۹۷۔

الشُّكُورِ﴾ وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ وَقَالَ تَعَالَى: ﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ﴾ وَقَالَ تَعَالَى ﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ وَآيَاتٌ نَحْوُهَا يَذُمُّ فِيهَا الْكَثِيرَ وَيَمْدَحُ فِيهَا الْقَلِيلَ.

”لوگوں میں سے بعض نے اکثر کے اجماع کا اعتبار کیا ہے، اور وہ حشویہ ہیں۔ علماء فرماتے ہیں: محض کثرت سے اجماع منعقد نہیں ہوتا بلکہ اُس بات کی طرف رجوع کرنا واجب ہوتا ہے جو دلیل کو واجب کرتی ہے، اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حق قلیل کے ساتھ ہو... اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر قلیل لوگوں کی مدح وثنا فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿میرے بندوں میں سے شکر گزار قلیل ہیں﴾ [سبأ:۱۳] اور فرمایا: ﴿اُن [نوح علیہ السلام] پر قلیل لوگ ہی ایمان لائے﴾ [ھود:۴۰] اور ارشاد فرمایا: ﴿تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُن امتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں، ایسے دانا لوگ ہوتے جو روکتے زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے، مگر وہ قلیل تھے جنہیں ہم نے نجات دی تھی اُن سے﴾ اور فرمایا: ﴿لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے﴾ [ھود: ۱۱۶] علاوہ ازیں اور بھی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کثیر لوگوں کی مذمت اور قلیل لوگوں کی مدح بیان فرمائی ہے“۔(1)

اس کے بعد امام موصوف نے اس سلسلے میں چھ سات احادیث درج فرمائیں اور پھر لکھا:

فِي أَخْبَارٍ نَحْوِهَا تُوجِبُ تَصْوِيبَ الْقَلِيلِ وَتَقْلِيلَ الْأَكْثَرِ. فَبَطَلَ

(1) الفصول للجصاص رازی ج۳ ص ۳۱۶، ۳۱۵۔

اِعْتِبَارُ الْكَثْرَةِ وَالْقِلَّةِ إِذَا وَقَعَ الْخِلَافُ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي قَدْ ذَكَرْنَا. وَيَجِبُ عَلَيْنَا حِينَئِذٍ طَلَبَ الدَّلِيلِ عَلَى الْحُكْمِ مِنْ غَيْرِ جِهَةِ الْإِجْمَاعِ . وَ قَدْ اِرْتَدَّ أَكْثَرُ النَّاسِ بَعْدَ وَفَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَنَعُوا الصَّدَقَةَ . وَكَانَ الْمُحِقُّونَ الْأَقَلَّ وَهُمُ الصَّحَابَةُ . وَ قَدْ كَانَ أَكْثَرُ النَّاسِ فِي زَمَنِ بَنِي أُمَيَّةَ عَلَى الْقَوْلِ بِإِمَامَةِ مُعَاوِيَةَ وَيَزِيْدَ وَأَشْبَاهِهِمَا مِنْ مُلُوكِ بَنِي مَرْوَانَ . وَالْأَقَلُّ كَانُوا عَلَى خِلَافِ ذٰلِكَ. وَ مَعْلُومٌ : أَنَّ الْحَقَّ كَانَ مَعَ الْأَقَلِّ دُونَ الْأَكْثَرِ.

”اِن کی مانند اور بھی ایسی متعدد احادیث ہیں جو قلیل لوگوں کی صائب رائے کو واجب اور اکثریت کی رائے کی مذمت کرتی ہیں، لہٰذا جب ایسا اختلاف واقع ہو جائے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تو قلت و کثرت کا اعتبار باطل ہو جاتا ہے اور ہم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ہم اجماع کی جہت سے نہیں بلکہ دلائل کی جہت سے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ دیکھئے: بعد از وصالِ نبوی ﷺ اکثر لوگ مرتد ہو گئے تھے اور اُنہوں نے زکوٰۃ کو روک لیا تھا اور حق پر قائم رہنے والے لوگ قلیل تھے اور وہ صحابہ تھے ﷺ۔ نیز بنو امیہ کے دور میں اکثر لوگ معاویہ، یزید اور اُن دونوں کی مثل ایسے لوگوں کی ملوکیت پر جمع ہو گئے تھے جو بنو مروان سے تھے، جبکہ قلیل لوگ اس کے مخالف تھے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ حق پر قلیل لوگ تھے کثیر نہیں“۔ (1)

---

(1) الفصول للجصاص رازي ج ٣ ص ٣١٧، ٣١٦۔

قاضی محب اللہ بہاری حنفی اور بحر العلوم انصاری حنفی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔(1)[2]

فردِ واحد کے اختلاف کا اجماع کے منافی ہونا

خیال رہے کہ راقم الحروف نے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی اِس عبارت کو مستقل عنوان کے تحت اس لیے نقل کیا ہے تاکہ قارئین کرام کے سامنے حق کا یہ پہلو بھی موجود رہے، ورنہ اکثر اصولیوں کے نزدیک چھوٹا گروپ ہی نہیں بلکہ فقط ایک مجتہد کا اختلاف بھی اجماع کے منافی ہے۔

---

(1) مُسلَّم الثبوت مع فواتح الرحموت ج ۲ ص ۲۷۳، ۲۷۲؛ فواتح الرحموت ج ۲ ص ۲۷۲، ۲۷۳

[2] اس میں جس ملوکیت کا ذکر آیا ہے، وہ معاویہ کی ملوکیت ہے جو سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی دست برداری کے بعد وجود میں آئی۔ وہ دست برداری جس شرائط نامہ اور صلح کی بدولت ہوئی تھی، احادیث مبارکہ میں اُس صلح کو ناگواری کی صلح فرمایا گیا ہے، کیونکہ معاویہ کو اقتدار کی یہ سپردگی نہ تو سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو پسند تھی اور نہ ہی اُن کے اُن پیروکاروں کو پسند تھی جنہوں نے موقع پر ہی اپنی ناگواری کا اظہار کر دیا تھا اور وہ قلیل لوگ تھے۔ اس صلح کی تفصیل ہماری تالیف "صلح الإمام الحسن علیہ السلام" میں ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی معاویہ کو امیر المومنین تسلیم نہیں کیا تھا۔ پھر اسی ملوکیت کی کوکھ سے جنم لینے والی ملوکیت پر بھی اکثر لوگ جمع ہو گئے تھے لیکن قلیل لوگوں نے مخالفت کی تھی، اُن میں سیدنا امام حسین علیہ السلام، اُن کے چند ساتھی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اسماء آتے ہیں، اور حق اِنہی اُنگلیوں پر گنے چنے قلیل حضرات کے ساتھ تھا۔ اِس سے اُن بدبخت ملاؤں کی حماقت وسفاہت کا اندازہ لگایئے جو ایک طرف کثرت پر نظر کرتے ہوئے دوسری طرف کی قلت یعنی سیدنا امام حسین علیہ السلام کے اقدام کو غلطی اور بغاوت باور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن اشقیاء کو یہ نہیں معلوم کہ بعض احادیث مبارکہ میں تنہا سیدنا امام حسین علیہ السلام کو ایک اُمت قرار دیا گیا ہے۔ قلت کی مدح اور کثرت کی مذمت کے لیے امام زید بن علی علیہما السلام کے رسالہ "مدح القلة وذم الكثرة" کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ یہ رسالہ اُن کی تفسیر "غریب القرآن مترجم" کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

چنانچہ امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِذَا خَالَفَ عَلَى الْجَمَاعَةِ الَّتِي وَصَفْتُمْ حَالَهَا الْعَدَدُ الْيَسِيرُ وَإِنْ كَانَ وَاحِدٌ كَانَ خِلَافُهُ عَلَيْهَا خِلَافًا صَحِيحًا وَلَمْ يَثْبُتْ مَعَ خِلَافِهِ إِجْمَاعٌ.

"جب ایسی جماعت کے چند مجتہدین جن کے اوصاف بیان ہو چکے ہیں، اختلاف کریں اگرچہ ایک شخص ہی کیوں نہ ہو تو اُس کے اختلاف کی وجہ سے جماعت کا اجماع منعقد نہیں ہو گا"۔ (۱)

امام علاؤالدین سمرقندی حنفی متوفّٰی ۵۳۹ھ لکھتے ہیں:

نَقُولُ: لِصِحَّةِ الْإِجْمَاعِ شَرَائِطُ: بَعْضُهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَ بَعْضُهَا مُخْتَلَفٌ فِيهِ. مِنْهَا: أَنَّ اِجْتِمَاعَ جَمِيعِ أَهْلِ الْاِجْتِهَادِ وَقْتَ نُزُولِ الْحَادِثَةِ شَرْطُ صِحَّةِ الْإِجْمَاعِ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ. حَتَّى لَا يَنْعَقِدُ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ إِذَا كَانَ فِيهِمْ مُخَالِفٌ وَاحِدٌ مِنْ أَهْلِ الْاِجْتِهَادِ. وَكَذَا فِي إِجْمَاعِ كُلِّ عَصْرٍ.

"ہم کہتے ہیں: صحتِ اجماع کے لیے چند شرائط ہیں: جن میں سے بعض پر اتفاق اور بعض میں اختلاف ہے۔ اُن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ پیش آمدہ مسئلہ کے وقت اکثر اصولیوں کے نزدیک تمام مجتہدین کا اُس پر اتفاق ہونا صحتِ اجماع کے لیے شرط ہے، حتیٰ کہ صحابہ کرام ﷡ کا اجماع بھی قائم نہیں ہو گا اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی مجتہد اختلاف کرے، اور ایسے ہی ہر دور

(1) الفصول للجصاص رازي ج ۳ ص ۲۹۸، ۲۹۷۔

کے اجماع کے لیے یہی شرط ہے"۔ (1)

امام بزدوی حنفی متوفّیٰ ۴۸۲ھ، امام سرخسی حنفی متوفّیٰ ۴۹۰ھ، امام نسفی حنفی متوفّیٰ ۷۱۰ھ، امام حسام الدین سغناقی حنفی متوفّیٰ ۷۱۴ھ، امام محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفّیٰ ۷۸۶ھ، امام شمس الدین الفناری الرومی حنفی متوفّیٰ ۸۳۴ھ، امام ابن الہمام حنفی متوفّیٰ ۸۶۱ھ، امام محمد امین المعروف امیر بادشاہ حنفی متوفّیٰ ۹۷۲ھ، امام محب اللہ بہاری حنفی متوفی ۱۱۱۹ھ اور بحر العلوم سہالوی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ نے بھی اپنے اپنے الفاظ میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ (2)

امام ابو الولید الباجی مالکی متوفّیٰ ۴۷۴ھ لکھتے ہیں:

لَا يَنْعَقِدُ الْإِجْمَاعُ إِلَّا بِاتِّفَاقِ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ. فَإِنْ شَذَّ مِنْهُمْ وَاحِدٌ لَمْ يَنْعَقِدِ الْإِجْمَاعُ.

"جمیع علماء کے اتفاق کے بغیر اجماع منعقد نہیں ہوتا، پس اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی الگ رہا تو اجماع منعقد نہیں ہوگا"۔ (3) ✽

---

(1) میزان الأصول في نتائج العقول ص ۴۹۳۔

(2) کنز الوصول إلی معرفة الأصول ص ۲۴۴، ۲۴۳؛ أصول السرخسي ج ۱ ص ۳۱۶؛ کشف الأسرار بشرح المنار للنسفي ج ۲ ص ۱۸۸؛ الکافي شرح البزدي للسغناقي ج ۴ ص ۱۶۱۳، ۱۶۱۴؛ الردود والنقود شرح مختصر ابن الحاجب ج ۱ ص ۵۴۳، ۵۴۵؛ فصول البدائع للرومي الحنفي ص ۳۰۱؛ کتاب التحریر لابن الهمام مع التیسیر التحریر ج ۳ ص ۲۳۷؛ تیسیر التحریر ج ۳ ص ۲۳۷؛ مسلّم الثبوت للبهاري مع فواتح الرحموت ج ۲ ص ۲۷۲، ۲۷۳؛ فواتح الرحموت للسهالوي ج ۲ ص ۲۷۳، ۲۷۲۔

(3) الإشارة في أصول الفقه ص ۷۲۔

✽ امام باجی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں لفظ "شَذَّ" کی جگہ اگر "اِخْتَلَفَ" ہوتا تو مناسب ہوتا=

امام علی بن اسماعیل الابیاری مالکی متوفّی ۶۱۸ھ، امام ابو عمر ابن الحاجب مالکی متوفّی ۶۴۶ھ، امام قرافی مالکی متوفّیٰ ۶۸۴ھ، امام ابو عبد اللہ محمد التلمسانی مالکی متوفّی ۷۷۱ھ، امام ابو علی حسین بن علی شوشاوی مالکی متوفّی ۸۹۹ھ اور محمد امین جکنی مالکی نے بھی اس بات کو مقرر رکھا ہے۔[1]

امام ابو اسحاق شیرازی شافعی متوفی ۴۷۶ھ لکھتے ہیں:

وَيُعْتَبَرُ فِي صِحَّةِ الْإِجْمَاعِ اِتِّفَاقُ جَمِيْعِ عُلَمَاءِ الْعَصْرِ عَلَى الْحُكْمِ فَإِنْ خَالَفَ بَعْضُهُمْ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ إِجْمَاعًا. قَلَّ الْمُخَالِفُوْنَ أَوْ كَثُرُوْا.

"کسی مسئلہ میں اجماع کی صحت پر زمانہ کے جمیع علماء کا اعتبار کیا جاتا ہے، پس اگر بعض علماء نے اختلاف کیا تو وہ اجماع نہیں ہوگا، اختلاف کرنے والے خواہ

= کیونکہ علماء اصول نے لکھا ہے کہ "شذوذ" تب ہوتا ہے جب کوئی شخص پہلے اجماع میں شامل رہا ہو اور پھر الگ ہو گیا ہو۔ اگر کوئی مجتہد بوقتِ اجماع ہی متفق نہ ہوا ہو تو اُس کے عدم اتفاق کو "شذوذ" نہیں اختلاف کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ جماعت کے ساتھ اختلافِ رائے تو جائز ہے لیکن جماعت سے شذوذ (علیحدگی) جائز نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ کسی بھی معاملہ میں صحیح اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے کوئی قاضی یا مجتہد کثرت کے مقابلہ میں اپنا اختلافی نوٹ لکھ جائے تو اُصولوں کی بدولت اُس کا اختلافی نوٹ یاد رکھا جاتا ہے اور عوام الناس کے ذہنوں سے کثرت و جماعت نسیاً منسیا ہو جاتی ہے اور اُصولوں کی پاسداری کرنے والے کا نام اُن کے دلوں پر نقش ہو جاتا ہے، یعنی اصول پر قائم رہنے والا امر ہو جاتا ہے۔

(1) التحقيق والبيان في شرح البرهان ج ۲ ص ۹۲۹؛ مختصر المنتهى الأصولي ص ۱۱۴؛ نفائس الأصول للقرافي ج ۶ ص ۲۷۳۱؛ شرح مفتاح الوصول إلى علم الأصول ۵۹۳؛ رفع النقاب شرح تنقيح الشهاب للشوشاوي ج ۴ ص ۶۴۵، ۶۴۴؛ مراقى السعود للمحمد أمين مالكي ص ۲۹۷۔

قلیل ہوں یا کثیر"۔(1)

اپنے اپنے الفاظ میں اسی مفہوم کو امام الحرمین ابو المعالی جوینی شافعی متوفیٰ ۴۷۸ھ، امام ابو المظفر سمعانی شافعی متوفیٰ ۴۸۹ھ، امام غزالی شافعی متوفیٰ ۵۰۵ھ، امام فخر الدین رازی شافعی متوفیٰ ۶۰۶ھ ،امام ابن الفرکاح شافعی متوفیٰ ۶۹۰ھ، امام تاج الدین سبکی شافعی متوفیٰ ۷۷۱ھ، امام زرکشی شافعی متوفیٰ ۷۹۴ھ، اور ابن امام الکاملیہ شافعی متوفیٰ ۸۷۴ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔(2)

قاضی ابو یعلیٰ حنبلی متوفیٰ ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

إِذَا خَالَفَ الْوَاحِدُ أَوِ الْإِثْنَانِ الْجَمَاعَةَ لَمْ يَكُنْ إِجْمَاعًا ، وَيَمْنَعُ خِلَافُ الْوَاحِدِ الْمُعْتَدِّ بِهِ اِنْعِقَادَ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ.

"جب ایک یا دو شخص جماعت سے اختلاف کریں تو اجماع منعقد نہیں ہو گا، اور ایک اہل شخص کا اختلاف بھی صحیح ترین قول کے مطابق اجماع کے انعقاد کو روک دیتا ہے"۔(3)

امام ابو الخطاب محفوظ بن احمد کلوذانی حنبلی متوفّی ۵۱۰، امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، جمال الدین یوسف مقدسی حنبلی متوفیٰ ۹۰۹ھ، ابن المبرد حنبلی متوفّی ۹۰۹ھ، امام

(1) اللمع في أصول الفقه لأبي إسحاق ص ۲۳۱؛ التبصرة لأبي إسحاق ص ۳۶۱۔

(2) البرهان للجويني ج ۱ ص ۷۲۱؛ قواعد الأدلة فی الأصول للسمعاني ج ۲ ص ۱۲، ۲۱؛ المستصفى من علم الأصول ص ۲۷۵؛ المحصول في علم الأصول ج ۴ ص ۱۸۱؛ شرح الورقات لابن الفركاح شافعي ص ۲۴۳؛ جمع الجوامع ص ۷۷؛ البحر المحيط في أصول الفقه ج ۴ ص ۴۸۰، ۴۷۶؛ تيسير الوصول إلى منهاج الأصول ج ۵ ص ۴۰، ۳۹، ۳۸۔

(3) العدة في أصول الفقه ج ۴ ص ۱۱۱۷۔

ابن النجار حنبلی متوفّٰی ۹۷۲ھ، اور شیخ محمد بن صالح العثیمین حنبلی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[1]

ظاہریہ کے نزدیک اجماع

اب تک مذاہبِ اربعہ کے علماء کرام کی عبارات نقل کی گئیں اور اب غیر مقلدین کا موقف سنیے، ہر چند کہ غیر مقلدین (اہل حدیث) اجماع کے قائل نہیں لیکن اس کے باوجود علامہ ابن حزم ظاہری متوفّٰی ۴۵۷ھ نے اس مسئلہ کو اپنی بعض کتب میں نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَصِفَۃُ الْإِجْمَاعِ ھُوَ مَا تُیُقِّنَ أَنَّہٗ لَاخِلَافَ فِیْہِ بَیْنَ أَحَدٍ مِنْ عُلَمَاءِ الْإِسْلَامِ.

"اور اجماع کی تعریف یہ ہے کہ یقین حاصل کیا جائے کہ علماء اسلام میں سے کوئی بھی اس کا مخالف نہیں"۔[2]

علامہ ابن حزم سے اس سے قبل ان کی کتاب "الفِصَل فی الملل والنحل" میں اجماع کی تردید بھی ملتی ہے، لیکن وہ اُن کا سابق قول ہے اور اُن کا مفتٰی بہ قول وہی ہے جو ابھی نقل ہوا۔ اُن کے بعد والے اہل حدیث بھی اجماع کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مشہور اہل حدیث عالم قاضی شوکانی ظاہری لکھتے ہیں:

إِذَا خَالَفَ أَھْلَ الْإِجْمَاعِ وَاحِدٌ مِنَ الْمُجْتَھِدِیْنَ فَقَطْ. فَذَھَبَ الْجُمْھُوْرُ إِلٰی أَنَّہٗ لَایَکُوْنُ إِجْمَاعًا وَلَا حُجَّۃً.

---

(1) التمهيد في أصول الفقه ج۳ص ۲۶۱، ۲۶۰؛روضة الناظر ج ا ص۴۰۳، ۴۰۲؛ غاية السول لابن عبد الهادى مقدسي ص ۸۲؛شرح غايةالسول لابن المبرد حنبلي ص ۲۴۹؛ مختصر التحرير لابن النجار ص ۱۰۶ ؛شرح الأصول من علم الأصول ص ۵۱۹، ۵۱۸۔

(2) مراتب الإجماع لابن حزم ص ۲۸۔

''جب اہل اجماع میں سے فقط کوئی ایک مجتہد بھی اختلاف کرے تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ اجماع ہو گا اور نہ ہی حجت''۔[1]

اجماع کی اہمیت

امام ابوالیسر بزدوی حنفی متوفّٰی ۴۹۳ھ لکھتے ہیں:

إِجْمَاعُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ حُجَّةٌ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، كَالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَ يُوجِبُ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيعًا. وَهُوَ إِجْمَاعُ الْفُقَهَاءِ مِنْهُمْ عَلٰى حُكْمٍ قَوْلًا. وَكَذَا إِذَا قَالَ بَعْضُهُمْ قَوْلًا فِي حَادِثَةٍ وَعَرَضَ ذٰلِكَ عَلَى الْبَاقِيْنَ وَسَكَتُوا وَلَمْ يَرُدُّوا. وَلَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ مَانِعٌ مَنَ الرَّدِّ فَهُوَ أَيْضًا إِجْمَاعٌ.

''اس امت کا اجماع اکثر علماء کرام کے نزدیک کتاب وسنت کی طرح حجت ہے اور یہ علم (عقیدہ) وعمل دونوں کو واجب کرتا ہے، اور یہ فقہاء کا کسی حکم پر قولی اجماع ہے۔ اسی طرح بعض فقہاء رونما ہونے والے کسی مسئلہ میں کوئی قول کریں اور اُسے باقی فقہاء پر پیش کریں اور وہ سب اُس پر خاموش رہیں اور رَد نہ کریں اور رَد نہ کرنے سے کوئی مانع بھی نہ ہو تو وہ بھی اجماع ہے''۔[2]

امام ابوالیسر بزدوی کی عبارت میں جو اجماعِ سکوتی کا ذکر آیا ہے اسے مذاہبِ اربعہ کے تمام علماء اصول نے بیان کیا ہے اور اُنہوں نے کہا ہے: ''مسترد نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہ ہو اور پھر بھی کوئی مجتہد خاموش رہے اور اختلاف نہ کرے تو یہ اجماعِ سکوتی کی دلیل ہے''۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یقیناً کسی مجتہد تک مسئلہ پہنچ چکا ہو اور وہ پھر بھی مسترد نہ کرے تو اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ علماء

---

(1) إرشاد الفحول للشوكاني ص ۴۱۷۔

(2) معرفة الحجج الشرعية ص ۱۴۹، ۱۴۸۔

اصول نے لکھا ہے کہ یا تو وہ عالم کسی دوسرے مسئلہ میں مشغول ہو گا یا پھر تقیۃً خاموش ہو گا۔ اس پر انہوں نے کئی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں، لیکن ہمیں اس سلسلے میں طویل مثالیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہمارے سامنے ہمارے ہی زمانے میں کئی مثالیں موجود ہیں۔ راقم الحروف متعدد ایسے علماء کرام اور مشائخ عظام کو ذاتی طور پر اور قریب سے حق الیقین کی حد تک جانتا ہے جو محض مقرر یا نام نہاد مفتی ہی نہیں بلکہ چوٹی کے جیّد علماء، استاذالعلماء، شیخ التفسیر والحدیث ہیں لیکن وہ بعض مسائل میں اپنے تحقیقی موقف کو برملا بیان کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ چونکہ پاک وہند میں آدابِ اختلاف کا فقدان اور تحقیق کا میدان ویران ہے، اس لیے خاموشی ہی میں سلامتی ہے۔ کتنے ایسے ہیں جو حجروں اور نجی مجالس میں راقم الحروف کے ہمنوا ہیں مگر منبر و محراب پر ایسے اظہارِ خیال سے گھبراتے ہیں۔

اجماعِ قطعی کے انکار کا حکم

اب تک کی تفصیل سے آپ کو معلوم ہو چکا کہ اجماع کی اہمیت کتاب و سنت کی طرح ہے لیکن وہ اجماع کسی شہر یا ملک کے علماء کا نہیں بلکہ روئے زمین کے تمام مجتہدین کے اتفاق کا نام اجماع ہے۔ ایسے اجماع کے منکر کے لیے کیا حکم ہے؟ اس کی توضیح امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام میں موجود ہے، وہ لکھتے ہیں:

فَفِيۡ هٰذَا بَيَانُ أَنَّ مَا أَجۡمَعَ عَلَيۡهِ الصَّحَابَةُ فَهُوَ بِمَنۡزِلَةِ الثَّابِتِ بِالۡكِتَابِ وَالسُّنَّةِ . فِي كَوۡنِهٖ مَقۡطُوعًا بِهٖ حَتّٰى يُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ . وَهٰذَا أَقۡوىٰ مَا يَكُونُ مِنَ الۡإِجۡمَاعِ . فَفِي الصَّحَابَةِ أَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ وَ عِتۡرَةُ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ . وَلَا خِلَافَ بَيۡنَ مَنۡ يُّعۡتَدُّ بِقَوۡلِهِمۡ إِنَّ هٰذَا الۡإِجۡمَاعَ حُجَّةٌ مُوجِبَةٌ لِلۡعِلۡمِ قَطۡعاً . فَيُكَفَّرُ جَاحِدُهٗ كَمَا يُكَفَّرُ

جَاحِدُ مَا ثَبَتَ بِالْكِتَابِ أَوْ بِخَبَرٍ مُّتَوَاتِرٍ.

''اس بیان میں واضح ہے کہ جس مسئلہ پر صحابہ کرام ﷺ کا اجماع ہو چکا ہو تو وہ قطعی ہونے میں کتاب وسنت کی مانند ہے، حتیٰ کہ اُس کا منکر کافر ہے، اور یہ قوی ترین اجماع ہے۔ صحابہ میں اہل مدینہ اوراہل بیت (تینوں) شامل ہیں۔ معتبر علماء کرام کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ اجماع قطعی علم کا موجب ہے، لہٰذا اس کا منکر اسی طرح کافر ہے جس طرح قرآن مجید اور حدیثِ متواتر کا منکر کافر ہے''۔[1]

کیا اختلاف واجماع کا اجتماع ممکن ہے؟

مذکورہ بالا مذاہبِ اربعہ کے فقہاء بشمول اہلِ حدیث (غیر مقلدین) علماء کی عبارات سے ہم فقط دو موٹی موٹی باتیں لے رہے ہیں:

۱۔ کسی صحابی کے اختلاف سے تو کیا مجتہد تابعی کے اختلاف سے بھی صحابہ کرام ﷺ کا اجماع منعقد نہیں ہوتا

۲۔ صحابہ کرام ﷺ سے بعد کے لوگوں میں بھی ایک آدھ مجتہد کے اختلاف سے اجماع قائم نہیں ہوتا۔

اِن دونوں باتوں (جو درحقیقت ایک ہی بات ہے) کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف عوام الناس سے ہی نہیں بلکہ دورِ حاضر کے مذاہبِ اربعہ کے مقلدین اور جمیع علماءِ اہلِ حدیث سے چند سوال کرتا ہے:

---

(1) أصول السرخسي ج ۱ ص ۳۲۸۔

۱۔ انصاف سے بتلائیں کہ صحابہ کرام ﷡ کا سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کی افضلیت پر اجماع ہوا؟

۲۔ کیا سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کو خلیفہ مقرر کرتے وقت صحابہ کرام ﷡ کے مابین مفاضلہ پر بحث ہوئی تھی؟

۳۔ اگر مفاضلہ ہی زیر بحث تھا تو سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کے مد مقابل کوئی ایک فرد امیدوار تھا یا بہت سے افراد؟

۴۔ اگر مفاضلہ ہی پر بات ہوئی تھی تو اُس میں جانبین سے کون کون سے فضائل زیر بحث آئے تھے؟

۵۔ انصار ﷡ بھی خلافت کے لیے کھڑے ہوئے تھے، پھر دستبردار ہوگئے تھے۔ دست برداری کی وجہ کیا تھی؟

۶۔ یعنی انصار ﷡ کی دست برداری کا سبب شخصی فضیلت تھی یا قومی؟

جب فرد کا اختلاف اجماع کے منافی تو....

ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک عالم کا اختلاف بھی اجماع کے منافی ہے، بعض نے دو کا کہا، لیکن اِس مسئلہ میں تو ایسے بیس سے زائد صحابہ کرام ﷡ کا اختلاف موجود ہے جن کا ماننا تھا کہ سیدنا علی ﷛ تمام صحابہ سے افضل ہیں، جیسا کہ پیچھے کچھ صحابہ کرام ﷡ کے نام آچکے ہیں۔ آگے امام ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی آرہا ہے کہ تمام بنوہاشم افضلیتِ مرتضوی کے قائل تھے اور یہ وضاحت بھی آرہی ہے کہ افضلیتِ مرتضوی محض شیعہ کا نظریہ نہیں بلکہ بعض سابقین صحابہ کرام ﷡ کا موقف بھی یہی تھا۔ جب اصل صورتِ حال یہ ہے تو پھر بعض مفتیوں کے یہ لکھنے کی کیا حیثیت ہے کہ: ''صدر اول تا ھذا الیوم... متقدمین و متاخرین کا اجماع و اتفاق ہے''؟

کیا صحابہ اور اُن کی اولاد رضی اللہ عنہم افضلیت پر اجماع سے آگاہ تھی؟

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر کوئی اجماع ہوا اور نہ ہی کسی ایسے اجماع سے کوئی صحابی اور تابعی آگاہ تھا۔ خطباتِ جمعہ میں ''أفضل البشر بعد الأنبياء بالتحقيق...'' اور اجماع کے دعوے سب بعد کی ایجادات ہیں۔ اگر کوئی اجماع واقع ہو چکا ہوتا تو پھر اولادِ صحابہ رضی اللہ عنہم اُس سے باخبر ہوتی اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کوئی کلام نہ کرتی، کیونکہ اجماعِ قطعی سے انحراف کفر اور بعض کے نزدیک ضلالت ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے چالیس ہجری میں اپنے خطبۂ خلافت میں ایک جم غفیر کے سامنے سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کو تمام اولین وآخرین سے افضل کہا، جیسا کہ آئندہ صفحات میں اُن کی تصریح آ رہی ہے۔ اگر اجماع ہو چکا ہوتا تو نہ وہ اجماع کی خلاف ورزی کرتے اور نہ ہی اُن کے سامعین وحاضرین اجماع کی خلاف ورزی پر خاموش رہتے۔ اجماع پوری امت کا ہوتا ہے اور جو اجماع میں شامل ہونے کے بعد علیحدگی اختیار کرے تو وہ جہنمی ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

من شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ.

''جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا''۔(1)

کیا کوئی مسلمان سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ایسی سنگین غلطی کے ارتکاب کا تصور کر سکتا ہے جس پر معاذ اللہ، کفر یا ضلالت کا حکم لگتا ہو اور جو موجب جہنم ہو؟ نیز کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے سامعین میں موجود سب کے سب صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم ایسی سنگین غلطی پر خاموش رہے ہوں گے؟

---

(1) مصابیح السنۃ ج ۱ ص ۱۶۲ ح ۱۳۷؛ مشکاۃ المصابیح ج ۱ ص ۶۱ ح ۱۷۳۔

حافظ عسقلانی وغیرہ کے دعوائے اجماع کا جائزہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی حدیث ۳۶۵۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَنَقَلَ الْبَيْهَقِيُّ فِي "الْاِعْتِقَادِ" بِسَنَدِهِ إِلٰى أَبِي ثَوْرٍ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ قَالَ: أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ وَأَتْبَاعُهُمْ عَلٰى أَفْضَلِيَّةِ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ عَلِيٍّ.

"امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ ابو ثَور سے نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحابہ و تابعین کرام رضی اللہ عنہم کا سیدنا ابو بکر پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم کی افضلیت پر اجماع ہے"۔(۱)

امام شافعی کی طرف تفضیل پر اجماع کے دعویٰ کی نسبت

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اِس نقل میں اختصار سے کام لیا ہے، لیکن اُن سے ضرورت سے زیادہ اختصار ہو گیا۔ ہمارے بعض معاصرین نے بھی امام بیہقی کی کچھ عبارت کا حصہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

مَا اخْتَلَفَ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ فِي تَفْضِيلِ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ. وَتَقْدِيمِهِمَا عَلٰى جَمِيعِ الصَّحَابَةِ.

"صحابہ اور تابعین میں سے کسی ایک نے بھی سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اور اُن کی جمیع صحابہ پر تقدیم میں اختلاف نہیں کیا"۔(2)

---

(1) فتح الباري ج ۸ ص ۳۳۴۔

(2) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ للمفتي مطیع الرحمان رضوي هندی ص ۷۳۔

مکمل الفاظ ملاحظہ ہوں، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَرَوَيْنَا عَنْ أَبِي ثَورٍ، عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ قَالَ: مَا اخْتَلَفَ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فِي تَفْضِيلِ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ. وَتَقْدِيمِهَا عَلَى جَمِيعِ الصَّحَابَةِ . وَإِنَّمَا اخْتَلَفَ مَنِ اخْتَلَفَ مِنْهُمْ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ وَنَحْنُ لَا نُخَطِّئُ وَاحِدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا فَعَلُوا.

"اور ہم نے از ابو ثور از امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: صحابہ اور تابعین ﷺ میں سے کسی ایک نے بھی سیدنا ابو بکر و عمر کی تفضیل میں اور اُن کی جمیع صحابہ پر تقدیم میں اختلاف نہیں کیا، اور اُن میں سے جس نے اختلاف کیا ہے تو فقط سیدنا علی و عثمان ﷺ میں اختلاف کیا ہے، اور صحابہ کرام نے جو کچھ کیا ہم اُن میں سے کسی کو خطا پر نہیں کہتے"۔(1)

اس عبارت میں چند باتیں قابل غور ہیں:

۱۔ یہ کہ صحابہ کرام ﷺ کا خلفاء اربعہ ﷺ کی خلافت کی ترتیب کے مطابق اُن کی افضلیت کی ترتیب پر اتفاق نہیں تھا

۲۔ آخری جملہ کے الفاظ "فِيمَا فَعَلُوا" سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو خلیفہ کے چناؤ کی بابت ہے، لیکن چونکہ اُن کی عبارت میں "فِي تَفْضِيلِ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ" کے الفاظ بھی ہیں اِس لیے کہا جاسکتا ہے کہ وہ تفضیل کی بات کر رہے ہیں مگر اِن الفاظ کے معاً بعد "وَتَقْدِيمِهَا عَلَى جَمِيعِ الصَّحَابَةِ" کے الفاظ بھی ہیں، لہٰذا "فِيمَا فَعَلُوا" سے ملا کر دیکھا

(1) الاعتقاد للبیهقي ص ۵۲۲؛ مناقب الشافعي للبیهقي ج ۱ ص ۴۳۴۔

جائے تو صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ خلافت پر صحابہ کے عدم اختلاف کی بات کر رہے ہیں

۳۔ اصل بات یہ ہے کہ امام شافعی کی طرف اِس قول کی نسبت مشکوک ہے، کیونکہ اِس کے الفاظ ہیں ''مَا اِخْتَلَفَ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ فِي تَفْضِيلِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ'' (صحابہ اور تابعین ﷺ میں سے کسی ایک نے بھی سیدنا ابو بکر و عمر کی تفضیل میں اختلاف نہیں کیا) حالانکہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کثیر صحابہ کرام ﷺ سیدنا علی علیہ السلام کو جمیع صحابہ کرام پر فضیلت دیتے تھے، اور یہ بات امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ [ت:۴۵۸ھ] سے قبل امام باقلانی [ت:۴۰۳ھ] اور ابن حزم ظاہری [ت:۴۵۶ھ] نے نقل فرمائی ہے، جیسا کہ ہم اِس قبل نقل کر چکے ہیں۔ ''مَا اِخْتَلَفَ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ'' کا دعویٰ تو خلافت پر اجماع کے متعلق بھی نہیں کیا جاتا، کیونکہ بعض صحابہ کرام ﷺ نے تو خلافت کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔

۴۔ جب بقول ابن حزم بیسیوں صحابہ کرام، بقول باقلانی کثیر صحابہ کرام ﷺ اور بقول ذہبی صحابہ میں سے ایک مخلوق سیدنا علی ﷺ کی افضلیت کی قائل تھی تو یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ افضلیتِ مرتضوی میں منقول اتنے اقوال سے بے خبر تھے اور اجماعِ صحابہ کا باطل دعویٰ کرتے تھے؟

۵۔ امام شافعی کی طرف تفضیل پر اجماع کے دعویٰ کی نسبت کرنا اِس لیے بھی درست نہیں کہ وہ خود تفضیلِ مرتضوی کے قائل تھے اور لوگوں پر اُن کا تفضیلی ہونا عیاں بھی ہو گیا تھا۔ چنانچہ اُن کے درجِ ذیل شعر میں اُن کا نظریہ اور اُس پر لوگوں کا آگاہ ہونا دونوں مذکور ہیں:

إِذَا نَحْنُ فَضَّلْنَا عَلِيًّا فَإِنَّنَا
رَوَافِضُ بِالتَّفْضِيلِ عِنْدَ ذَوِي الْجَهْلِ

"جب ہم سیدنا علی علیہ السلام کو فضیلت دیتے ہیں تو پھر ہم جہالت مآب لوگوں کے نزدیک تفضیلی رافضی قرار پاتے ہیں"۔ (1)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں غور فرمایئے! اُنہوں نے یوں نہیں فرمایا "إِذَا نَحْنُ ذَكَرْنَا عَلِيًّا" (جب ہم علی کا ذکر کرتے ہیں) بلکہ فرمایا "إِذَا نَحْنُ فَضَّلْنَا عَلِيًّا" (جب ہم علی کی تفضیل بیان کرتے ہیں) اگر وہ مسئلہ تفضیل میں صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اجماع کے قائل ہوتے تو ایسا ہرگز نہ فرماتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا تضاد

اجماع اور اختلاف دونوں جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ اجتماعِ ضدین ناممکن ہے۔ اوپر آپ بحوالہ فتح الباري پڑھ چکے ہیں کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے افضلیت کی ترتیب پر اجماع نقل کیا ہے جبکہ وہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وَقَدْ سَبَقَ بَيَانُ الْاِخْتِلَافِ فِي أَيِّ الرَّجُلَيْنِ أَفْضَلَ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ : عُثْمَانُ أَوْ عَلِيٌّ ؟ وَأَنَّ الْإِجْمَاعَ اِنْعَقَدَ بِآخِرِهِ بَيْنَ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّ تَرْتِيبَهُمْ فِي الْفَضْلِ كَتَرْتِيبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ. رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ.

"اور اس سے قبل یہ اختلاف گزر چکا ہے کہ سیدنا ابو بکر و عمر کے بعد دو شخصوں میں سے کون سا شخص افضل ہے، عثمان یا علی؟ اور بے شک بعد میں اہل سنت کے درمیان اجماع منعقد ہو گیا کہ فضیلت میں اُن کی ترتیب خلافت کی ترتیب

(1) دیوان الإمام الشافعي، قافية اللام، ص ۹۸۔

کے مطابق ہے، رضی اللہ عنہم اجمعین"۔ [1]

دونوں باتوں میں سے کون سی بات حق ہے: حدیث نمبر ۳۶۵۵ کی تشریح میں لکھا کہ صحابہ و تابعین کا خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی ترتیب کے مطابق افضلیت پر اجماع تھا، اور پھر بعد میں حدیث نمبر ۳۶۷۱ کی تشریح میں پہلے اختلاف کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ بعد میں اہل سنت کا اجماع ہو گیا۔ میں حیران ہوں کہ جب پہلے ہی صحابہ و تابعین کا اجماع تھا تو پھر وہ اجماعِ صحابہ کب اور کیسے ختم ہوا کہ دوبارہ اجماع کی ضرورت پیش آگئی، اور کیا بعد والے لوگ پہلے لوگوں کے اجماع سے اختلاف کر سکتے ہیں؟

اس کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت درج فرمائی ہے، جس میں افضلیت کی ظنیت و قطعیت کے احتمالات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَإِذَا تَقَرَّرَ ذٰلِكَ فَالْمَقْطُوعُ بِهِ بَيْنَ أَهْلِ السُّنَّةِ بِأَفْضَلِيَّةِ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ. ثُمَّ اخْتَلَفُوا فِيمَنْ بَعْدَهُمَا: فَالْجُمْهُورُ عَلٰى تَقْدِيمِ عُثْمَانَ. وَعَنْ مَالِكٍ التَّوَقُّفُ، وَالْمَسْئَلَةُ اِجْتِهَادِيَّةٌ.

"اور جب یہ بات طے پا گئی تو اہل سنت کے درمیان سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت قطعی ہو گئی، پھر اہل سنت نے اُن دونوں کے بعد والوں کی افضلیت میں اختلاف کیا، پس جمہور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر ہیں اور امام مالک سے توقف منقول ہے اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے"۔ [2]

امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو نقل کرتے ہوئے حافظ رحمہ اللہ نے ایک لفظ چھوڑ دیا اور

---

(1) فتح الباري ج۸ ص ۳۶۰۔

(2) فتح الباري ج۸ ص ۳۶۰۔

وہ ہے ''لَا قَطْعِيَّةٌ'' پورا جملہ یوں ہے:

وَالْمَسْئَلَةُ اِجْتِهَادِيَّةٌ لَا قَطْعِيَّةٌ.

"اور مسئلہ اجتہادی ہے قطعی نہیں"۔ (۱)

تاہم فقط اجتہادی کہنا بھی قطعیت کی نفی کے لیے کافی ہوتا ہے، کیونکہ قطعیات میں اجتہاد نہیں ہوتا۔ بہر حال حافظ صاحب کی یہ عبارت پہلے دو مقامات کے خلاف ہے۔ وہ اس طرح کہ جب آخر میں اہل سنت کا اجماع ہو گیا تھا تو پھر مسئلہ اجتہادی کیسے ہو گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ پہلے یا بعد میں کبھی بھی مسئلہ افضلیت پر اجماع نہیں ہوا۔ صحابہ و تابعین اس اجماع سے آشنا ہی نہیں تھے۔ آگے چل کر ہم آپ کے سامنے خود حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایسا دلچسپ مفاضلہ اور واقعہ پیش کریں گے جس سے اجماع کی قلعی کھل جائے گی۔

حدیث ابن عمر سے اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دعویٰ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ دعوائے اجماع بخاری شریف کے اُس اثر (قولِ صحابی) سے بھی متصادم ہے جو مسئلہ تفضیل میں مشہور ترین ہے۔ چنانچہ امام بخاری سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا:

كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا. ثُمَّ عُمَرَ. ثُمَّ عُثْمَانَ. ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ.

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم حضرت ابو بکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے

(1) المفهم لأبي العباس القرطبي ج ٦ ص ٢٣٨۔

تھے، پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر ہم نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ دیتے تھے، اُن کے مابین مفاضلہ نہیں کرتے تھے"۔ (۱)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آخری الفاظ یوں ہیں:

ثُمَّ لَا نُفَضِّلُ أَحَدًا عَلٰی أَحَدٍ.

"پھر ہم کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے"۔ (2)

امام طبرانی کے ہاں یہ اثر اِن الفاظ میں ہے:

كُنَّا نُفَاضِلُ بَيْنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَنَقُولُ :أَبُوبَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ . ثُمَّ اسْتَوَى النَّاسُ، فَيَبْلُغُ ذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَلَا يُنْكِرُ ذٰلِكَ عَلَيْنَا.

"ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے مابین مفاضلہ (فضائل کا تقابل) کرتے تو کہا کرتے تھے: ابو بکر، عمر اور عثمان ﷺ، پھر لوگ برابر ہوتے، پس رسول اللہ ﷺ کو ہماری یہ بات پہنچی تو آپ نے ہمیں ٹوکا نہیں تھا"۔ (3)

اس اثر کے تمام الفاظ میں فقط خلفاء ثلاثہ ﷺ کے نام ہیں اور سیدنا علی ﷺ کا نام نہیں ہے، جبکہ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے چاروں خلفاء کرام ﷺ کی افضلیت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ حافظ رحمۃ

---

(1) بخاري ص ۵۰۳ ح ۳۶۹۷۔

(2) فضائل الصحابة ج ۱ ص ۱۰۴ ح ۵۳۔

(3) المعجم الأوسط ج ۸ ص ۳۰۳ ح ۸۷۰۲؛ مجمع البحرين ج ۶ ص ۲۳۹ ح ۳۶۵۲۔

اللہ علیہ کا یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اگرچہ درست ثابت نہیں ہوسکا، تاہم اگر وہ درست ہوتا بھی سہی تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اِس قول کے منافی ہوتا۔ قولِ ابن عمر کے مطابق تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع فقط خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت تک محدود ہے اور اُن کے بعد کسی کی کسی پر کوئی فضیلت نہیں، سارے صحابہ برابر ہیں اور حافظ رحمۃ اللہ علیہ زبردستی اجماعِ صحابہ میں ایک چوتھے شخص یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شامل فرما رہے ہیں۔ بتلایئے حافظ صاحب کے قول کو قبول کیا جائے یا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قول کو؟

اس سلسلے میں قابلِ قبول اور صحیح بات کیا ہے؟ درجِ ذیل عنوان کے تحت اس راز سے پردہ اُٹھ جائے گا۔

قولِ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اعلیٰ حضرتؒ کا دعوائے اجماع

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب اِس عنوان سے قائم کیا ہے:

"باب اول نصوص واخبار واجماع وآثار سے افضلیت شیخین کے اثبات میں"۔

پھر اُس کو فصول میں تقسیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ پہلی فصل میں لکھتے ہیں:

"الفصل الاول فی الاجماع۔ جانا جس نے جانا اور فلاح پائی اگر مانا، اور جس نے نہ جانا اب جانے کہ حضرت سید المومنین امام المتقین عبد اللہ بن عثمان ابی بکر صدیق اکبر وجناب امیر المومنین امام العادلین ابو حفص عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاہما کا جناب مولیٰ المومنین امام الواصلین ابو الحسن علی بن ابی طالب مرتضیٰ اسد اللہ کرم اللہ تعالیٰ وجہ بلکہ تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے افضل وبہترینِ امت [ہونا] اجماعیہ ہے۔ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ساداتِ امت ومقتدایانِ ملت وحاملان وناصرانِ

بزم رسالت ہیں، قرآن مجید خود صاحبِ قرآن کی زبان سے سنا اور اسباب فضل وکرامت کو بچشمِ خود مشاہدہ کیا، دربارِ دُرربارِ نبوت میں لوگوں کے قرب ووجاہت اور اس میں باہمی امتیاز وتفاوت سے جو آگاہی اُنہیں حاصل دوسرے کو میسر نہیں۔ بالاتفاق اُنہیں افضل امت جانتے اور ان کے برابر کسی کو نہ مانتے، یہاں تک کہ جب زمانہ فتن آیا اور بدعات واہواء نے شیوع پایا، شیعہ شنیعہ وبعض دیگر اہل بدعت نے خرق اجماع کیا، شق عصائے مسلمین کا ذمہ لیا مگر یہ فرقۂ حقہ وطائفہ ناجیہ کہ اہل سنت وجماعت جن سے عبارت قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً اس مسئلہ پر متفق اللفظ رہا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، خ: ہم گروہِ صحابہ زمانۂ رسول اللہ ﷺ میں ابوبکر پھر عمر پھر عثمان کے برابر کسی کو نہ گنتے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، عس: ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ کثیر ومتوافر کہا کرتے: افضل امت بعد رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر فاروق۔

ن: حضرت میمون بن مہران سے سوال ہوا شیخین افضل یا علی؟ اس کلمہ کے سنتے ہی اُن کے بدن پر لرزہ پڑا یہاں تک کہ عصادست مبارک سے گر گیا اور فرمایا: مجھے گمان نہ تھا اُس زمانے تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ ابوبکر وعمر کے برابر کسی کو بتائیں گے۔ یہاں سے ظاہر کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں تفضیل شیخین پر اجماع تھا اور اس کے خلاف سے ان کے کان محض ناآشنا، اور ایسا جلیل وصریح اور خلاف کو ناگوار وقبیح سمجھتے کہ بمجرد سوال صدمۂ عظیم

گزرا، دفعۃً بدن کانپ اٹھا۔

اسی طرح امام شافعی وغیرہ اکابر ائمہ وسادات الامۃ اس معنٰی پر اجماع صحابہ وتابعین نقل کرتے ہیں ''كما حكاه البيهقي وغيره وكفى بهم قدوة في الدين'' (جیسا کہ اس کو امام بیہقی وغیرہ نے حکایت کیا اور ان کا دین میں پیشوا ہونا کافی ہے)''۔[1]

حضراتِ ابن عمر وابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کو انڈیا کے ایک عالم مفتی مطیع الرحمان رضوی نے بھی نقل کیا ہے۔[2]

مطلع القمرین کے اِس طویل اقتباس میں افضلیت صدیقی رضی اللہ عنہ پر اجماع کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے لیے چار دلائل پیش کیے گئے:

۱۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

۲۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول

۳۔ میمون بن مہران کا واقعہ

۴۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اِن چاروں باتوں سے اجماع ثابت نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو پہلے کلام ہو چکا ہے کہ وہ قولِ ابن عمر سے متصادم ہے۔ باقی رہ گئے اول الذکر تین اقوال، اُن پر باری باری کلام کرتے ہیں۔

---

(1) مطلع القمرین ص ۶۳، ۶۲، وط: ۱۵۹، ۱۵۷۔

(2) انبیاء کرام [علیہم السلام] کے بعد افضل کون؟ ص ۹۹، ۹۸، ۹۷۔

بعض محدثین کا قولِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو غلط کہنا

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے اس قول پر انتہائی سخت کلام کیا ہے، اور بالآخر امام ابن عبد البر نے اس قول کے بارے میں لکھا ہے:

حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ وَهْمٌ وَغَلَطٌ.

"ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث وہم اور غلط ہے"۔[1]

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اپنی بعض تصانیف میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن وہب نے بیان کیا:

سَمِعْتُ مَالِكاً يَقُولُ: لَا أُفَضِّلُ أَحَدًا مِنَ الْعَشَرَةِ، وَلَا غَيْرَهُمْ عَلَى صَاحِبِهِ. وَكَانَ يَقُولُ هٰذَا مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ. قَالَ: وَقَالَ مَالِكٌ: أَدْرَكْتُ شُيُوخَنَا بِالْمَدِينَةِ، وَهٰذَا رَأْيُهُمْ.

"میں نے امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا: میں عشرہ مبشرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتا، اور فرماتے تھے: یہ بات علم الٰہی میں سے ہے اِس کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اُنہوں نے کہا: امام مالک نے فرمایا: میں نے اپنے مشائخ کو مدینہ منورہ میں اسی رائے پر پایا ہے"۔

ابن عبد البر اس قول سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَوْلُ مَالِكٍ هٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ عِنْدَهُ حَدِيثُ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ

---

(1) الاستیعاب ج ۲ ص ۵۷۔

عُمَرَ.

"امام مالک کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ اُن کے نزدیک حضرت نافع سے سیدنا ابن عمرؓ کی یہ حدیث صحیح نہیں ہے"۔(1)

اہلِ سنت کا اجماعِ صحابہؓ سے انحراف

حضرت ابن عمرؓ سے منسوب جس قول کو امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے وہم اور غلط قرار دیا ہے، ہمارے دوسرے علماء اہل سنت نے بھی اُس قول سے انحراف کیا ہے۔ اُس قول میں تصریح وترتیب ہے کہ سیدنا عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کی فضیلت ہے، لیکن ہمارے علماء اہل سنت کی کتب عقائد وغیرہ گونج گونج کر بتارہی ہیں کہ اہل سنت کا سیدنا علی وعثمانؓ کی تفضیل میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کے بعد مولیٰ علیؑ افضل ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ افضل ہیں۔ اِس اختلاف کا ذکر خود اُس مؤلف (فاضل بریلی) نے بھی کیا ہے جنہوں نے اجماعِ صحابہؓ میں قولِ ابن عمرؓ کو اولین دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ دیکھئے: (مطلع القمرین ص ۱۶۴) کیا بشمول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بعد والے تمام اہل اسلام کے لیے جائز ہے کہ وہ اجماعِ صحابہؓ سے انحراف واختلاف کریں؟

قولِ ابن عمرؓ کا قرآن وسنت کے خلاف ہونا

اگر مسئلہ تفضیل میں سیدنا ابن عمرؓ کے ذاتی موقف کے بجائے فقط اُن کے مذکورہ بالا قول پر ہی زور دیا جائے تو پھر اُن کا یہ قول اپنے ظاہری معنیٰ کے لحاظ سے قرآن کریم اور متعدد

(1) الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۴۰۔

احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور ایسی قبیح غلطی اُن سے کیونکر ممکن ہے؟ اُن سے وہی حدیث جو اعلیٰ حضرت اور مفتی مطیع الرحمان رضوی نے نقل کی ہے، وہ بخاری میں دوسرے مقام پر اِن الفاظ میں آئی ہے:

كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم لَا نَعْدِلُ بِأَبِيْ بَكْرٍ أحداً ثُمَّ عُمَرَ ، ثُمَّ عُثْمَانَ ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ .

”ہم زمانۂ نبوی ﷺ میں حضرت ابو بکر کے برابر، پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر ہم نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے اُن کے درمیان مفاضلہ (فضائل کا تقابل) نہیں کرتے تھے“۔ (1)

اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے موقف سے صرفِ نظر کرتے ہوئے فقط اُن کے ایسے اقوال پر ہی توجہ مرکوز کر دی جائے تو یہ قرآن مجید کی تصریح کے ہی خلاف ہے۔ آپ ہی بتلایئے! کیا پہلے خرچ اور جہاد کرنے والے بعد والوں کے برابر ہیں؟ کیا مہاجر اور غیر مہاجر برابر ہیں؟ کیا بدری اور غیر بدری برابر ہیں؟ کیا صلح حدیبیہ سے پہلے والے اور بعد والے برابر ہیں؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور طلقاء برابر ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو پھر اِس قول کا صحیح مطلب سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ آیئے مذہبی جانب داری اور تعصب کے بغیر اِس قول کا صحیح مطلب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

بشرطِ صحت قولِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معنیٰ

(1) بخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان بن عفان ،أبي عمرو القرشي رضی اللہ عنہ ص ٥٠٣ ح ٣٦٩٧؛ مصابيح السنة ج ٤ ص ١٥٠، ١٤٩ ح ٤٧١٥؛ مشكاة المصابيح ج ٣ ص ١٦٩٨ ح ٦٠١٦۔

فاضلِ بریلی نے اس قول کو اجماعِ صحابہ کی سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔
راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر یہ قول سنداً و متناً صحیح بھی ہو تو چار وجوہ سے اس کو اجماع کی دلیل بنانا درست نہیں۔ سطورِ ذیل میں ہم اِن چاروں وجوہ پر الگ الگ عنوان سے روشنی ڈال رہے ہیں۔
فَأَقُولُ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

مولیٰ علی علیہ السلام کا مفاضلہ سے مستثنیٰ ہونا

اوّلین بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک مولیٰ علی علیہ السلام مفاضلہ سے مستثنیٰ تھے، جیسا کہ حسبِ ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:
خود سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كُنَّا نَقُولُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم: رَسُولُ اللّٰهِ خَيْرُ النَّاسِ، ثُمَّ أَبُو بَكْرٍ. ثُمَّ عُمَرُ. وَلَقَدْ أُوتِيَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ ثَلَاثُ خِصَالٍ، لِأَنْ تَكُونَ لِي وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ أَحَبَّ إِلَيَّ من حُمْرِ النَّعَمِ: زَوَّجَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم ابْنَتَهُ وَوَلَدَتْ لَهُ، وَسَدَّ الْأَبْوَابَ إِلَّا بَابَهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ.

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ لوگوں میں سب سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، پھر حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تین خوبیاں عطا ہوئیں، مجھے اگر اُن میں سے کوئی ایک خوبی حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں کے عطا ہونے سے زیادہ محبوب ہوتی:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر اُن کے نکاح میں دی اور اُنہوں

نے اُن کے لیے اولاد جنم دی

۲۔ آپ ﷺ نے مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کرا دیے ماسوا اُن کے دروازہ کے

۳۔ اور خیبر کے دن اُنہیں پرچم عطا فرمایا"۔[1]

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس حدیث کو امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور ان دونوں کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں"۔[2]

اگر اس حدیث میں مذکور پہلی دو خصوصیات کو نہ بھی مانا جائے تو تیسری خصوصیت کو تو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ ایسی افضلیت ہے جو تقریباً سولہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فقط اُن ہی کے حصہ میں آئی اور لطف کی بات یہ ہے کہ اُن سب کے آرزومند ہونے کے باوجود فقط سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہی عطا ہوئی۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں نے شجاعت وطاقت کو افضلیت کے دلائل میں شامل نہیں کیا،[3] اگرچہ وہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اشجع اور اقویٰ (سب سے بڑھ

---

(1) مسند أحمد ج ۲ ص ۲۶، وط: ج ۲ ص ۲۸۱ ح ۴۷۹۷، وط: ج ۸ ص ۴۱۷ ح ۴۷۹۷؛ فضائل الصحابة ج ۲ ص ۷۷۰ ح ۹۵۵؛ المصنَّف لابن أبي شيبة ج ۱۲ ص ۷۰، وط: ج ۱۷ ص ۱۱۴ ح ۳۲۷۶۲، وط: ج ۱۰ ص ۴۸۸ ح ۳۲۶۹۷؛ السنة لابن أبي عاصم ص ۸۰۵، ۸۰۶ ح ۱۲۳۳؛ شرح مشكل الآثار ج ۹ ص ۱۸۹ ح ۳۵۶۰؛ مسند أبي يعلیٰ ج ۵ ص ۱۰۲ ح ۵۵۷۵، وط: ج ۹ ص ۴۵۲ ح ۵۶۰۱؛ إتحاف الخيرة المهرة ج ۷ ص ۱۵۵ ح ۶۵۵۶۔

(2) مجمع الزوائد للهيثمي ج ۹ ص ۱۲۰، وط: ج ۹ ص ۱۶۰ ح ۱۴۶۹۸، وط: ج ۹ ص ۱۱۱ ح ۱۴۶۹۸، وط: ج ۱۸ ص ۲۶۸ ح ۱۴۷۰۰۔

(3) اعلیٰ حضرت ؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے:=

کر بہادر اور سب سے زیادہ طاقت ور) ثابت کرنے کے درپے بھی رہتے ہیں۔ چلیے اِن دو باتوں کو مت قبول فرمایئے لیکن اُس مخصوص لطفِ الٰہی اور انتخاب کو تو تسلیم فرمایئے جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شدید آرزو کے باوجود فقط مولا مرتضیٰ علیہ السلام پر ہوا۔

مولا علی علیہ السلام کا اہل بیت سے ہونا ہی کافی تھا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک مولا علی علیہ السلام کا اہل بیت سے ہونا ہی اُن کی افضلیت کے لیے کافی تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خوبیوں سے متعلق سوال کرنے والے شخص کو منع کر دیتے تھے اور فرماتے تھے: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اُن کی قربت کی طرف کیوں نہیں دیکھتے؟ چنانچہ ایک شخص نے اُن سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے تفصیل سے جواب دیا، پھر سائل نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے یوں مختصر جواب دیا:

لَا تَسْئَلْ عَنْهُ، أَلَا تَرٰی مَنْزِلَتَهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

= ''شجاعت وسخاوت وزور وطاقت وامثال ذٰلک ملکاتِ نفسانیہ وکمالاتِ خَلقیہ میں مزیت، مدارِ افضلیت نہیں''۔ (مطلع القمرین ص ۸۷)

فاضل بریلوی کا یہ قول جہاں بداہۃً باطل ہے وہیں قرآن وحدیث کے بھی خلاف ہے، کیونکہ قرآن کریم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں بنتِ شعیب علیہ السلام کے اِس قول ﴿يَٰٓأَبَتِ ٱسۡتَـٔۡجِرۡهُۖ إِنَّ خَيۡرَ مَنِ ٱسۡتَـٔۡجَرۡتَ ٱلۡقَوِيُّ ٱلۡأَمِينُ﴾ [القصص:۲۶] (اے میرے باپ ان کو نوکر رکھ لو بے شک بہتر نوکر وہ جو طاقت ور امانت دار ہو۔ کنز الایمان) توصیفی انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح جناب طالوت کے بارے میں آیا ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهُۥ بَسۡطَةً فِي ٱلۡعِلۡمِ وَٱلۡجِسۡمِ﴾ [البقرۃ:۲۴۷] (اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اُسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی۔ کنز الایمان)۔ آئندہ صفحات میں بھی فاضل بریلی کی یہ عبارت مع سیاق وسباق آئے گی اور وہیں اِس کا بطلان مزید واضح کیا جائے گا۔

"اُن کے متعلق مت پوچھو، کیا تم رسول اللہ ﷺ کے ہاں اُن کا مرتبہ نہیں دیکھتے؟"۔(1)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اُنہوں نے سائل کو فرمایا:

لَا أُحَدِّثُكَ عَنْهُ بِغَيْرِهِ.

"میں تمہیں اُن کے متعلق اور کچھ نہیں بتاؤں گا"۔(2)

بخاری شریف کی بعض احادیث میں بھی یہ معنیٰ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی سائل نے سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے متعلق دریافت کیا تو اُنہوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے تو فقط محاسن ہی بیان کر دیے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے محاسن کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا:

هُوَ ذَاكَ بَيْتُهُ. أَوْسَطُ بُيُوْتِ النَّبِيِّ ﷺ.

"وہ وہ ہیں جن کا گھر نبی کریم ﷺ کے گھروں کے وسط میں ہے"۔(3)

علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يُشِيْرُ بِذٰلِكَ إِلَى أَنَّ لِعَلِيٍّ مَنْزِلَةٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ.

---

(1) السنن الكبرى للنسائي ج٧ ص ٤٤٦ ح ٨٤٣٥؛ المصنف لعبدالرزاق ج ٥ ص ٣١٢،٣١١ ح ٩٨٢٩؛ فضائل الصحابة ج ٢ ص ٦٣٧ ح ١٠١٢؛ المعجم الأوسط ج ٢ ص ٣٨ ح ١١٦٦؛ مجمع البحرين ج٣ ص ٣٧٤ ح ٣٦٨٤؛ مجمع الزوائد ج ٩ ص ١١٥ ح ١٤٦٧٥۔

(2) فضائل الصحابة للإمام أحمد ج ٢ ص ٦٣٧ ح ١٠١٢؛ المصنف لعبدالرزاق ج ١١ ص ٢٣٢ ح ٢٠٤٠٨؛ خصائص علي ص ١٠٣ ح ١٠٥۔

(3) بخاري: كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب القرشي الهاشمي، ص ٥٠٥ ح ٣٧٠٤۔

"اس سے اُنہوں نے اشارہ کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بلند رتبہ ہے"۔[1]

دراصل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان کا فقط ایک پہلو نہیں بلکہ اُن کی شان کے تین پہلو ہیں: صحابی ہونا، اہل بیت سے ہونا اور اہل کساء علیہم السلام سے ہونا۔ بخاری شریف کی جو حدیث فاضل بریلیؒ نے نقل فرمائی ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مفاضلہ پر مبنی ہے، اُس میں اہل بیت شامل نہیں۔ ذرا الفاظ حدیث میں ایک مرتبہ پھر غور فرمالیجئے! حدیث میں "ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اِن الفاظ کی ادائیگی کے وقت اُن کے ذہن میں اہل بیت کرام اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہیں تھے، جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں سائلین کو جواب دینے کے انداز سے ظاہر ہے کہ اُن کے بارے میں مت پوچھو! چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَلَعَلَّ هٰذَا التَّفَاضُلُ بَيْنَ الْأَصْحَابِ. وَأَمَّا أَهْلُ الْبَيْتِ فَهُمْ أَخَصُّ مِنْهُمْ وَحُكْمُهُمْ يُغَايِرُهُمْ.

"شاید یہ تفاضل صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین ہے، رہے اہل بیت کرام علیہم السلام تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخصوص ترین ہیں اور اُن کا حکم اُن سے جدا ہے"۔[2]

اگر کسی کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح میں تأمل ہو تو آیئے ہم اُن کی خدمت میں ایک اور امام اہل سنت کی تشریح پیش کیے دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کے فرزند بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ أَبِي عَنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ: كُنَّا إِذَا فَاضَلْنَا بَيْنَ أَصْحَابِ رَسُولِ

---

(1) عمدة القاري ج ١٦ ص ٣٠٠۔

(2) مرقاة شرح المشكاة ج ١١ ص ١٧٠۔

اللّٰهِ ﷺ قُلْنَا : أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ. فَقَالَ : هُوَ كَمَا قَالَ.

قُلْتُ : فَأَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ؟ قَالَ : يَا بُنَيَّ ! لَمْ يَقُلْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

"میں نے اپنے بابا سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے متعلق پوچھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مفاضلہ کرتے تو کہتے: ابو بکر، عمر اور عثمان۔ فرمایا: ایسا ہی ہے جیسا کہ اُنہوں نے فرمایا۔ میں نے عرض کیا: پھر علی بن ابی طالب کی فضیلت کہاں گئی؟ فرمایا: بیٹا! اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کرام علیہم السلام کی بات نہیں کی"۔(1)

حتیٰ کہ خود ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اُن کے اپنے قول کی وضاحت موجود ہے۔ چنانچہ بعض طویل روایات میں آیا ہے کہ ایک موقع پر جب وہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت بیان کر چکے تو اُن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یوں سوال کیا گیا:

فَقَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عُمَرَ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَانِ ! فَعَلِيٌّ؟ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: عَلِيٌّ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ لَا يُقَاسُ بِهِمْ.

"پس ایک شخص نے ابن عمر سے کہا: اے ابو عبد الرحمان! تو علی؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہل بیت سے ہیں اُن پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا"۔(2)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فاضل بریلی نے بخاری شریف سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تفضیل میں جو

---

(1) الجامع لعلوم الإمام أحمد ج ۴ ص ۳۴۸،۳۴۷۔

(2) الرياض النضرة ج ۳ ص ۱۸۰، الفصل السابع في أفضليته۔ وط: ج ۳ ص ۱۵۵۔

حدیث پیش کی ہے اُس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ مستثنیٰ ہیں۔

بعض علماء کی ترجمہ میں ڈنڈی

مفتی مطیع الرحمان رضوی ہندی نے بھی "الریاض النضرۃ" کی طویل عبارت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے نقل کی ہے، اُس میں بھی یہ جملہ بعینہٖ موجود ہے اور اُنہوں نے اِس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"اس پر کسی نے ابن عمر سے کہا: اے ابو عبد الرحمان! اِن حضرات کے بعد حضرت علی افضل ہیں؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: حضرت علی اہل بیت کے فرد ہیں ان کو دوسرے لوگوں پر قیاس نہیں کیا جائے گا"۔[1]

مفتی رضوی صاحب نے لفظ "فَعَلِيٌّ" میں جو حرفِ "فـــ" ہے اِس سے کچھ زیادہ ہی فائدہ اُٹھانے کی کوشش میں ترجمہ یوں کیا ہے:

"اِن حضرات کے بعد حضرت علی افضل ہیں؟"

کیا مفتی صاحب ترجمہ میں ڈنڈی مار کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اہل بیت کرام علیہم السلام کا رتبہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد شروع ہوتا ہے یا دوسرے الفاظ میں اہل بیت کرام علیہم السلام پر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ماسوا لوگوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا؟ اگر مفتی صاحب کی یہی مراد ہے تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اُمہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَأَحَدٖ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ﴿٣٢﴾

"اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو"۔ (الأحزاب: ۳۲)

اور متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ اہل کساء علیہم السلام امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے افضل ہیں۔

---

(1) انبیاء کرام [علیہم السلام] کے بعد افضل کون؟ مطیع الرحمان رضوي ۱۳۱، ۱۲۹۔

سو جب اُمہات پر دوسری عورتوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا تو پھر اہل کساء علیہم السلام پر دوسرے حضرات کو کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہے؟ مفتی رضوی ہندی صاحب نے جن تین حضرات کو مستثنیٰ کرنے کی کوشش کی ہے وہ اُن کی ذاتی اختراع ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ مراد نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد وہ ہے جو خود اُن کی زبانی بھی نقل ہو چکی ہے اور امام احمد، ابن جوزی اور ملا علی قاری وغیرہ کے الفاظ میں بھی بیان ہو چکی ہے۔

قولِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خلافت کے متعلق ہونا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مذکور الصدر قول کی تیسری توجیہ جو اُنہوں نے خود بیان فرمائی، وہ یہ ہے کہ وہ اس ترتیب سے خلافت کی ترتیب کا ارادہ کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَ قَدْ جَاءَ فِي بَعْضِ الطُّرُقِ فِي حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ تَقْيِيْدِ الْخَيْرِيَّةِ الْمَذْكُوْرَةِ بِمَا يَتَعَلَّقُ بِالْخِلَافَةِ. وَذٰلِكَ فِيْمَا أَخْرَجَهُ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُوْنَ إِنَّا كُنَّا نَقُوْلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَ عُثْمَانُ. يَعْنِي فِي الْخِلَافَةِ. كَذَا فِي أَصْلِ الْحَدِيْثِ. وَمِنْ طَرِيْقِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: كُنَّا نَقُوْلُ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ يَكُوْنُ أَوْلَى النَّاسِ بِهٰذَا الْأَمْرِ؟ فَنَقُوْلُ: أَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ.

"سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی بعض روایات میں مذکورہ خیریت اور افضلیت کو خلافت سے متعلق مقید کیا گیا ہے، اور اس کو امام ابن عساکر نے از عبد اللہ بن یسار، از سالم از ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کہا کرتے تھے: ابو بکر، عمر اور عثمان یعنی خلافت

میں۔ ایسے ہی الفاظِ حدیث ہیں ،اور بروایت عبید اللہ از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں کہا کرتے تھے: لوگوں میں کون اس امر کے زیادہ قریب ہے؟ پھر ہم کہتے تھے: ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما"۔[1]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: مَا كُنَّا نَخْتَلِفُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: أَنَّ الْخَلِيفَةَ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَبُوبَكْرٍ، وَأَنَّ الْخَلِيفَةَ بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ عُمَرُ. وَأَنَّ الْخَلِيفَةَ بَعْدَ عُمَرَ عُثْمَانُ.

"نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اس معاملہ میں اختلاف نہیں کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابو بکر خلیفہ ہوں گے، اور ابو بکر کے بعد عمر خلیفہ ہوں گے اور عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے رضی اللہ عنہم"۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ خلافت کے متعلق یہ اُن حضرات کے اندازے تھے جو درست ثابت ہوئے اور اہل سنت کے نزدیک بلکہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق خلافت کے لیے افضلیت شرط نہیں ہے، افضل کی موجودگی میں غیر افضل شخص پر لوگوں کا اتفاق ہو جائے تو اُس کی خلافت جائز ہے، البتہ شیعہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ لہٰذا افاضل بریلی وغیرہ کا قولِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو افضلیت پر اجماع کی دلیل بنانا درست نہیں۔

---

(1) فتح الباري ج ۸ ص ۳۳۴۔

(2) فضائل الصحابة ج ۱ ص ۱۱۲ ح ۶۳۔

قولِ ابن عمر کے مقابلہ میں قولِ ابن مسعود رضی اللہ عنہم

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو اجماع کی دلیل اس لیے بھی نہیں بنایا جاسکتا کہ اُن کے قول کے مقابلہ میں اُن سے زیادہ فقیہ اور قدیم صحابی کا قول موجود ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہم کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں"۔ یہ قول مع تخریج و تحقیق آگے آرہا ہے۔

عشاقانِ اعلیٰ حضرتؒ سے سوال

ہمارا یہ سوال تمام علماء حق کے علاوہ اُن عشاقانِ اعلیٰ حضرتؒ سے بھی ہے جو اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اُن کے کان اعلیٰ حضرتؒ سے اختلاف کی بات سننے سے بند ہیں، نیز اُن جدید و قدیم پاسبانانِ مسلکِ اعلیٰ حضرتؒ سے بھی ہے جو لٹھ لے کر میدان میں موجود ہیں، وہ بتائیں کہ جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ قولِ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قطعی اجماعِ صحابہ کی دلیل سمجھتے ہیں تو اُنہوں نے اپنی کتاب کا نام ایسا کیوں رکھا جو فقط شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی سبقت پر دلالت کرتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس اجماع میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شامل رکھا تھا اعلیٰ حضرت نے اُس اجماع کا لحاظ کیوں نہیں رکھا؟

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے اجماع کا دعویٰ

اعلیٰ حضرت نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کو بھی اجماعِ صحابہ کی دلیل بنایا ہے، لیکن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قول کی روایت مشکوک ہے۔ فقط امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی "فضائل الصحابۃ" میں یہ قول از ابوہریرہ منقول ہے مگر اس کی سند میں ایک شخص سوید بن سعید ہے جو اختلاط (قوتِ حافظہ میں کمی آجانے کی وجہ سے مختلف واقعات کو خلط ملط کر دینے) کا شکار ہو گئے

تھے۔ نیز جب یہ آخر میں نابینا ہو گئے تھے تو معاملہ مزید خراب ہو گیا تھا۔ دوسرا راوی عمر بن عبید ہے اور وہ ضعیف ہے۔ فضائل الصحابۃ کے محقق شیخ وصی اللہ بن محمد عباس نے لکھا ہے کہ اِن دونوں راویوں کی وجہ سے عن ابن عمر کی بجائے عن أبي هريرة ہو گیا۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ یہ قولِ ابی ہریرہ نہیں بلکہ قولِ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے، لہٰذا اس سے استدلال هَبَاءً مَّنْثُورًا ہو گیا۔ نیز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ وہ تمام کے تمام صحابہ سے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے۔ جیسا کہ عنقریب اس سلسلے میں صحیح حدیث آرہی ہے، جس سے معلوم ہو گا کہ وہ افضلیتِ صدیقی پر اجماع سے نا آشنا تھے۔

میمون بن مہران کے قول سے اجماع کا دعویٰ

فاضل بریلی نے میمون بن مہران کے قول کو بھی تفضیل صدیقی پر اجماع کی دلیل بنایا ہے، لیکن اُس کے قول سے دلیل پکڑنا باطل ہے، کیونکہ اُس سے روایت کرنے والا شخص کذاب ہے اور خود میمون بن مہران ناصبی تھا۔ پہلے تو وہ واقعہ سُنیے جس میں میمون بن مہران کی لاٹھی گر گئی تھی پھر اس واقعہ کی سند پر بات ہو گی اور پھر میمون کے ناصبی ہونے پر محدثین کرام کی تصریح پیش کی جائے گی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرات بن سائب سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے میمون بن مہران سے دریافت کیا کہ: آپ کے نزدیک علی افضل ہیں یا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما؟ تو اُس پر کپکپی طاری ہو گئی حتیٰ کہ اُس کے ہاتھ سے اُس کی چھڑی گر گئی، پھر کہا: میرا گمان نہیں تھا کہ میں اُس زمانہ تک زندہ

---

(1) فضائل الصحابۃ ج ا ص ۱۰۴، ۱۰۲۔

رہوں گا جب ان دونوں کے ساتھ برابری کی بات کی جائے گی، اُن دونوں کی خوبی اللہ کے لیے ہے، وہ دونوں اسلام کے سردار تھے۔ میں نے پوچھا: اسلام کے لحاظ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ اول ہیں یا علی رضی اللہ عنہ؟ کہنے لگا: اللہ کی قسم! ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُس وقت ایمان لا چکے تھے جب آپ بحیریٰ راہب کے زمانے میں اُس سے گزرے تھے، اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدہ خدیجہ کے مابین کردار ادا کیا حتیٰ کہ اُن کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کرا دیا، اور یہ سب کچھ اُس وقت ہوا جب علی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے"۔(1)

فرات بن سائب کی حیثیت

میمون بن مہران سے جس فرات بن سائب نے روایت کیا ہے اُس کے متعلق محدثین نے کہا ہے کہ وہ کذاب تھا اور حدیثیں گھڑتا تھا۔ چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"امام بخاری نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے، ابن معین نے کہا: اُس کی کچھ بھی حیثیت نہیں اور امام احمد بن حنبل نے کہا: میمون سے روایت لینے میں اِس کا حال محمد بن زیاد الطحان کے قریب ہے۔ جس بات میں وہ متہم ہے اُسی میں یہ بھی متہم ہے"۔(2)

محمد بن زیاد الطحان کس بات میں ملوث تھا؟ یہ بھی حافظ ذہبی ہی سے معلوم کر لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"امام احمد فرماتے ہیں: یہ کذاب بھینگا تھا، حدیث گھڑتا تھا۔ ابراہیم بن جنید اور دوسرے محدثین نے کہا: ابن معین نے فرمایا: یہ جھوٹا تھا۔ ابن المدینی نے

---

(1) تاریخ الخلفاء ص ۴۲، ۳۱۔

(2) میزان الاعتدال ج ۵ ص ۴۱۲۔

کہا: میں نے جو کچھ اِس سے لکھا تھا سب پھینک دیا اور اُنہوں نے اِس کو انتہائی ضعیف کہا۔ امام ابوزرعہ نے فرمایا: وہ جھوٹ بولتا تھا اور امام دار قطنی نے کہا: وہ جھوٹا تھا"۔ (1)

اِس سے معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک جس طرح محمد بن زیاد الطحان جھوٹا تھا اور حدیث گھڑتا تھا اِسی طرح فرات بن سائب بھی کذاب تھا اور حدیثیں گھڑتا تھا۔

میمون بن مہران کی ناصبیت

اگر میمون بن مہران سے روایت کرنے والا یہ راوی فرات بن سائب صادق اور ثقہ بھی ہوتا تو تب بھی میمون بن مہران کا قول و عمل قابلِ قبول نہیں تھا، کیونکہ فرات بن سائب نے اُس سے کوئی حدیث روایت نہیں کی بلکہ اُس کا عمل اور عقیدہ نقل کیا ہے۔ محدثین کرام کے مطابق کسی ثقہ مگر بدمذہب یعنی ناصبی، خارجی اور شیعی راوی سے حدیث کو تو لیا جاتا ہے مگر اُس کے مخصوص عقیدے کو نہیں لیا جاتا۔ میمون بن مہران کا مذکورہ سوال پر حواس باختہ ہونا اُس کے قلبی مرض کے باعث تھا، کیونکہ وہ بدبخت ناصبی تھا اور اس کے دل میں بغضِ علی تھا۔ چنانچہ محدثین کرام لکھتے ہیں:

كَانَ يَحْمِلُ عَلَى عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ.

"وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بکواس کرتا تھا"۔ (2)

یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا تھا:

---

(1) میزان الاعتدال ج ۶ ص ۱۵۴۔

(2) تاریخ الثقات للعجلي ص ۴۴۵، تهذيب الكمال ج ۱۰ ص ۲۲۶، وط: ج ۲۹ ص ۲۱۴، تهذيب التهذيب ج ۴ ص ۱۹۸، وط: ج ۸ ص ۴۴۷، وط: ج ۶ ص ۴۹۹۔

يَا مَيْمُونُ! لَا تَشْتُمِ السَّلَفَ وَادْخُلِ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

”او میمون! اسلاف کرام کو برا نہ کہہ اور سلامتی کے ساتھ جنت میں جا“۔[1]

اعلیٰ حضرت نے اس شخص کے ہاتھ کو ”دست مبارک“ کہہ کر جو اُس کی تعظیم کی ہے، اس میں وہ معذور ہیں، کیونکہ اُن کے سامنے اس شخص کا یہ خبیث پہلو نہیں تھا، ورنہ جو شخص اپنی گفتگو میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملے کرے وہ روایت حدیث میں کتنا ہی ثقہ ہو اور زہد و عبادت میں کتنا ہی بڑھا ہوا ہو، منحوس و بدبخت ہوتا ہے مبارک نہیں۔

میمون بن مہران کی افضلیتِ مرتضوی سے توبہ کی وجہ؟

روایت اور ریاضت و عبادت اِس شخص کی بہت تعریف کی گئی ہے لیکن اِس کے احوال پڑھنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بدبخت عبادت گزار تو تھا لیکن خوارج کی طرح احمق، غبی، غوی اور سفیہ بھی تھا۔ یہ پہلے سیدنا علی علیہ السلام کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا تھا مگر بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ کیوں، کیا وجہ بنی تھی؟ یہ وجہ جان کر آپ حیران رہ جائیں گے۔ علماء اسماء الرجال لکھتے ہیں:

عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ :قَالَ مَيْمُونُ بْنُ مِهْرَانَ : كُنْتُ أُفَضِّلُ عَلِيًّا عَلَى عُثْمَانَ . فَقَالَ لِي عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَيُّهُمَا أَحَبُّ إِلَيْكَ رَجُلٌ أَسْرَعَ فِي الْمَالِ أَوْ رَجُلٌ أَسْرَعَ فِي كَذَا . يَعْنِي فِي الدِّمَاءِ؟ قَالَ : فَرَجَعْتُ .وَقُلْتُ : لَا أَعُودُ.

”اسماعیل بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میمون بن مہران نے کہا: میں علی کو عثمان پر فضیلت دیتا تھا، پس مجھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا: آپ کو دو

---

(1) تهذيب الكمال ج ٢٩ ص ٢١٦ ؛تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج ٩ ص ١٧٢ ۔

شخصوں میں سے کون سا زیادہ محبوب ہے، وہ شخص جس نے مال خرچ کرنے میں جلدی کی یا وہ شخص جس نے خون بہانے میں جلدی کی؟ وہ کہتا ہے: پس میں نے رجوع کر لیا اور میں نے کہا: آئندہ تفضیلِ علی کا قول نہیں کروں گا"۔[1]

مولیٰ علی علیہ السلام کی اعلیٰ خوبی عند النواصب برائی

کیا سیدنا علی علیہ السلام نے جہاد کے علاوہ بھی کوئی خون بہایا تھا؟ کیا جو جہاد سیدنا علی نے کیا تھا اُس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مال خرچ نہیں کیا تھا؟ اگر کیا تھا تو پھر مالی طور پر وہ خون بہانے میں جلدی کرنے والوں کے مددگار ثابت ہوئے کہ نہیں؟ اگر خون بہانے سے اُن کی مراد وہ جنگیں ہوں جو سیدنا علی علیہ السلام نے اپنے دورِ خلافت میں لڑیں تو اُن کی پیش گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرما چکے تھے کہ جس طرح میں نے تنزیلِ قرآن کی تکمیل کے لیے قتال کیا ہے اِسی طرح تم میں سے ایک شخص تاویلِ قرآن کی تکمیل کے لیے قتال کرے گا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی تو بشمول سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کاش یہ سعادت اُنہیں نصیب ہو جائے۔ چنانچہ متعدد محدثین کرام لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِ، قَالَ كُنَّا جُلُوسًا نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم، فَخَرَجَ إِلَيْنَا قَدْ انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهِ، فَرَمٰى بِهَا إِلٰى عَلِيٍّ رضي الله عنه. فَقَالَ: إِنَّ مِنْكُمْ مَنْ يُقَاتِلُ عَلٰى تَأْوِيلِ الْقُرْآنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰى تَنْزِيلِهِ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: أَنَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ عُمَرُ: أَنَا؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ خَاصِفُ النَّعْلِ.

---

(1) تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۹۹؛ تہذیب الکمال ج ۲۹ ص ۲۱۴۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتظار کر رہے تھے کہ آپ ہماری طرف تشریف لائے۔ آپ کی نعل (جوتی) مبارک کا تسمہ ٹوٹ چکا تھا تو اسے آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھایا تھا، پھر فرمایا: تم میں سے ایک شخص تفسیر قرآن پر اسی طرح جہاد کرے گا جس طرح میں نے تنزیلِ قرآن پر جہاد کیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں، لیکن وہ جوتی کی مرمت کرنے والا ہے"۔ (1)

یعنی سیدنا علی علیہ السلام، چونکہ اوپر یہ الفاظ " فَرَمٰى بِهَا إِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "(آپ نے اپنی نعل مبارک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھائی تھی) آچکے ہیں۔

مسند احمد میں ہے:

فَاسْتَشْرَفْنَا وَفِيْنَا أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ.

"ہم سب نے آرزو کی اور ہم میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے"۔ (2)

امام ابن ابی شیبہ کے ہاں الفاظ ہیں کہ ہم انتظارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یوں چپ چاپ بیٹھے تھے جیسا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، ہم میں سے کوئی بھی شخص بول نہیں رہا تھا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا تو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے باری باری کھڑے ہو کر عرض کیا۔ اصل

---

(1) السنن الکبریٰ للنسائي ج۷ص ۴۲۵ ح۸۴۸۸وط: ج۵ص ۱۵۴ ح ۸۵۴۱؛ صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۳۸۵ ح۶۹۳۷؛ مسند أبي یعلی ج ۲ ص ۳۴۱ ح ۱۰۸۶۔

(2) مسند أحمد طبعة قدیمة ج ۳ص ۸۲، وط: بتحقیق شعیب الأرنؤوط ج ۱۸ ص ۲۹۵، ۲۹۶ ح ۱۱۷۷۳۔

الفاظ ملاحظہ ہوں:

فَقَامَ أَبُوبَكْرٍ فَقَالَ: أَنَا هُوَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: لَا . فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ: أَنَا هُوَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: لَا . وَلٰكِنَّهٗ خَاصِفُ النَّعْلِ فِي الْحُجْرَةِ.

"حضرت ابو بکر ﷜ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ پھر حضرت عمر ﷜ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں، لیکن وہ حجرہ میں جوتی کی مرمت کرنے والا ہے"۔[1]

یعنی یہ اِس قدر اہم اعزاز تھا کہ شیخین کریمین ﷨ اِس کی آرزو میں بے ساختہ کھڑے ہو گئے اور دوسرے تمام صحابہ کرام ﷢ نے بھی اِس کو اِس قدر غیر معمولی اعزاز سمجھا کہ اکٹھے ہو کر مولا علی ﵇ کو اِس کی بشارت سنانے پہنچ گئے۔ چنانچہ سیدنا ابو سعید خدری ﷜ کے الفاظ ہیں:

فَجِئْنَا نُبَشِّرُهٗ ، قَالَ : وَ كَأَنَّهٗ قَدْ سَمِعَهٗ.

"پس ہم اُنہیں بشارت دینے گئے، فرماتے ہیں: یوں محسوس ہوا گویا کہ اُنہوں نے پہلے سن رکھا تھا"۔[2]

دوسرے مقام پر ہے کہ اُنہوں نے خوشخبری دی:

فَلَمْ يُكَبِّرْ بِهٖ فَرَحًا كَأَنَّهٗ شَيْءٌ قَدْ سَمِعَهٗ.

"تو سیدنا علی ﵇ نے فرحت کے طور پر اللہ اکبر نہ کہا، گویا کہ اُنہوں نے اِس

---

(1) المصنف لابن أبي شيبة، بتحقيق محمد عوامة ج ۱۷ ص ۱۰۵ ح ۳۲۷۴۵؛ السنن الكبرى للنسائي ج ۷ ص ۴۶۶، ۴۶۵ ح ۸۴۸۸۔

(2) مسند أحمد بتحقيق شعيب الأرنؤوط ج ۱۸ ص ۲۹۵، ۲۹۶ ح ۱۱۷۷۳۔

چیز کو پہلے سے سن رکھا تھا"۔[1]

بعض احادیث میں انتہائی عمدہ اور ایمان افروز الفاظ ہیں کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا: اُس شخص کے قلب کو ایمان کے لیے آزما لیا گیا ہے۔ چنانچہ امام نسائی، امام ترمذی اور دوسرے محدثین کرام سیدنا علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رَجُلًا مِنْكُمْ قَدْ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ. فَيَضْرِبُكُمْ عَلَى الدِّيْنِ.

"اے جماعتِ قریش! اللہ کی قسم عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر ضرور ایک ایسے شخص کو بھیجے گا جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لیے آزما لیا ہے۔ پس وہ دین کے بارے میں تمہیں مارے گا"۔[2]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور علامہ ابو اسحاق الحوینی

---

(1) فضائل الصحابة ج۲ ص ۷۷۷ ح ۱۰۷۱ ؛ مسند أحمد [الأرنؤوط] ج ۱۸ ص ۲۹۹ ح ۱۱۷۷۵ ؛ المستدرک ج۳ ص ۱۲۲ ، وط: دار الميمان ج ۲ ص ۱۲۹ ح ۴۶۷۱ ؛ دلائل النبوة للبيهقي ج۶ ص ۴۳۵ ؛ حلية الأولياء ج ۱ ص ۶۷ ، وط: ج ۱ ص ۱۰۸ تقريب البغية بترتيب أحاديث الحلية ج۳ ص ۹۹ ح ۳۲۹۵ ۔

(2) السنن الكبرىٰ للنسائي ج۷ ص ۴۲۰ ح ۸۳۶۲ وط: ج۵ ص ۱۱۵ ح ۸۴۱۶ ؛ سنن الترمذي ج۶ ص ۸۰ ح ۳۷۱۵ ؛ المصنف لابن أبي شيبة ج۱۷ ص ۱۰۴ ح ۳۲۷۴۴ ؛ مسند البزار ج ۳ ص ۱۱۸ ح ۹۰۵ ؛ فضائل الصحابة للإمام أحمد ج ۲ ص ۸۰۶ ح ۱۱۰۵ ؛ جزء فيه طرق حديث "من كذب علي متعمدًا" للإمام الطبراني ص ۷۵ ح ۱۳ ؛ شرح معاني الآثار ج ۴ ص ۳۵۹ ح ۷۳۱۸ ؛ المستدرک للحاكم ج ۲ ص ۱۳۸ ، وط: دار الميمان ج۳ ص ۲۷۲ ، ۲۷۳ ح ۲۶۴۷ ۔

الاثری نے کہا: ''إسناده جید'' اس کی سند عمدہ ہے۔[1]

علی کی کسی بھی لڑائی پر اعتراض خدا اور رسول ﷺ پر اعتراض ہے

اب آپ خود اندازہ لگالیجئے کہ سیدنا علی علیہ السلام کے جہاد کے دو دَور ہیں، ایک تو ظاہری حیاتِ نبوی ﷺ میں اور دوسرا بعد کے دَور میں۔ اِن دونوں میں سے کس جہاد پر حرف گیری کی گنجائش ہے؟ اگر پہلے والے جہاد پر اعتراض کیا جائے تو وہ تو خود معیتِ مصطفیٰ ﷺ میں ہی ہوا اور اگر بعد والے جہاد پر اعتراض کیا جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی پسند سے بلکہ اُن کے بھیجنے پر ہی ہوا، جیسا کہ حدیث شریف کے الفاظ ''وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ رَجُلًا'' سے ظاہر ہے۔ ساتھ ہی یہ ضمانت بھی دی گئی کہ اِس جہاد کرنے والے شخص کے قلب مبارک کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لیے آزمالیا ہے۔ اِنہی وجوہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تو سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے باری باری اُٹھ اُٹھ کر عرض کیا تھا: یارسول اللہ! کیا وہ سعادت مند انسان میں ہوں؟ ارشاد ہوا: نہیں وہ علی ہو گا۔

یہ سیدنا علی علیہ السلام ہی کا حصہ تھا کہ کبھی اُنہیں محبِّ خدا و مصطفیٰ اور محبوبِ خدا و مصطفیٰ ﷺ کی حتمی ضمانت کے ساتھ پرچمِ خیبر دیا گیا اور کبھی اُنہیں اُن کے قلب اقدس کی ایمان پر مضبوطی کی گارنٹی کے ساتھ تاویلِ قرآن کے مطابق جہاد کا اعزاز عطا کیا گیا۔ پس وہ پہلے یا بعد ہر جہاد میں مامور من اللہ والرسول ﷺ تھے۔ بعض علماءِ اہلِ سنت نے مذکورہ بالا احادیث کی تشریح میں اِس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

قَوْلُهُ ''مَنْ يُّقَاتِلُ عَلَى تَأْوِيلِ الْقُرْآنِ'' أَيْ يُّقَاتِلُ الْبُغَاةَ مُعْتَمِدًا فِيهِ عَلَى تَأْوِيلِ الْقُرْآنِ، وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي﴾ وَ

---

(1) كتاب الحلي بتخريج خصائص علي رضي الله عنه ص ۴۹۔

ذٰلِكَ لِأَنَّ مَعْرِفَةَ أَنَّ هٰؤُلَاءِ بُغَاةٌ يَسْتَحِقُّونَ الْقِتَالَ يَحْتَاجُ إِلَى التَّأَمُّلِ وَالْفَهْمِ . فَجُعِلَ قِتَالُ أُولٰئِكَ مَبْنِيًّا عَلَى التَّأْوِيلِ.

قَوْلُهُ:((عَلٰى تَنْزِيلِهِ))أَيْ قَاتَلَ الْمُشْرِكِيْنَ مُعْتَمِدًا عَلٰى تَنْزِيلِ اللّٰهِ تَعَالٰى قِتَالَهُمْ فِي الْقُرْآنِ بِقَوْلِهٖ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ أَيْ فِيكُمْ مَنْ يَّجْمَعُ بَيْنَ قِتَالِ الْبُغَاةِ وَالْمُشْرِكِيْنَ .وَجَاءَ أَنَّهُ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ.فِي الْحَدِيْثِ كَمَا سَيَجِيْءُ . فَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ مُعْجِزَةٌ لَهُ ﷺ فَقَدْ أَخْبَرَ قَبْلَ الْوُقُوعِ . فَوَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ.

”ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ”ایک شخص تاویلِ قرآن پر قتال کرے گا“ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ قرآن کی مراد پر یقین کرتے ہوئے باغیوں سے جنگ کرے گا، اوراس ارشادِ الٰہی پر عمل پیرا ہو گا﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ﴾(توتم باغیوں سے جنگ کرو) [الحجرات:۹] اور یہ اس لیے کہ اُن باغیوں کے لائقِ قتل ہونے کی معرفت قرآن میں غور وخوض اور فہم کی محتاج ہے،اِسی لیے اُن کے ساتھ قتال کو تاویل پر مبنی کیا گیا۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:''عَلٰى تَنْزِيلِهٖ''(تنزیلِ قرآن کے مطابق) یعنی مشرکین سے نزولِ قرآن کے مطابق جنگ کرنا جو کہ اس آیت میں بیان ہوا: ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (مشرکین سے جنگ کرو)[التوبة:٣٦]یعنی تمہارے درمیان ایک شخص ہے جو مشرکین اور باغیوں کو قتال میں جمع کرے گا،اور حدیث میں آیاہے کہ وہ سیدنا علی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ہیں جیسا کہ عنقریب حدیث آئے گی۔پس اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا کھلا معجزہ ہے

کہ آپ نے قبل از واقعہ اطلاع دی تو اُسی طرح واقع ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا"۔ (1)

لہٰذا سیدنا علی علیہ السلام کی اگلی پچھلی جنگوں پر اعتراض در حقیقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی اعتراض ہے اور اِس کا نتیجہ کیا ہے؟ یہ اربابِ شعور اور واقفانِ کتاب و سنت پر مخفی نہیں ہے، کم از کم اِس مشہور ترین آیت کی معرفت تو اکثر اہل اسلام کو حاصل ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا.

"سو قسم آپ کے رب کی وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں، پھر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں اور مکمل تسلیم کر لیں"۔ [النساء:٦٥]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز پہلے ناصبی تھے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قبل از گیارہ ہجری اور بعد از گیارہ ہجری کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تمام جنگیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق تھیں اور وہ ہر میدان میں اِس قدر حق پر تھے کہ جدھر وہ رُخ فرماتے حق اُدھر ہو جاتا تو پھر اُن کی کسی جنگ پر کسی کا اعتراض تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض ہے۔ سو ایسا کفریہ قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز جیسے عادل، عابد، زاہد اور مجددِ اوّل سے کیونکر ممکن ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز اور میمون بن مہران کے مذکورہ بالا

(1) حاشیۃ: مسند أحمد ج ٦ ص ٤٥٢، ٤٥١۔

مکالمہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر لا محالہ یہ مکالمہ اُن کے اُس زمانے کا ہو گا جب وہ ناصبی تھے۔ اُن پر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب وہ موروثی طور پر دوسرے بنو امیہ کی طرح سیدنا علی علیہ السلام کی برائی کرتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر بدر بن ناصر بن محمد العواد اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

وَ قَدْ وَقَعَ لِعُمَرَبْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ مَعَ أَحَدِ شُيُوخِهِ بِالْمَدِيْنَةِ مَوقِفٌ، أَعَادَهُ إِلٰى جَادَّةِ الصَّوَابِ بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ سَالِمًا مِنْ تَأْثِيرِ بَيْتِهِ الْأُمَوِيِّ الَّذِيْ كَثُرَ فِيهِ النَّصَبُ. ذٰلِكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْتَلِفُ إِلٰى عُبَيدِ اللّٰهِ بِنِ عَبْدِاللّٰهِ يَسْمَعُ مِنْهُ الْعِلْمَ. فَبَلَغَ عُبَيْدَ اللّٰهِ أَنَّ عُمَرَ يَتَنَقَّصُ عَلِيًّا. فَقَالَ لَهُ: مَتىٰ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ سَخِطَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ بَعْدَ أَنْ رَضِيَ عَنْهُمْ؟ فَعَرَفَ عُمَرُ مَاأَرَادَ وَقَالَ: مَعْذِرَةً إِلَى اللّٰهِ وَ إِلَيْكَ، لَا أَعُودُ. فَمَا سَمِعَ عُمَرُ بَعْدَهَا ذَاكِرًا عَلِيًّا إِلَّا بِخَيْرٍ.

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز کو اپنے بعض اساتذہ کے ساتھ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی بدولت وہ بھلائی کی طرف لوٹ آئے، بعد اِس کے کہ وہ اُموی گھرانے کی اُس تاثیر سے محفوظ نہیں تھے جس میں ناصبیت کی کثرت تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ وہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ کی خدمت میں سماعتِ علم (حدیث) کے لیے جایا کرتے تھے، حضرت عبید اللہ کو معلوم ہوا کہ عمر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی برائی کرتا ہے۔ اِس پر اُنہوں نے ایک مرتبہ پوچھا: اللہ تعالیٰ اہل بدر پر راضی ہونے کے بعد اُن پر ناراض کب ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شیخ کا مقصد سمجھ گئے تو عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ سے اور آپ سے معافی چاہتا ہوں، آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ پھر اِس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز نے جب بھی سیدنا علی

علیہ السلام کا ذکر کیا تو بھلائی کے ساتھ کیا"۔ (1)

سو جب اِس واقعہ کے بعد اُن کی زبان سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذکرِ خیر کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا گیا تو لازماً وہ بیہودہ مکالمہ جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن عبد العزیز اور میمون بن مہران کے درمیان ہوا تھا وہ اُس دور کا ہو گا جب وہ دوسرے بنو امیہ کی طرح ناصبی تھے اور سیدنا علی علیہ السلام کی برائی کرتے تھے۔

مُثبِتینِ تفضیل کی جرأت کا عالَم!

اندازہ فرمائیے کہ یہ اُن علماء کی حالت ہے جنہیں کچھ لوگوں نے امامِ مذہب و عقیدہ بنا رکھا ہے کہ وہ میمون بن مہران ایسے بدبخت کے قول کو مسئلۂ تفضیل میں پیش کر رہے ہیں جو کہ ناصبی تھا اور سیدنا علی علیہ السلام کی تنقیص کرتا تھا۔ پھر شہنشاہی کا عالم یہ ہے کہ جب تفضیل جیسے قطعی مسئلہ میں اُس کے قول پر اعتماد کر رہے تھے تو اِتنا تو غور کر لیا ہوتا کہ جو شخص اُس کا قول نقل کر رہا ہے یعنی فرات بن سائب وہ کیسا آدمی تھا؟ کیا تحقیق اِسی کو کہتے ہیں کہ اپنے مطلوب میں جیسا کیسا مواد سامنے آئے اُسے آنکھیں بند کر کے لے لیا جائے؟ ایسی بے احتیاطی کسی حاطب اللیل سے تو ممکن ہوتی ہے مگر کسی محقق اور امام سے ممکن نہیں ہوتی۔

قارئین کرام! خدارا غور تو فرمائیے کہ یہ ہمارے اجماع کے مدعی علماء کتنا بڑا ظلم کر رہے ہیں کہ میمون ایسے ناصبی کے قول کو فرات بن سائب ایسے کذاب و وضاع سے لے کر تفضیل کو ثابت کرنے چلے ہیں اور اُس کی قطعیت سے اختلاف کرنے والے کو رافضیت اور سنفضیہ وغیرہ کے

---

(1) النصب والنواصب ص ۲۱۳؛ المعرفة والتاريخ للفسوي ج ۱ ص ۵۶۸؛ تاريخ مدينة دمشق ج ۴۵ ص ۱۳۶؛ سير أعلام النبلاء ج ۵ ص ۱۱۷؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج ۷ ص ۱۸۸؛ البداية والنهاية سنة ۱۰۱، وهذه ترجمة عمر بن عبد العزيز ج ۹ ص ۱۹۳، وط: بتحقيق عبد المحسن التركي ج ۱۲ ص ۶۷۸، ۶۷۷۔

فتوے لگائے رہے ہیں؟

میمون کی گری ہوئی لاٹھی اُس کے چیلوں نے اُٹھا رکھی ہے

پھر مزید ظلم یہ کہ تفضیلِ مرتضوی کے قول کو سننے پر میمون بن مہران کی لاٹھی اُس کے ہاتھ سے گر گئی تھی مگر اُس کے پیروکاروں نے اُسے اُٹھا رکھا ہے تاکہ جو بھی تفضیل کی قطعیت سے اختلاف کرے اُسے لاٹھی سے سیدھا کر دیا جائے۔ ذرا درجِ ذیل کلمات کی گرمی تو ملاحظہ فرمائیے:

"اس عقیدے کا منکر رافضی، بد دین، مستحق عذابِ نار ہے"۔ (۱)

وہ خبیث سیدنا علی علیہ السلام کی شان پر حملے کرتا تھا اور ہمارے لوگ اُس کے ہاتھ کو "دست مبارک" کہتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ شخص جس کے بارے میں آیا ہے: "کَانَ یَحْمِلُ عَلٰی عَلِیٍّ" (سیدنا علی علیہ السلام کی تنقیص کرتا تھا) وہ کتنا ہی بڑا محدث اور حدیث کا راوی کیوں نہ ہو قابلِ تعظیم نہیں ہے۔ وہ بد بخت تو کھلم کھلا تنقیص کرتا تھا جبکہ احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کے دل میں سیدنا علی علیہ السلام کے متعلق معمولی سی خلش موجود ہو تو وہ ایمان دار نہیں ہو سکتا۔ اِسی لیے حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

جس کو ہو تیری آل سے ذرا خیالِ ضد
لئیم ہے، لعین ہے، ولد الحرام ہے
چاہے قبول کر، چاہے نہ کر قبول
شاہا! فرید ازل سے تیرا غلام ہے

---

(1) افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علمائے اہل سنت کا متفقہ فتویٰ، للمفتي منيب الرحمان ص ۲۔

صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا افضلیت پر اجماع سے نا آشنا ہونا

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میمون بن مہران ناصبی کا جھوٹا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اُس سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے یوں لکھا تھا:

"یہاں سے ظاہر کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں تفضیل شیخین پر اجماع تھا اور اس کے خلاف سے اُن کے کان محض نا آشنا"۔[1]

میں کہتا ہوں: صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے کان افضلیت کے خلاف سے نہیں بلکہ خود افضلیت پر اجماع سے نا آشنا تھے۔ چنانچہ میمون بن مہران ۴۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۶ھ میں مر گیا، اور جس سال یہ پیدا ہوا تھا اُسی سال سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے بابا کی شہادت کے بعد خطبۂ خلافت میں ارشاد فرمارہے تھے کہ اُن کے بابا کے مقام کو اولین پہنچ سکے اور نہ ہی آخرین پہنچ سکیں گے۔ یہ ارشاد آگے باحوالہ آرہا ہے۔ کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اجماعِ صحابہ سے آشنا ہونے کے باوجود اجماع کے منکر ہو گئے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ مسئلۂ افضلیت پر قبل یا بعد کبھی کوئی اجماع ہوا اور نہ ہی صحابہ و تابعین ایسے کسی اجماع سے آشنا تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور اعلیٰ حضرت نے رحمۃ اللہ علیہما نے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو ادھورا نقل کر کے جو اجماعِ صحابہ کا دعویٰ کیا وہ بھی محض دعویٰ ہی ہے، ورنہ امام بیہقی متوفّٰی ۴۵۸ھ سے قبل امام خطابی متوفّٰی ۳۸۸ھ سیدنا ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما کے مابین مفاضلہ کی بحث میں لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَلِلْمُتَأَخِّرِيْنَ فِيْ هٰذَا مَذَاهِبُ.

---

(1) مطلع القمرین ص ۶۳، وط: ۱۵۹۔

"میں کہتا ہوں: متأخرین کے اس میں کئی مذاہب ہیں"۔[1]

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع پر ایسے چودہ پندرہ دعوے کیے ہیں اور اُن سب کی حقیقت ایسی ہی ہے جیسی کہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمائی۔ آیئے !اس سلسلے میں ایک دل چسپ مفاضلہ سماعت فرمایئے۔

محمد بن جعفر اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا تفضیل پر مناظرہ

اِن دونوں کی ماں ایک ہے اور اُن کا نام اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہے۔ وہ پہلے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، اُن سے محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، پھر وہ اُن کی شہادت کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں تو اُن سے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اُن کا نکاح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ سیدنا محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ صحابی تھے، ان کے والدین ماجدین مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے تو یہ وہیں پیدا ہوئے تھے، اور سیدنا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے دنوں میں ہجرت کے دسویں سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے سفر میں پیدا ہوئے تھے۔ گویا یہ وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت تین چار ماہ کے شیر خوار بچے تھے۔ اِن دونوں کا افضلیت کے موضوع پر مناظرہ ہوا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بیٹوں محمد بن جعفر اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا، ایک صاحب فرماتے تھے: میں تم سے بہتر ہوں اور میرے والد تمہارے والد سے بہتر ہیں اور دوسرے صاحب فرماتے

---

(1) معالم السنن شرح سنن أبي داود ج ۴ ص ۳۰۳۔

تھے: میں تم سے بہتر ہوں اور میرے والد تمہارے والد سے بہتر ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ان کے درمیان فیصلہ کیجئے، انہوں نے فرمایا: میں نے جعفر رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی جوان نہیں دیکھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی بزرگ نہیں دیکھا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو آپ نے ہمارے لیے کیا بچایا؟"۔(1)

اگر یہ دونوں نوجوان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ثالث بناتے تو وہ محمد بن جعفر کو مناظرہ میں کامیاب قرار دیتے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو زمین پر چلنے والے تمام لوگوں سے افضل سمجھتے تھے، جیسا کہ عنقریب حدیث شریف آرہی ہے۔

علاوہ ازیں صحابہ و تابعین کرام رضی اللہ عنہم کے سینکڑوں نام ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے اور اجماع سے قطعاً نا آشنا تھے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا افضلیتِ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی اجماع ہوا ہوتا تو کیا اُس سے محمد بن جعفر، محمد بن ابی بکر اور اُن کے موجودہ ماں باپ سیدنا علی اور سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہم کا اُس اجماع سے بے خبر ہونا ممکن ہوتا؟ نیز اگر یہ دونوں نوجوان بے خبر تھے اور بوجہ بے خبری لب کشائی کر بیٹھے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اجماع کی اہمیت سے آگاہ ہونے کے باوجود خاموش رہتے اور اُنہیں ٹوکتے ہوئے یہ نہ فرماتے کہ بیٹا! جب ایک مسئلہ پر صدرِ اول سے اجماع ہو چکا ہے تو پھر اس پر مناظرہ بازی کیسی؟

بعد کے ادوار میں اجماع کا مشکل ہونا

(1) الإصابة ج۸ ص ۱۶؛ فضائل الصحابة ج ۲ ص ۱۱۴۲ ح ۱۷۲۰؛ الطبقات الکبری لابن سعد ج۸ ص ۲۹۲ و ط: ج ۱۰ ص ۲۷۰۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ کا کسی صحابی کی افضلیت پر ہرگز کوئی اجماع نہیں ہوا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دورِ صحابہ ﷺ کے بعد اس مسئلہ پر کوئی اجماع ہوا؟ جواباً عرض ہے کہ کسی بھی دور میں اِس مسئلہ پر کوئی اجماع نہیں ہوا۔ کیوں؟ اس لیے کہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ بعد کے ادوار میں کسی بھی مسئلہ پر دورِ صحابہ کی بنسبت اجماع ہونا اگرنا ممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ اس سلسلے میں امام احمد بن حنبل ﷺ کے حوالے سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اُنہوں نے فرمایا:

مَنْ إِدَّعَى الْإِجْمَاعَ فَهُوَ كَاذِبٌ.

”جس نے اجماع کا دعویٰ کیا تو وہ جھوٹا ہے“۔(1)

ہر چند کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی کئی تاویلیں کی گئیں لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ اُن کا قول ہی نہیں۔ تمام تاویلات اپنی جگہ لیکن سوال یہ ہے کہ امام احمد نے ایسا کہا کیوں؟ جواباً عرض ہے کہ اُنہوں نے یہ اس لیے فرمایا کہ صحابہ کرام ﷺ کے بعد دائرۂ اسلام بہت وسیع ہو گیا تھا اور اسلام عرب سے پھیلتا ہوا عجم، فارس، بلخ، بخارا، چین اور ہند وسندھ وغیرہ تک پہنچ چکا تھا، اور اجماع کے لیے ضروری ہے کہ جہاں جہاں تک اہلیتِ اجتہاد کے حامل علماء موجود ہوں اُن سب تک اُس مسئلہ کا پہنچنا اور پھر اُس پر اُن سب کی مثبت یا منفی رائے کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ تیز ترین مراسلات ومواصلات کے بغیر ایسا مشکل تھا۔ یہ کتنا مشکل تھا؟ اس کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی درجِ ذیل عبارت سے سمجھا جاسکتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کا قول نقل کیا کہ سلطانِ وقت چاہے تو اجماع آسان ہے، پھر اُن کے قول کو مسترد کرتے ہوئے لکھا:

---

(1) الفائق في أصول الفقه للأرموي الشافعي ج ٢ ص ٩٦؛ فصول البدائع للفناري حنفي ج ٢ ص ٢٨٧۔

قَوْلُهُ: السُّلْطَانُ الْعَظِيمُ يُمْكِنُهُ جَمْعُ عُلَمَاءِ الْعَالَمِ فِي مَوْضَعٍ وَّاحِدٍ . قُلْنَا: هٰذَا السُّلْطَانُ الْمُسْتَوْلِي عَلٰى جَمِيعِ مَعْمُورَةِ الْعَالَمِ مِمَّا لَمْ يُوجَدْ إِلَى الْآنِ. وَبِتَقْدِيرِ وُجُودِهِ : فَكَيْفَ يُمْكِنُ الْقَطْعُ بِأَنَّهُ لَمْ يَنْفَلِتْ مِنْهُ أَحَدٌ فِي أَقْصَى الشَّرْقِ أَوْ أَقْصَى الْغَرْبِ ؟ فَإِنَّ ذٰلِكَ الْمَلِكَ لَيْسَ بِعَلَّامِ الْغُيُوبِ. وَبِتَقْدِيرِهِ أَنْ لَّا يَنْفَلِتَ مِنْهُ أَحَدٌ . فَكَيْفَ يُمْكِنُ الْقَطْعُ بِأَنَّ الْكُلَّ أَفْتَوا بِذٰلِكَ الْحُكْمِ طَائِعِيْنَ رَاغِبِينَ غَيْرَ مُكْرِهِيْنَ وَ لَا مُجْبِرِيْنَ؟

وَالْإِنْصَافُ :أَنَّهُ لَا طَرِيقَ لَنَا إِلٰى مَعْرِفَةِ حُصُولِ الْإِجْمَاعِ إِلَّا فِي زَمَانِ الصَّحَابَةِ ، حَيْثُ كَانَ الْمُؤْمِنُونَ قَلِيلِيْنَ ، يُمْكِنُ مَعْرِفَتُهُمْ بِأَسْرِهِمْ عَلَى التَّفْصِيلِ.

”ان کا قول کہ سلطان معظم کے لیے ممکن ہے کہ وہ جہان بھر کے علماء کو ایک مقام پر جمع کر دے۔ ہم کہتے ہیں: ایسا سلطان جس کی روئے زمین کے آباد حصے پر مکمل حکومت ہو اَب تک تو نہیں پایا گیا۔ بالفرض ایسے سلطان کا وجود تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اُس سے شرق و غرب کے آخری کناروں تک میں بسنے والا کوئی عالم رہ نہیں جائے گا، آخر وہ بادشاہ علّام الغیوب تو نہیں ہو گا؟ اور بالفرض اگر اُس سے کوئی عالم دین ترک نہ بھی ہو تو پھر قطعی طور پر یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام علماء اُس مسئلہ میں بلا جبر و اکراہ اور برضا و رغبت فتویٰ دیں گے؟

انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس حصولِ معرفتِ اجماع کا کوئی

طریقہ نہیں، ماسوا زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے، کیونکہ وہ قلیل مومن تھے، اُن سب کی مکمل معرفت ممکن تھی"۔(1)

عصر حاضر میں اجماع کا آسان ہونا

اب تک کی تفصیل سے واضح ہوا کہ اجماع کے لیے روئے زمین کے ہر اُس مقام کے علماء کا اتفاق شرط ہے جہاں اہل اسلام آباد ہوں۔ کسی مسئلہ پر فقط کسی شہر یا ملک کے علماء کے اتفاق کو اجماع نہیں کہا جاتا۔ ہمارے ہاں تو اجماع کو اس قدر آسان سمجھ لیا گیا ہے کہ پاک و ہند کے کسی دار العلوم میں بیٹھ کر چند ملاں کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیں تو وہ یوں سمجھ لیتے ہیں جیسا کہ سارے جہاں کا اجماع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جس نے سمندر نہیں دیکھا اُس کے لیے کنواں ہی سمندر رہے۔ ہمارے دور میں تو ہمارے مفتیٔ اعظم پاکستان نے چار علماء ہند کے قول پر چھبیس مولویوں کے دستخط لے کر اجماعِ امت بنا دیا ہے اور پھر اُس اجماع کے منکر کو ضال، مضل، بد مذہب اور خارج از اہل سنت بھی کر دیا ہے۔ فیا للعجب!

حقیقت یہ ہے کہ کسی صحابی کی افضلیت پر دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اجماع ہوا اور نہ ہی بعد کے کسی دور میں ہوا۔ اگر کسی مکتبِ فکر کے عالم دین میں ہمت ہو تو وہ اگر مکمل گزشتہ چودہ صدیوں کے علماء کا نہیں تو فقط کسی ایک صدی کے علماءِ عرب و عجم کا اس مسئلہ پر اجماع ثابت کر کے دکھا دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر اتنا ہی ثابت کر دے کہ کسی سال حج کے موقع پر حرمین شریفین میں مختلف ممالک کے علماء جمع ہوئے اور اُنہوں نے اس مسئلہ پر مکمل اتفاق کر لیا۔

گزشتہ اَدوار میں مواصلات و مراسلات کی یہ سہولتیں ناپید تھیں، لہٰذا آیئے دورِ حاضر کی

---

(1) المحصول في علم أصول الفقه ج۴ص ۳۵، ۳۴؛ نفائس الأصول في شرح المحصول للقرافي ج ٦ ص ٢٥٤٩۔

جدید ترین سہولیات فون اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے پہلے کسی ایک ملک کے علماء کا اتفاق حاصل کیجئے، پھر سفر کیے بغیر ہی دوسرے ممالک کے علماء تک اُس اتفاق کی تفصیلات پہنچا کر اُن کی آراء گھر بیٹھے حاصل کیجئے اور اِس مسئلہ پر دنیا بھر کے علماء کی آراء کو ایک نقطے پر جمع فرما کر اہل اسلام کو اجماعِ امت کا تحفہ دیجئے۔ اگر اِس سہولتوں بھرے دور میں بھی اجماع کی رٹ لگانے والے لوگ دنیا بھر کے علماء کی آراء کو ایک نکتے پر جمع نہ کر سکیں تو پھر اُنہیں چاہیے کہ اجماع، اجماع کی رٹ لگانا ترک کر دیں اور کسی کو اجماعِ امت کا منکر تصور کر کے اُسے کافر و گمراہ قرار دینے کی گمراہانہ ناکام کوششوں سے باز آ جائیں!

عقیدہ اپنا اپنا اجماع اپنا اپنا

یاد رکھنا چاہیے کہ لفظِ عقیدہ بعد کی ایجاد ہے، اہل بیت کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کان اِس لفظ کے اُس اصطلاحی معنی سے آشنا نہیں تھے جو بعد میں مروّج ہوا۔ اُن کے ہاں لفظِ ایمان ہی معروف تھا جیسا کہ حدیث جبریل علیہ السلام سے واضح ہے۔ عقیدہ اور اس پر کتب سب بعد کی پیداوار ہیں۔ پھر جس طرح فقہی مذاہب میں ائمہ مشہور ہیں مثلاً امام زید بن علی، امام جعفر الصادق، امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس الشافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اسی طرح عقیدہ میں بھی ائمہ مشہور ہیں، جیسا کہ امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی اور امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری وغیرھما۔

کوئی فقہی مذہب کا امام ہو یا عقیدہ کا اُس کے پیروکار اپنے فقہی مذہب اور عقیدہ کو دوسرے کے مقابلہ میں اِس قدر پختہ اور غیر اختلافی قرار دیتے ہیں کہ اجماع سے پہلے تو اُن کا قلم ہی نہیں رُکتا۔ چنانچہ اِس عنوان کے تحت میں آپ کے سامنے عقیدہ کے متعلق فقط ایک مثال پیش کر رہا ہوں اور وہ بھی سب سے بنیادی مسئلہ میں۔

شافعیہ کا قول ہے کہ ایمان بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے جبکہ حنفیہ کا قول ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے۔ وجہِ اختلاف دونوں میں یہ ہے کہ شافعیہ اعمال کو ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں اِسی لیے وہ اعمال کی زیادتی اور کمی کو ایمان میں زیادتی اور کمی کا سبب قرار دیتے ہیں، جبکہ احناف ایمانیات اور اعمال کو الگ الگ مانتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو ماننا ہے تو اُسے مکمل ماننے کا نام ایمان ہے۔ اِس سلسلے میں دونوں کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں، جنہیں اِن کی کتبِ عقائد، تفاسیر اور شروحِ حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ہمارا مطلوب یہاں یہ دِکھلانا ہے کہ یہ دونوں اپنے اپنے موقف پر اجماعِ امت کے دعویدار ہیں۔ چنانچہ امام ابوالمعین نسفی حنفی ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ ایمان اور اعمال میں مغایرت پر دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَيُؤَيِّدُ هٰذَا أَنَّ مَنْ آمَنَ وَصَدَّقَ وَمَاتَ مِنْ سَاعَتِهٖ قَبْلَ تَوَجُّهِ أَدَاءِ شَرِيعَةٍ مِنَ الشَّرَائِعِ وَعِبَادَةٍ مِنَ الْعِبَادَاتِ عَلَيْهِ، وَقَبْلَ إِشْتِغَالِهٖ بِأَدَائِهَا، مَاتَ مُؤْمِنًا، وَلَوْ كَانَ كَمَا زَعَمُوا يَنْبَغِي أَنْ لَّا يَصِيرَ مُؤْمِنًا مَا لَمْ يَأْتِ بِالْأَعْمَالِ، وَذَا بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ.

”اِس کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور تصدیق کرے اور اُسی وقت وفات پا جائے، قبل اِس کے کہ شریعت کے کسی حکم اور عبادات میں سے کسی عبادت کی طرف اُس کی توجہ ہو اور وہ اُن کے بجالانے میں مشغول ہو تو وہ مومن مرے گا، اور اگر معاملہ اُس طرح ہوتا جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں تو جب تک وہ اعمال نہ بجالاتا تو مومن ہی نہ ہوتا اور یہ بات بالاجماع باطل ہے“۔[1]

(1) التمهيد لقواعد التوحيد ص ۱۴۸۔

اِس کے برعکس پر بھی دعوائے اجماع ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رجب حنبلی اپنااور شوافع کاعقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالْمَشْهُورُ عَنِ السَّلَفِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ أَنَّ الْإِيْمَانَ :قَوْلٌ وَعَمَلٌ وَ نِيَّةٌ . وَأَنَّ الْأَعْمَالَ كُلَّهَا دَاخِلَةٌ فِي مُسَمَّى الْإِيْمَانِ .وَحَكَى الشَّافِعِيُّ عَلَى ذٰلِكَ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ.

"اسلاف اور محدثین کرام سے مشہور ہے کہ ایمان قول، عمل اور نیت کو کہتے ہیں اور بلاشبہ اعمال سارے کے سارے ایمان کے نام میں داخل ہیں اور امام شافعی نے اِس پر صحابہ، تابعین اور بعد والوں کا اجماع ذکر کیا ہے"۔ (1)

عقیدہ کے اکثر مسائل میں ایسی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ باقیوں کو چھوڑ کر تنہاماتریدیہ کے کسی بات پر اتفاق کو اجماع امت کا نام دے دیا گیا ہے اور اسی طرح شافعیہ کے کسی بات پر اتفاق کو اجماعِ امت کہہ دیا گیا ہے۔ خود سوچئے کہ کیا شافعیہ وغیرہ کو چھوڑ کر تنہاماتریدیہ ہی پوری امت ہیں؟ یاماتریدیہ وغیرہ کو چھوڑ کر فقط شافعیہ ہی پوری امت ہیں؟

مذہب اپنا اپنا، اجماع اپنا اپنا

عقیدہ کے علاوہ یہی حال فقہی مذاہب میں بھی کار فرما ہے۔ مثلاً امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ الضَّبَّ حَلَالٌ لَيْسَ بِمَكْرُوهٍ إِلَّا مَا حُكِيَ عَنْ أَصْحَابِ حَنِيْفَةَ مِنْ كَرَاهَتِهٖ.

---

(1) جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلي ج ۱ ص ۱۰۷، دار السلام، القاهرة۔

"مسلمانوں کا اجماع ہے کہ گوہ حلال ہے مکروہ نہیں، ماسوا احناف کے کہ اُن سے اس کی کراہت منقول ہے"۔[1]

اندازہ فرمایئے! احناف شامل نہیں مگر پھر بھی شافعیہ نے اجماعِ اہلِ اسلام کا دعویٰ کر دیا۔

کتاب اپنی اپنی، اجماع اپنا اپنا

آپ نے تماشا دیکھ لیا کہ جس طرح عقیدہ اور فقہی مذہب میں ہر ایک اپنے اپنے اجماع کا دعویٰ کر رہا ہے اِسی طرح کسی کتاب کا مصنف بھی اپنی پسندیدہ بات پر جھٹ اجماع کا دعویٰ کر دیتا ہے۔ بعض لوگوں کو تو دعوائے اجماع اِس قدر محبوب ہوتا ہے کہ اُنہیں ایسی کتاب میں بھی فقط اجماع یا قطعیت ہی کے الفاظ نظر آتے ہیں جس میں کسی ایک مسئلہ کے متعلق متعدد اختلافی اقوال بھی کیوں نہ موجود ہوں، جیسا کہ ہم اِس سے قبل اشعری کی "مقالات المصلیین" ابو العباس قرطبی کی "المفہم" اور نووی کی "المنہاج" کے حوالہ سے بات کر چکے ہیں۔ سو جس طرح عقیدہ میں امام ابو المعین نسفی حنفی اور ابن رجب حنبلی کا یک طرفہ دعوائے اجماع پڑھ چکے ہیں اور فقہی مذہب میں نووی کا یکطرفہ دعوائے اجماع کا حال جان چکے ہیں، بعینہٖ یہی صورتِ حال تفضیل پر اجماع اور قطعیت کے دعویٰ کی ہے، خواہ ایسا دعویٰ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے۔ تفضیل پر مکمل اجماع کبھی ہوا، نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہو گا۔

مسائلِ اجتہادیہ اور ظنیہ کی مخالفت کا حکم

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسئلہ افضلیت ظنی اور اجتہادی ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں ہر شخص اپنے دلائل کی روشنی میں جس کو افضل کہے اور افضل سمجھے اُس پر کوئی فتویٰ اور حکم نہیں لگایا

---

(1) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للنووي ج ١٣ ص ١٤٣۔

جا سکتا۔ چنانچہ تردید روافض میں مشہور مؤلف امام باقلانی لکھتے ہیں:

وَجُمۡلَةُ مَا يَقۡوِى فِي هٰذَا الۡبَابِ: أَنَّ الۡكَلَامَ فِى التَّفۡضِيلِ مَسۡئَلَةُ اِجۡتِهَادٍ. لَا يَبۡلُغُ الۡخَطَأُ بِصَاحِبِهٖ فِيۡهَا مَنۡزِلَةَ الۡفِسۡقِ.

"اور وہ تمام دلائل جو اس سلسلے میں آئے، اُن میں قوی بات یہ ہے کہ تفضیل اجتہادی مسئلہ ہے اس میں خطا بندے کو فسق (گناہ) تک نہیں پہنچاتی"۔[1]

امام باقلانی نے ایک اور مقام پر بھی افضلیت کو اجتہادی مسئلہ قرار دینے کے بعد اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَإِنَّ الۡإِثۡمَ سَاقِطٌ عَنۡ كُلِّ مُفَضِّلٍ لِوَاحِدٍ مِّنۡهُمَا.

"دونوں [سیدنا ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما] میں سے کسی کو فضیلت دینے والا گنہگار نہیں ہوگا"۔[2]

امام باقلانی کے قول سے اختلاف

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خطا (غلطی) تو ہوگی مگر اُسے گناہ نہیں کہا جا سکتا۔ امام باقلانی کا یہ قول متشددین کی اصلاح کے لیے تو کسی حد تک مفید ہے مگر مکمل درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر کوئی شخص سہواً نہیں بلکہ عمداً دلائل کی روشنی میں دو صحابہ میں سے کسی ایک کی افضلیت کا قول کرے اور اُس میں دوسرے کی تنقیص و توہین نہ ہو تو وہ گناہ تو کیا خطا ہی نہیں ہے۔

کیا یہ بات قابل قبول ہو سکتی ہے کہ سیدنا عمار بن یاسر جنہیں سراپا ایمان کہا گیا اور شیطان سے محفوظ فرمایا گیا، سیدنا ابن مسعود جن کی پیروی کا حکم دیا گیا، سیدنا حذیفہ بن یمان جو صاحب

---

(1) مناقب الأئمة الأربعة ص ۲۹۵۔

(2) مناقب الأئمة الأربعة للباقلاني ص ۴۸۱۔

السرّ تھے اور تمام شر ور وفتن سے آگاہ تھے، سیدہ فاطمہ، سیدنا امام حسن، سیدنا امام حسین جن کو قرآن مجید کے ساتھ دوسرا ثقل فرمایا گیا اور اُن کے دامنِ ہدایت کو تھامنے میں حتمی ہدایت کی ضمانت دی گئی، مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس، اُن کے بابا سیدنا عباس بن عبد المطلب، جملہ بنو ہاشم اور دوسرے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضلیتِ مرتضوی کے قائلین ہونے کی وجہ سے فاسق و گناہ گار تو نہیں تھے مگر خطاوار ضرور تھے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تفضیلی ہونا

تفضیلی فقط وہ نہیں ہوتا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے صحابہ سے افضل سمجھے بلکہ ہر وہ شخص تفضیلی ہے جو کسی کو دوسرے سے افضل سمجھے، لیکن دوسرے کی تنقیص و توہین بھی نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے شخص کو نہ تو غلطی کا مرتکب سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی لائق ملامت۔ مثلاً عظیم ترین محدث صحابی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بلا استثنا سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا احْتَذَى النِّعَالَ وَلَا انْتَعَلَ وَلَا رَكِبَ الْمَطَايَا وَلَا رَكِبَ الْكُورَ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُ مِنْ جَعْفَرٍ.

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی جوتی پہننے والا، زمین پر چلنے والا، سواریوں کا سوار اور کجاوے میں بیٹھنے والا شخص رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں ہے"۔ (1)

---

(1) سنن الترمذي ج٦ ص ١١٢ ح ٣٧٦٤؛ فضائل الصحابة للنسائي ص ١٨ ح ٥٤؛ المستدرك [قديم] ج٣ ص ٤١ وص ٢٠٩، وط: دار الميمان ج٥ ص ٤٣٨ ح ٤٣٩٨ وج ٦ ص ٣١٩ ح ٤٩٩٨؛ صحيح سنن الترمذي للألباني ج٣ ص ٥٣٦ ح ٣٧٦٤۔

متکلفین ومتأولین حضرات اس حدیث کی جو چاہیں تاویل کریں لیکن سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دوٹوک انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو روئے زمین پر چلنے والے تمام لوگوں سے افضل کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

كَانَ أَبُوهُرَيْرَةَ يَقُولُ: إِنَّهُ أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وہ تمام لوگوں سے افضل تھے''۔(1)

بتلایئے! کیا اِس موقف کی وجہ سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فاسق، گنہگار، غلط فہمی کا شکار اور اجماعِ امت سے بیزار کہا جاسکتا ہے؟

کثیر الروایۃ صحابی مفتی اعظم پاکستان کے فتویٰ کی زد میں

خیال رہے کہ تفضیلِ صدیق کے تفضیلیوں کا فتویٰ فقط تفضیلِ مرتضوی کے قائلین پر نہیں کیونکہ مفتیٔ اعظم پاکستان جناب مفتی منیب الرحمان زاد اللہ عمرہ نے فقط اُس شخص پر فتویٰ نہیں لگایا جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سیدنا علی علیہ السلام کو افضل کہے بلکہ اُنہوں نے ہر اُس شخص پر فتویٰ لگایا ہے جو کسی بھی صحابی کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

''جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کو یا اہل بیت اطہار میں سے کسی کو خواہ جگر گوشۂ رسول فاطمہ بتول یا جنت کے نوجوان کے سردار حضراتِ حسنین کریمین کو ابوبکر صدیق یا عمر فاروق سے افضل مانے یا اس میں توقف کرے، وہ گمراہ، بدمذہب اور اہل سنت وجماعت سے خارج ہے، اس کے پیچھے

(1) الإصابة ج ۱ ص ۵۹۲۔

نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے"۔ (1)

اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا مفتی اعظم پاکستان کے فتویٰ کی زد میں

مفتیٔ اعظم پاکستان نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی انسان جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو بھی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے تو اُس پر بھی یہی فتویٰ اور حکم لگے گا۔ افسوس کہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایسے فتووں سے بے خبر ہونے کی وجہ سے مفتیٔ اعظم پاکستان کے فتویٰ کی زد سے نہ بچ سکیں۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کا موقف تھا کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام اپنے بابا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ باقی تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتی ہیں:

مَا رَأَیْتُ أَفْضَلَ مِنْ فَاطِمَةَ غَیْرَ أَبِیهَا.

"میں نے سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے افضل اُن کے بابا کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا"۔ (2)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: "اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں"۔ (3)

اکثر اسلاف مفتی کے فتویٰ کی زد میں

واضح رہے کہ بہت سے اکابر اہل سنت نے سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام خواتین و حضرات سے افضل مانا ہے اور بعض نے صراحتاً یہ بھی لکھا ہے کہ وہ خلفاء اربعہ سے بھی افضل ہیں۔ چنانچہ امام مالک، امام ابو بکر بن داود، امام سہیلی، سبکی کبیر، ابن الملقن، مقریزی،

---

(1) افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علمائے اہل سنت کا متفقہ فتویٰ ص ۲۔

(2) المعجم الأوسط ج ۳ ص ۱۳۷ ح ۲۷۲۱؛ مجمع البحرين للهيثمي ج ۳ ص ۲۱۴ ح ۳۸۰۲؛ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۱ وط: ج ۹ ص ۳۲۵ ح ۱۵۱۹۳؛ استجلاب ارتقاء الغرف ج ۱ ص ۲۵۱ حديث ۴؛ در السحابة للشوكاني ص ۲۷۷۔

(3) مجمع الزوئد ج ۹ ص ۲۰۱ ح ۱۵۱۹۳۔

خیضری، عسقلانی، سیوطی، قسطلانی، صالحی شامی، زرقانی، قاضی پانی پتی اور علامہ آلوسی وغیرہم کی عبارات کو تو ہماری کتاب "شرح خصائص علي عليه السلام" اور "مناقب الزهراء عليها السلام" میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ اگر کوئی انسان سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خواہ سیدہ کائنات علیہا السلام کو بھی افضل مانے تو "وہ گمراہ، بد مذہب اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ بشمول اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مذکورہ بالا تمام حضرات گمراہ، بد مذہب، اہل سنت و جماعت سے خارج تھے اور اُن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ تھی۔ نامعلوم یہ اور ان جیسے تمام لوگ نماز کا اعادہ کب اور کہاں کریں گے؟ جنت میں تو یہ سب لوگ جا نہیں پائیں گے کیونکہ ہمارے مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے صفحہ نمبر تین پر افضلیتِ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عقیدے کے منکر کو رافضی، بد دین اور مستحقِ عذابِ نار لکھا ہے، لہٰذا معاذ اللہ مذکورہ بالا تمام حضرات جہنم میں ہی نماز کا اعادہ کرتے رہیں گے۔

کسی صحابی کو افضل ماننے میں خرابی کیا ہے؟

یہ فقط ایک دو مثالیں ہیں، ورنہ اس سلسلے میں متعدد آثار و اقوال موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے علامہ ابن حزم کی کتاب "المفاضلة" اور "الفصل في الملل والنحل" اور شیخ سعید ممدوح یمنی کی "غاية التبجيل وترك القطع في التفضيل" کا مطالعہ فرمائیں پھر بتلائیں کہ کیا اس پر کسی صحابی کو اجماعِ امت کا منکر اور گمراہ کہا جا سکتا ہے؟ اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ سیدنا علی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہما سے بھی افضل ہوں تو کیا اس سے اُن کی آخرت تباہ ہو جائے گی یا اُن کے پیچھے نماز نہیں ہو گی؟ کچھ بھی نہیں بگڑے گا، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، اصولِ دین میں سے نہیں ہے، لہٰذا جو شخص اپنے پاس موجود دلائل کی روشنی میں سابقین اولین میں سے جس صحابی کو بھی افضل کہے اور افضل سمجھے تو اُس سے قطعاً کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔ ایسے

شخص پر ضال، مضل، رافضی اور بدعتی وغیرہ کے فتوے لگانا نہ صرف یہ کہ مذہبی تعصب کی دلیل ہے بلکہ اِس مسئلہ میں معلومات کے ناکافی ہونے کی دلیل بھی ہے۔اکابر اسلاف کرام میں جن کا مطالعہ وسیع تھا وہ ایسی فتویٰ بازی سے بالا تھے۔ چنانچہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ذَكَرَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرَ قَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلاً قَالَ: عُمَرُ أَفْضَلُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ مَا عَنَّفْتُهُ، وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ: عَلِيٌّ أَفْضَلُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ لَمْ أُعَنِّفْهُ إِذَا ذَكَرَ فَضْلَ الشَّيْخَيْنِ وَأَحَبَّهُمَا وَأَثْنٰى عَلَيْهِمَا بِمَا هُمَا أَهْلُهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِوَكِيْعٍ فَأَعْجَبَهُ وَاشْتَهَاهُ.

"امام عبد الرزاق الصنعانی رضی اللہ عنہ حضرت معمر (بن راشد) رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو میں اُس پر سختی نہیں کروں گا، اور اگر اسی طرح وہ کہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں تو میں اُس پر سختی نہیں کروں گا، بشرطیکہ وہ شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل کا معترف ہو اور ان کی شایانِ شان تعریف کرے۔ پھر میں نے یہ بات وکیع بن الجراح رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انہوں نے اس کو پسند کیا اور تحسین فرمائی"۔(1)

علامہ ابن حجر مکی ایسے شخص پر سرزنش اور سختی نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ مَلْحَظُ عَدَمِ تَعْنِيْفِ قَائِلِ ذٰلِكَ إِلَّا أَنَّ التَّفْضِيْلَ الْمَذْكُوْرَ ظَنِّيٌّ لَا قَطْعِيٌّ.

(1) الاستیعاب في معرفة الأصحاب ج۳ص ۲۳۹؛تاریخ دمشق ج۴۲ص ۵۳۰، ۵۳۱؛مختصر تاریخ دمشق ج۱۸ ص ۸۰۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فارسی میں اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

ملحظ ومبنی ایں عدم درشتی جزآں نیست که تفضیل مذکور ظنی است نه قطعی.

اردو زبان میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

"اس عدم ممانعت اور سختی نہ کرنے کی بنیاد واساس یہی ہے کہ مسئلۂ افضلیت ظنی ہے نہ کہ قطعی"۔ (۱)

معلوم ہوا کہ کسی کی افضلیت کا قول کرنا کوئی خطا نہیں، لہٰذا امام باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے جو خطا کا تاثر ملتا ہے وہ درست نہیں، تاہم اُن کا صحابہ کرام ﷺ میں سے کسی بھی صحابی کی افضلیت کے قائل کو گنہگار نہ سمجھنا عموماً تمام اہل سنت کی اور خصوصاً ہندوپاک کے متشدد ملاؤں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔

کیا قبر وحشر میں افضلیت کے متعلق سوال ہو گا؟

مسئلۂ تفضیل اُن مسائل میں سے بھی نہیں ہے جن کا تعلق باز پرس سے ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَمْ نَجِدْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْأَعْمَالِ.

"ہم نے اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا جس کا تعلق اعمال میں سے کسی چیز سے ہو"۔ (2)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی درجِ ذیل عبارت میں اس سے زیادہ وضاحت ہے، وہ لکھتے ہیں:

---

(1) الصواعق المحرقة ص ۵۸، وط: ص ۱۸۱؛ تكميل الإيمان للشيخ عبد الحق محدث دهلوي ص ۱۵۵؛ تكميل الإيمان مترجم، ترجمه از سيد غلام معين الدين نعيمي ۱۱۲۔

(2) شرح العقائد للتفتازاني ص ۱۵۰۔

وَقَدْ أَجْمَعَ عُلَمَاءُ الْمُسْلِمِينَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ لَا يَسْأَلُ عِبَادَهُ يَوْمَ الْحِسَابِ: مَنْ أَفْضَلُ عِبَادِي؟ وَلَا هَلْ فُلَانٌ أَفْضَلُ مِنْ فُلَانٍ. وَلَا ذٰلِكَ مِمَّا يُسْأَلُ عَنْهُ أَحَدٌ فِي الْقَبْرِ.

"مسلمان علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے یہ نہیں پوچھے گا کہ میرے بندوں میں سے افضل کون ہے، اور نہ یہ کہ فلاں فلاں سے افضل ہے؟ اور نہ ہی اس کے متعلق کسی شخص سے قبر میں سوال کیا جائے گا"۔(1)

اِن کے برعکس فاضلِ بریلی کی شدت ملاحظہ فرمایئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسی طرح یہ مغالطہ کہ مسئلہ تفضیل ضروریاتِ دین سے نہیں محض جہالت، اہل تحقیق کے نزدیک تو حقیت خلافتِ خلفاء اربعہ بھی ضروریاتِ دین سے نہیں، پھر کیا اس سے انکار کرنے والا آفتِ گمراہی سے اپنے کو بچا کر کہیں لے جائے گا؟"۔(2)

جب اعلیٰ حضرت خلافتِ خلفاء اربعہ کی حقیت کو ضروریاتِ دین سے نہ سمجھنے کو محققین کا مذہب فرمارہے ہیں تو پھر مسئلہ تفضیل کو ضروریاتِ دین سے نہ سمجھنے کو اُن کا محض جہالت قرار دینا کیسا؟ حالانکہ علماءِ اہل سنت کے نزدیک خلفاء اربعہ کی خلافت پر اجماعِ قطعی ہے اور تفضیل پر کسی قسم کا کوئی بھی اجماع نہیں ہوا۔ تفضیل کے انکار سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی لیکن خلافت کی حقیت کے انکار سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں، جن کی تفصیل یہاں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اگر "عَلَيْكُمْ

---

(1) الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۳۹، رقم الفقرۃ: ۲۰۱۸۷۔

(2) مطلع القمرین ص ۱۸۶، وط: ص ۷۷۔

بِسُنَّتِيۡ وَسُنَّةِ الۡخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيۡنَ'' میں ہی غور کیا جائے تو بہت کچھ سمجھ آ سکتا ہے، اور اگر فقط تراویح کی جماعت کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اہتمام میں غور کیا جائے تو اس میں دوسرے فوائد کے ساتھ ساتھ حفاظت وحفظِ قرآن کی بڑی حکمت نظر آتی ہے۔ اگر تراویح کی جماعت میں پورے قرآن مجید کے سنانے کا اہتمام نہ کیا جاتا تو لوگ حفظِ قرآن میں اُتنا دلچسپی نہ لیتے جتنا اب لیتے ہیں۔ بہر حال خلافت کی حقیت اور تفضیل دونوں کو برابر سمجھنا اور تفضیل کو ضروریاتِ دین میں سے سمجھنا اور ضروری نہ سمجھنے کو محض جہالت قرار دینا ذاتی اختراع، شریعت گری، تحکم، نری زیادتی اور دھکا بازی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اللہ جل جلالہ کا دین اور ملاں کا دین

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمان لکھتے ہیں:

''اے عزیز! جیسے تمام ایمانیات پر یقین لانے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور ایک کا انکار کافر و مرتد کر دیتا ہے، اسی طرح سنی وہ جو تمام عقائد اہل سنت میں ان کے موافق ہو، اگر ایک میں بھی خلاف کرتا ہے ہر گز سنی نہیں، بدعتی ہے، اسی لیے علمائے دین تفضیلیہ کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے اور انہیں اہل بدعت کی شاخ جانتے ہیں''۔ (مَطۡلَعُ الۡقَمَرَیۡن فِيۡ اِبَانَةِ سَبَقَةِ الۡعُمَرَیۡن، ص ۱۲۹)[1]

بچپن میں ہم نماز کی کتاب میں ایمان مفصل پڑھا کرتے تھے، اُسی ایمان کا کچھ مختصر ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۸۵ میں آیا ہے اور کچھ تفصیل سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۳۶ میں آئی ہے۔ اسی

(1) افضلیت صدیق اکبر، علمائے اہل سنت کا متفقہ فتویٰ، للمفتي منیب ص ۴۔

طرح حدیثِ جبریل علیہ السلام میں بھی تفصیل آئی ہے لیکن نماز کی کتاب والا ایمان مفصل ہو، یا مذکورہ دو آیات کی ایمانیات کی تفصیل ہو یا حدیث جبریل علیہ السلام کی تفصیل ہو، کہیں بھی افضلیت و تفضیل کے مسئلہ کا ذکر نہیں آیا۔ اِس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اور جبریل علیہ السلام کے نزدیک تو ایمانیات واعتقادیات سے نہیں ہے مگر ہمارے جابر ومتشدد ملاؤں کے نزدیک ایمانیات کے قریب ہے۔ گویا اِن حضرات کا خود ساختہ ہندی اجماعِ امت اتنا اہم ہے کہ اگر اس کے خلاف کوئی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آجائے تو اُس کی بھی تاویل ضروری ہے اور اگر تاویل نہ ہو سکے تو پھر اُس صحیح حدیث کو ہی رد کر دیا جائے۔ چنانچہ مفتیٔ اعظم پاکستان لکھتے ہیں:

"بلکہ انصافاً تفضیل شیخین کے خلاف کوئی حدیثِ صحیح بھی آجائے تو قطعاً واجب التأویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تأویل نہ ہو، واجب الرد کہ تفضیل شیخین متواتر واجماعی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج۵ ص۵۸۱)"۔[1]

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّابِاللّٰهِ۔ اِس قدر شریعت پر جرأت اور اتنا انتہا پسندی اور مذہبی تعصّب کہ ضعیف حدیث کو ہی رد کرنے کا نہیں کہا بلکہ خاکم بدہن یہاں تک لکھ دیا کہ صحیح حدیث بھی ہو تو اُسے بھی رد کر دیا جائے۔ ایمان وانصاف سے بتائیے! یہاں کیا کیا جا سکتا ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اور تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ماسوا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اِس سلام کے ؎

زِ من بر صوفی و ملّا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند مارا

(1) افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علمائے اہل سنت کا متفقہ فتویٰ للمفتي منیب، ص ۵۔

ولے تاویل شاں درحیرت انداخت

خدا و جبریل و مصطفیٰ را

"میری طرف سے صوفی وملّا پر سلام، کیونکہ وہ ہمیں خدا کا پیغام سناتا ہے، لیکن اُس کی تاویل نے حیرت میں ڈال دیا ہے خدا کو، جبریل علیہ السلام کو اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو"۔[1]

کیا تفضیلِ صدیقی اعتقادی مسئلہ ہے؟

کیا اہل سنت کے نزدیک کسی کی دوسرے پر تفضیل یا افضلیت کا تعلق عقیدہ سے ہے؟ جی ہاں کسی کی دوسرے پر تفضیل یا افضلیت کے لیے جو قطعی دلائل درکار ہوتے ہیں وہ اگر مکمل ہوں تو پھر اُس شخص کو دوسروں سے افضل ماننا قطعی ہوگا اور اُس کا شمار عقائد میں ہوگا اور پھر اُس کے انکار کو گمراہی وغیرہ جو کچھ لکھا اور کہا جائے سب جائز ہوگا، لیکن دورِ صحابہ سے لے کر تاحال کسی کی تفضیل کی قطعیت ثابت ہو سکی اور نہ ہی یہ عقیدہ کا مسئلہ بن سکا ہے، البتہ فتاوی رضویہ کے بعض مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بابِ عقائد سے ہے۔ چنانچہ مفتی منیب صاحب نے اُس مقام کو یوں نقل کیا ہے:

> "بلکہ انصافاً تفضیل شیخین کے خلاف کوئی حدیثِ صحیح بھی آجائے تو قطعاً واجب التأویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تأویل نہ ہو، واجب الرد کہ تفضیل شیخین متواتر واجماعی ہے اور متواتر واجماعی کے مقابل آحاد ہرگز نہ سنے جائیں گے۔۔۔ مزید لکھتے ہیں: "بالجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز بابِ فضائل سے نہیں جس میں ضعاف سن سکیں بلکہ مواقف وشرح مواقف میں تو تصریح ہے کہ بابِ عقائد سے ہے اور اس میں آحادِ صحاح بھی نامسموع۔ (فتاویٰ رضویہ، ج

---

(1) ارمغانِ حجاز ص ۷۴؛ کلیات اقبال فارسی ص ۹۵۶۔

۵،ص:۵۸۱)"۔[1]

صاحبِ مواقف اور شارحِ مواقف کا ملا جلا بیان

فتاوی رضویہ میں سطورِ بالا کے بعد بطورِ دلیل صاحبِ مواقف اور شارح مواقف کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:

"حيث قالا: ليست هذه المسألة يتعلق بها عمل، فيكفي فيها بالظن الذي هو كاف في الأحكام العملية، بل هي مسألة علمية يطلب فيها اليقين. (اُن دونوں نے کہا کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اِس میں دلیل ظنی کافی ہو جائے جو احکام میں کافی ہوتی ہے بلکہ یہ معاملہ تو عقائد میں سے ہے اِس کے لیے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے"۔[2]

اِن دونوں مصنفین کی عبارت کو مع سیاق وسباق مکمل پڑھا جائے تو وہ ایسی ہے جس سے ہر شخص اپنا مطلب نکال سکتا ہے۔ اُصولی طور پر انہوں نے کسی کی بھی تفضیل کی قطعیت کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اِس میں قطعی نقلی دلائل مفقود ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ہم نے اسلاف کو اسی پر پایا ہے، لہٰذا اُن کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر اُنہوں نے اس کے دلائل پائے ہوں گے تو اس پر اتفاق کیا ہو گا، پس ہم پر واجب ہے کہ ہم اِس مسئلہ میں اُن کی اتباع کریں، لیکن شارحِ مواقف نے کہا ہے کہ اسلاف کرام کا اجماع بالترتیب خلافت پر تو تھا لیکن بالترتیب افضلیت پر نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَثُبُوتُ الْإِمَامَةِ وَإِنْ كَانَ قَطْعِيًّا لَا يُفِيْدُ الْقَطْعَ بِالْأَفْضَلِيَّةِ بَلْ

---

(1) افضلیت صدیق اکبر ﷛، علمائے اہل سنت کا متفقہ فتوی للمفتي منیب، ص ۵۔

(2) فتاوی رضویة ج ۵ ص ۵۸۲، ۵۸۱ مطبوعة رضا فاؤنڈیشن، لاہور۔

غَایَتُہ الظَّنُّ.

"ثبوتِ خلافت اگرچہ قطعی ہے لیکن وہ افضلیت کی قطعیت میں مفید نہیں ہے بلکہ وہ ظن ہی کی غایت ہے"۔[1]

آیئے اب قاضی عضدالدین ایجیؒ[ت:۷۵۶ھ] کی عبارت کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس میں وہ مطلقاً کسی کی بھی تفضیل کی نفی کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلے اُنہوں نے وہ احادیث نبویہ اور آثارِ صحابہ وغیرہ نقل کیے ہیں جو سیدنا علی علیہ السلام کی تفضیل میں پیش کیے جاتے ہیں پھر اُن کے جواب میں لکھا ہے:

وَالْجَوَابُ عَنِ الْکُلِّ: أَنَّہٗ یَدُلُّ عَلَی الْفَضِیلَۃِ، وَأَمَّا الْأَفْضَلِیَّۃُ فَلَا. کَیْفَ وَمَرْجِعُھَا إِلٰی کَثْرَۃِ الثَّوَابِ. وَذٰلِکَ یَعُوْدُ إِلَی الْاِکْتِسَابِ وَالْإِخْلَاصِ. وَمَا یَعُوْدُ إِلٰی نُصْرَۃِ الْإِسْلَامِ وَمَآثِرِھِمْ فِي تَقْوِیَّۃِ الدِّیْنِ.

وَاعْلَمْ أَنَّ الْمَسْأَلَۃَ الْأَفْضَلِیَّۃَ لَا مَطْمَعَ فِیْھَا فِي الْجَزْمِ وَالْیَقِیْنِ. وَلَیْسَتْ مَسْأَلَۃٌ یَتَعَلَّقُ بِھَا عَمَلٌ فَیَکْتَفِي فِیْھَا بِالظَّنِّ. وَالنُّصُوصُ الْمَذْکُورَۃُ مِنَ الطَّرَفَیْنِ۔ بَعْدَ تَعَارُضِھَا۔ لَا تُفِیْدُ الْقَطْعَ عَلٰی مَا لَا یَخْفٰی عَلٰی مُنْصِفٍ.

"اور اِن سب کے متعلق جواب یہ ہے کہ یہ تمام احادیث وآثار فضیلت پر دلالت کرتے ہیں تفضیل پر نہیں۔ بھلا تفضیل کی دلیل کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ

(1) شرح المواقف للسید شریف الجرجانی ج۸ ص ۴۰۵، ۴۰۴۔

تفضیل کثرتِ ثواب کی طرف پلٹتی ہے اور کثرتِ ثواب کا تعلق عمل واخلاص سے ہے نہ کہ نصرتِ اسلام اور تقویتِ دین کے آثار سے۔

جان لیجئے کہ مسئلہ تفضیل میں قطعیت اور یقین کی کوئی گنجائش نہیں اور اِس مسئلہ کا تعلق عمل سے نہیں کہ اِس میں ظن بھی کافی ہو، جبکہ طرفین سے نصوصِ مذکورہ تعارض کے باوجود قطعیت کا فائدہ نہیں دیتے جیسا کہ انصاف پسند شخص پر مخفی نہیں ہے"۔[1]

اِس حصے میں اُنہوں نے طرفین (تفضیلِ صدیقی اور تفضیلِ مرتضوی کے مدعیان) کے دلائل کو متعارض بھی کہا ہے اور قطعیت ویقین میں غیر مفید بھی اور پھر اِس کو انصاف پر مبنی بھی سمجھا ہے۔

اب جب بنظرِ انصاف مان لیا کہ قطعی اور مفیدِ یقین دلائل کا دونوں طرف فقدان ہے تو پھر اگلی بات یوں شروع کی:

لٰكِنَّا وَجَدْنَا السَّلَفَ قَالُوا بِأَنَّ الْأَفْضَلَ أَبُوبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ .وَحُسْنُ ظَنِّنَا بِهِمْ يَقْضِي بِأَنَّهُمْ لَوْ لَمْ يَعْرِفُوا ذٰلِكَ لَمَا أَطْبَقُوا عَلَيْهِ . فَوَجَبَ عَلَيْنَا اِتِّبَاعُهُمْ فِي ذٰلِكَ .وَتَفْوِيْضُ مَاهُوَ الْحَقُّ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ.

"لیکن ہم نے اپنے اسلاف کو پایا ہے کہ اُنہوں نے کہا: ابو بکر افضل ہیں، پھر عمر ہیں، پھر عثمان ہیں اور پھر علی ہیں، اور اُن کے ساتھ ہمارا حُسنِ ظن تقاضا کرتا ہے کہ اُنہیں اِس مسئلہ میں کوئی معرفت نہ ہوتی تو وہ اس پر متفق نہ ہوتے۔

---

(1) المواقف، للعضدالدین عبدالرحمان بن أحمدالایجي ص ۴۱۲۔

پس اِس مسئلہ میں ہم پر اُن کی اتباع واجب ہے اور اِس میں جو حق ہے وہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں"۔[1]

اُن کے کلام کے اِس حصے میں جو لچک ہے وہ پہلے پیراگراف کے پیشِ نظر ہے۔ ذرا درج ذیل باتوں میں غور فرمائیے:

۱۔ اُن کے ساتھ ہمارا حُسنِ ظن تقاضا کرتا ہے

۲۔ اُنہیں اِس مسئلہ میں کوئی معرفت نہ ہوتی تو وہ اس پر متفق نہ ہوتے

۳۔ اِس میں جو حق ہے وہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔

ایک طرف اتنا لچک اور دوسری طرف یہ کہنے " فَوَجَبَ عَلَيْنَا اِتِّبَاعُهُمْ فِي ذٰلِكَ " (پس اِس مسئلہ میں ہم پر اُن کی اتباع واجب ہے) کا کیا مطلب ہے؟ واجب تو قطعی چیز ہوتی ہے جب قطعیت مفقود تو وجوب کیسا؟ وجوب میں حسنِ ظن کے تقاضے کی باتیں نہیں ہوا کرتیں بلکہ واجب کے منکر پر حکم لگایا جاتا ہے۔ فی الجملہ یہ کہ مسئلہ افضلیت و تفضیل قطعیت سے محروم ہے، لہٰذا افضلیتِ صدیقی ہو یا افضلیتِ مرتضوی کسی کے انکار پر کوئی حکم لگانا اور اس کو عقیدہ کا مسئلہ بنانا ایجادِ بندہ کے سوا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

اِس مسئلہ میں صحیح بات وہ ہے جو میر سید جرجانی اور دوسرے علماء نے بیان فرمائی کہ خلافت کی ترتیب کی حقانیت قطعی ہے لیکن اُس کی قطعیت افضلیت کی قطعیت کو مفید نہیں۔

بنظرِ انصاف

علامہ ایجی نے تسلیم کیا کہ مسئلہ تفضیل میں جانبین کے دلائل میں تعارض بھی ہے اور وہ دلائل قطعیت کے لیے بھی ناکافی ہیں۔ میر شریف جرجانی نے فرمایا کہ خلافت کی قطعیت تفضیل

---

(1) المواقف، للعضد الدين عبدالرحمان بن أحمد الايجي ص ۴۱۲۔

کی قطعیت کا فائدہ نہیں دیتی۔اب آپ بنظرِ انصاف فیصلہ فرمایئے کہ جو شخص تمام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کی حقانیت کا قائل ہو لیکن کسی کی افضلیت کی قطعیت کا قائل نہ ہو تو کیا اُس پر کوئی حکم لگایا جاسکتا ہے؟جب ایک چیز قطعی ہے ہی نہیں تو پھر اُس کی قطعیت کے منکر پر برسنے کا کیا معنٰی؟ ذرا غور فرمایئے کہ مفتی منیب صاحب اِس مسئلہ میں محض عوام کو مشتعل کرنے کی خاطر کس طرح برس رہے ہیں:

> "افضلیتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر اہل سنت و جماعت کا اجماع و اتفاق ہے، جسے تسلیم کیے بغیر کوئی شخص ہر گز ہر گز اہل سنت و جماعت سے نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ اپنے آپ کو سنی کہتا پھرے،اس کے کہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔اس عقیدے کا منکر رافضی، بد دین، مستحق عذابِ نار ہے"۔[1]

حد ہو گئی،اِن لوگوں کے نزدیک دونوں مجرم ہیں۔وہ شخص بھی مجرم ہے جو سرے سے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی حقانیت کا منکر ہے اور اُنہیں غاصب سمجھتا ہے اور وہ بھی مجرم ہے جو افضلیتِ صدیقی کی قطعیت کو تسلیم نہیں کرتا۔واہ رے انصاف!

مدعیانِ اجماع کی فضائل مرتضوی کے سامنے بے بسی

خوب ذہن میں رکھیے گا کہ خلافت کے لیے افضل کا ضروری ہونا اہل سنت کا نہیں شیعہ کا مذہب ہے، جیسا کہ آگے "اہل سنت کا شیعی مذہب؟" کے عنوان سے اس پر تفصیلی گفتگو آئے گی۔سو چونکہ شیعہ کے نزدیک خلیفہ کا سب سے افضل ہونا شرط ہے،اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے ہیں،اس لیے اُن کے نزدیک سیدنا علی اور اُن کی اولاد رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی کی

---

(1) افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علماء اہل سنت کا متفقہ فتویٰ للمفتي منيب ص ۳۔

خلافت جائز نہیں۔ پھر چونکہ دلائل منقولہ وماثورہ کے لحاظ سے افضلیتِ مرتضوی کا مقدمہ زیادہ مضبوط ہے، اس لیے سنیت کا دم بھرنے والے لوگوں نے شیعہ کے مقدمہ کو کمزور کرنے کے لیے خود پر چند باتیں لازم کر لیں:

۱۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہر حال میں افضل ثابت کرنا

۲۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد شدہ ہر حدیث کی تاویل کر کے اُس کی اہمیت کو گھٹانا

۳۔ افضلیتِ صدیقی کے خلاف اگر کسی صحیح حدیث کی کوئی تاویل نہ ہو سکے تو سرے سے خود اُس صحیح حدیث کو ہی رد کر دینا۔

اِس دوڑ میں جب کچھ سنیوں نے بھانپ لیا کہ دلائل ماثورہ کے لحاظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل زیادہ ہیں تو اُنہوں نے اپنا داؤ بدل لیا اور وہ کہنا شروع کر دیا جو درجِ ذیل فتویٰ میں مذکور ہے:

کثرتِ ثواب کا چکر

مفتی منیب الرحمان صاحب لکھتے ہیں:

> ''افضلیت مطلقہ کا معنی یہ ہے کہ کثرت ثواب اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں سب سے بڑھ کے انبیاء و رُسلِ بشر اور مرسلین ملائکہ کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں''۔(۱)

یہ مفتی صاحب کو کہاں سے معلوم ہو گیا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ثواب سب سے زیادہ ہے، جبکہ مفتی صاحب سے قبل جن لوگوں نے کثرتِ ثواب کا چکر چلایا ہے وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ کثرتِ ثواب وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اُن چکر چلانے والوں میں سے بعض کی عبارت کا ترجمہ یوں نقل کیا گیا ہے:

---

(1) افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علماء اہل سنت کا متفقہ فتویٰ للمفتي منیب ص ۲۔

"محققین نے وضاحت کی ہے کہ جس فضیلت پر یہاں بحث ہو رہی ہے اس سے مراد کثرتِ ثواب ہے یعنی اچھے اعمال کی جزا۔ یہاں نسبی شرف کی بات نہیں ہو رہی ورنہ نبی کریم ﷺ کے شہزادے بھی دوسرے انبیاء سے بڑھ جائیں گے۔ یہاں ظاہری عبادت کی کثرت کی بات بھی نہیں ہو رہی اس لیے کہ ثواب عبادتوں کی مقدار کے مطابق نہیں ملا کرتا۔ آج ہم اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں تو صحابہ کے ایک سیر جو کے برابر بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ بھلائی کا دارومدار اخلاص، اللہ کی محبت اور دائمی حضوری پر ہے۔ ان چیزوں کا تعلق اعمال کی ظاہری مقدار سے نہیں بلکہ باطنی اور روحانی مقام سے ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق کے بارے میں یہ فرمان موجود ہے کہ ابو بکر تم لوگوں سے نماز روزے کی کثرت کی وجہ سے آگے نہیں نکلا بلکہ اس چیز کی وجہ سے آگے نکلا ہے جو اس کے دل میں سجا دی گئی ہے۔ بڑی واضح سی بات ہے کہ کثرتِ ثواب کے بارے میں نبی کریم کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔ اور اس میں عقل اور ظاہری مناقب کا کوئی دخل نہیں۔ یہ باتیں اچھی طرح سمجھ لو، ان سے شیعہ کے بے شمار شبہات حل ہو جائیں گے۔ (نبراس صفحہ ۲۹۹)"۔(۱)

اس سلسلے میں چند سوال ہیں:

۱۔ کیا کثرتِ ثواب کا چکر چلانے والے کسی لکھاری کی طرف وحی بھی آتی ہے؟

---

(1) ضربِ حیدری، بار پنجم ص ۱۷۱۔

۲۔ یہ کون سے علماء ہیں جو وجہِ افضلیت کو کثرتِ ثواب میں معین کر کے فضائل میں وارد شدہ تمام احادیث کو متروک و مہجور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں؟

۳۔ کیا احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کے مقابلہ میں کسی بھی امتی کو (خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو) افضلیت کے ذاتی پیمانے بنانے کا اختیار ہے؟

۴۔ کتبِ حدیث اور سیر و تاریخ میں یہ کہاں مذکور و منقول ہے کہ صحابہ کرام ﷺ نے خلفاء ثلاثہ ﷺ کے ثواب کی کثرت پر مطلع ہو کر اُنہیں افضل جانا اور فقط بایں وجہ اُنہیں بالترتیب خلافت کے لیے منتخب کرتے چلے گئے؟

۵۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ اِس قول کہ "افضلیت کا دار و مدار کثرتِ ثواب پر ہے" کی کتاب و سنت سے دلیل کیا ہے؟

۶۔ اگر فضائل و مناقبِ منقولہ افضلیت کی دلیل نہیں ہیں تو پھر کتب حدیث میں فضائل و مناقب پر ابواب کیوں قائم کیے گئے بلکہ فضائل الصحابہ کے نام سے مستقل تصانیف کیوں لکھی گئیں؟

نوٹ

خیال رہے کہ کثرتِ ثواب کی بات بڑے بڑے حضرات نے لکھی ہے، لہٰذا ہمارا اُن کے قول کو "چکر چلانے" سے تعبیر کرنا انتہائی سخت ہے لیکن اگر اُن کا یہ قول کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو تو پھر سخت نہیں بلکہ اِس کو چکر چلانے کے ساتھ ساتھ ہیرا پھیری سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر اُن کے قول کی کتاب و سنت سے تائید نہ ہو سکے تو پھر "چکر چلانے" کے الفاظ تو کیا اُن کے قول کو شریعت سے متصادم بھی کہا جائے تو تب بھی نرم ہے۔

بعض شارحین کی غلط فہمی

پرہاروی صاحب کا یہ لکھنا سراسر غلط ہے کہ صحابہ کرام ﷺ نے خلیفہ کے چناؤ میں کثرتِ ثواب اور کسی کے قلبی اخلاص کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔ اِس سلسلے میں اُنہوں نے جو یہ قول نقل کیا ہے:

"ابو بکر تم لوگوں سے نماز روزے کی کثرت کی وجہ سے آگے نہیں نکلا بلکہ اس چیز کی وجہ سے آگے نکلا ہے جو اس کے دل میں سجادی گئی ہے"۔

یہ کوئی حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ کسی شخص کا قول ہے، جیسا کہ آئندہ صفحات میں اِس پر مدلل گفتگو آرہی ہے۔

بعض اکابر کی من مانیاں اور انصاف کا خون

چند سال قبل میرے خلاف جو فتویٰ پھیلایا گیا تھا اُس میں بھی کثرتِ ثواب کا چکر چلا گیا تھا اور اُس میں حضرت شیخ احمد سرہندی کا کچھ کلام پیش کیا گیا تھا۔ یہاں ہم خود اُن کے مکتوبات سے مع سیاق وسباق اُن کا کلام نقل کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"وآنچہ مولانا سعد الدین در شرح عقائد نسفی درین افضلیت دانستہ است از انصاف دور است، وتردیدی کہ نمودہ است بے ماحصل است، چہ مقرر علماء است کہ افضلیت بہ اعتبار کثرت ثواب نزد خدای جل وعلا این جا مراد است نہ افضلیت کہ بہ معنی کثرت ظہور فضائل ومناقب بود کہ نزد عقلاء اعتبار دارد۔ زیرا کہ سلف از صحابہ وتابعین این قدر فضائل ومناقب کہ از (حضرت امیر) نقل

کردہ اند، از ہیچ صحابی منقول نشدہ است حتی قال الإمام أحمد ما جاء لأحد من الصحابة من الفضائل ماجاء لعلي مع ذلک ہم ایشان حکم کردہ اند بہ افضلیت خلفاء ثلاثہ۔ پس معلوم شد کہ وجہ افضلیت دیگر است وراء این فضائل ومناقب و اطلاع بر آن افضلیت مشاہدان دولت وحی را میسر است کہ بہ صریح یاب بہ قرائن معلوم نمودو باشند وآن صحابہ پیغمبر ند علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات“۔

”اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اِس فضیلت کے بارے میں انصاف سمجھا ہے وہ انصاف سے دور ہے اور جو تردید اُنہوں نے کی ہے وہ سراسر لاحاصل ہے، کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اِس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو خدائے جل وعلا کے نزدیک کثرتِ ثواب کے اعتبار سے ہے، نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل ومناقب بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہو، کیونکہ ایسی فضیلت عقل مندوں کے نزدیک اعتبار لائق ہے، اور سلف صحابہ وتابعین نے جس قدر فضائل ومناقب حضرت امیرؓ کے نقل کیے وہ کسی اور صحابی کی نسبت منقول نہیں، حتیٰ کہ امام احمدؒ نے فرمایا: جو فضائل حضرت علی کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے۔ اس کے باوجود وہ تینوں خلفاء کی فضیلت کے بارے میں حکم کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل ومناقب کے علاوہ کچھ اور ہے، اور اُس افضلیت کی اطلاع دولتِ وحی کے مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے، جنہوں

نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کیا ہے اور وہ پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے صحابہؓ ہیں"۔ (1)

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام پانچ وجوہ سے باطل ہے:

۱۔ انصاف سے دور ہے

۲۔ انصاف سے دور اِس لیے ہے کہ احادیث کے خلاف ہے

۳۔ بے خبری پر مبنی ہے، کیونکہ صحابہ کرام ﷡ نے کسی بھی خلیفہ کا انتخاب اُس کی افضلیت کی بنیاد پر نہیں کیا تھا بلکہ خود خلیفہ اول سیدنا ابو بکر ﷛ کا انتخاب ''فَلْتَةً'' (جلد بازی) اور اہل بیت کرام ﷨ کے ساتھ مشورہ کیے بغیر ہوا تھا، جیسا کہ ہم اِس پر تفصیلاً روشنی ڈال چکے ہیں۔

۴۔ شیخ کے کلام کے اول حصہ کو اُن کے کلام کے آخری حصے ملا کر دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے مطابق صحابہ نے کثرتِ ثواب کو مد نظر رکھ کر افضلیت کا فیصلہ کیا ہے۔ شیخ کا یہ سمجھنا سراسر غلط ہے، اِس لیے کہ صحابہ کرام ﷡ از خود یہ معلوم کرنے سے قاصر تھے کہ صحابیت و عمل میں برابر دو صحابہ میں سے کس کا ثواب زیادہ ہے اور کس کا کم، جیسا کہ ہم اِس سلسلے میں متعدد احادیث صحیحہ نقل کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام ﷡ نے ثواب کے لحاظ سے ایک کو زیادہ اور دوسرے کو کم سمجھا تھا مگر معاملہ اُن کی سمجھ کے بالکل برعکس تھا۔

۵۔ جب شیخ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ:

"سلف صحابہ و تابعین نے جس قدر فضائل و مناقب حضرت امیرؓ کے نقل کیے وہ کسی اور صحابی کی نسبت منقول نہیں"۔

---

(1) مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۳۳۱، مکتوب نمبر ۲۶۶، مطبع منشي نول کشور لکھنؤ، ومترجم اردو، ترجمہ مولانا سید زوار حسین شاہ، دفتر اول حصہ دوم ص ۲۸۷۔

تو پھر صحابہ و تابعین پر یہ الزام ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے کسی کے فضائل و مناقب بھی دوسرے تمام صحابہ کرام ؓ سے زیادہ نقل کریں اور اِس کے باجود وہ احادیث نبویہ پر اپنے کثرتِ ثواب کے پیمانہ کو ترجیح دیں۔

شیخ سرہندی کو امام سعد الدین تفتازانی کا جو انصاف پر مبنی قول بے انصافی نظر آتا ہے وہ یہ ہے:

وَالْإِنْصَافُ أَنَّهُ إِنْ أُرِيْدَ بِالْأَفْضَلِيَّةِ كَثْرَةُ الثَّوَابِ فَلِلتَّوَقُّفِ جِهَةٌ.

وَإِنْ أُرِيْدَ كَثْرَةُ مَا يَعُدُّهُ ذَوُو الْعُقُوْلِ مِنَ الْفَضَائِلِ، فَلَا.

”انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرتِ ثواب مراد لی جائے تو توقف کی کوئی وجہ ہے اور اگر وہ کچھ مراد لیا جائے جسے عقل مند فضائل میں سے شمار کرتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں“۔(1)

یعنی احادیث مبارکہ کی صورت میں جو فضائلِ مرتضوی منقول ہیں اُن پر نظر کی جائے تو توقف کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ چنانچہ دعوتِ اسلامی کی طرف سے شائع شدہ شرح العقائد کے حاشیہ میں محشی نے ”فَلِلتَّوَقُّفِ جِهَةٌ“ کی یوں توضیح کی ہے:

لِأَنَّ قُرْبَ الدَّرَجَةِ وَكَثْرَةَ الثَّوَابِ أَمْرٌ لَا يُعْلَمُ إِلَّا بِالْإِخْبَارِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَرَسُوْلِهِ ﷺ. وَالْأَخْبَارُ مُتَعَارِضَةٌ. وَأَمَّا كَثْرَةَ الْفَضَائِلِ فَمِمَّا يُعْلَمُ بِتَتَبُّعِ الْأَحْوَالِ. وَقَدْ تَوَاتَرَ فِي حَقِّ عَلِيٍّ رضى الله تعالىٰ عنه مَا يَدُلُّ عَلٰى جُمُوْمِ مَنَاقِبِهِ وَوُفُوْرِ فَضَائِلِهِ وَاتِّصَافِهِ بِالْكَمَالَاتِ وَاخْتِصَاصِهِ بِالْكَرَامَاتِ.

”اِس لیے کہ درجہ کی قربت اور کثرتِ ثواب ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور

(1) شرح العقائد النسفية ص ۳۲۴، ۲۳۲، مكتبة المدينة، كراچي۔

اُس کے رسول ﷺ کے بتلائے بغیر نہیں جانا جاسکتا اور اِس میں احادیث باہم متعارض ہیں، اور باقی رہا کثرتِ فضائل کا معاملہ تو وہ تتبع (تلاش) احوال سے جانا جاسکتا ہے، اور تواتر کے ساتھ سیدنا علی ﷛ کے حق میں وہ کچھ منقول ہے جو اُن کے مناقب کی کثرت، اُن کے فضائل کی وسعت، اُن کے کمالات سے بہرہ ور ہونے اور اعزازات سے مخصوص ہونے پر دلالت کرتا ہے"۔[1]

اِسی محشی نے آخری لفظ ''فَلَا'' پر یوں حاشیہ لکھا ہے:

أَيْ : لَيْسَ لِلتَّوَقُّفِ جِهَةٌ. بَلْ يَجِبُ أَنْ يُّجْزَمَ بِأَفْضَلِيَّةِ عَلِيٍ رضي الله تعالىٰ عنه ؛ لِأَنَّ فَضَائِلَ عَلِيٍّ كَثِيْرَةٌ جِدًّا، مِنَ الْكَمَالَاتِ الْعِلْمِيَّةِ وَالْجِهَادِ وَالْاِجْتِهَادِ فِي الطَّاعَةِ وَالْبَلَاغَةِ فِي الْمَوَاعِظِ وَكَثْرَةِ وُرُودِ الْأَحَادِيْثِ فِي مَنَاقِبِهٖ وَظُهُورِ الْخَوَارِقِ عَنْهُ وَشَجَاعَتِهٖ وَغَيْرِهَا مِنَ الْفَضَائِلِ.

"یعنی توقف کی کوئی وجہ نہیں بلکہ واجب ہے کہ سیدنا علی ﷛ کی افضلیت کا یقین کیا جائے، کیونکہ سیدنا علی ﷛ کے فضائل بہت ہی زیادہ ہیں۔ مثلاً اُن کے کمالاتِ علمیہ، جہاد، طاعتِ الٰہی میں کوشش، مواعظِ حسنہ میں بلاغت، اُن کے مناقب میں احادیث کا بکثرت وارد ہونا، اُن سے کرامات کا ظہور ہونا، اُن کی شجاعت اور دوسرے فضائل"۔[2]

مقامِ غور ہے کہ کثرتِ فضائلِ مرتضویہ جو کہ احادیثِ نبویہ کی صورت میں معلوم ہیں اُن پر اعتماد

---

(1) حاشية جمع الفرائد بإنارة شرح العقائد ص ۳۲۳۔

(2) حاشية جمع الفرائد بإنارة شرح العقائد ص ۳۲۴، مكتبة المدينة، كراچي۔

کرنا اور توقف کو بالائے طاق رکھنا شیخ احمد سرہندی کے نزدیک یہ امام تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی ناانصافی ہے اور وہ کثرتِ ثواب کا چکر جو کہ نامعلوم چیز ہے اُسے ماننا ایمان وانصاف ہے۔ لِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ. یعنی جس کا رانجھا جس طرح راضی ہوتا ہے وہ اُسی طرح راضی کرتا پھرے مگر ہمارا ایمان اور ہمارا ماویٰ وملجا رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہیں۔

سوال:

جب اکابر محدثین کرام نے اعتراف کیا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام کے فضائل میں باقی صحابہ کی نسبت احادیث مبارکہ زیادہ آئی ہیں تو احادیث نبویہ پر علماء عقائد وکلام کے اقوال کو ترجیح دینا کیا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر تقدیم نہیں؟ تنازع کی صورت میں جن دو مصادر کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اگر کچھ لوگ اُن دونوں مصادر پر مسلک ومذہب کو ترجیح دیں تو پھر اور جائے پناہ کہاں ہے؟ اگر واقعی کچھ لوگوں کو وہ شخص مفضول نظر آتا ہے جس کے فضائل میں باقی صحابہ کی بنسبت احادیث نبویہ صحیحہ، حسنہ اور جیدہ زیادہ آئی ہیں تو ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان پر نظر ثانی کریں۔ شاید درجِ ذیل آیت میں جن مومنین کو پھر ایمان لانے کا حکم ہوا ہے اُن میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو کسی بھی معاملہ میں اپنی پسند، اپنے موقف، یا اپنے مسلک ومذہب کو کتاب وسنت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ.

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول پر"۔ [النساء: ۱۳۶]

فائدہ

یہاں مجدد صاحبؒ نے امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی جس سو فیصد حق بات کو

بے انصافی کہہ دیا ہے اُسی بات کو اُن سے قبل بعض بدبختوں نے رفض تک بھی کہہ دیا تھا، جیسا کہ عنقریب ایک اور مجددیعنی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں اُس شخص (رفض کا فتویٰ لگانے والے) کی تردید آرہی ہے۔

ثواب کا معنیٰ

چونکہ اس فتویٰ میں ثواب کا چکر چلایا گیا اور پھر بڑی چالاکی سے اُس کو نہ معلوم بھی بنادیا گیا، لہٰذا مناسب ہے کہ یہاں ثواب کا معنیٰ بھی واضح کر دیا جائے۔ جاننا چاہیے کہ ثواب کسی بھی عمل کی جزا، بدلہ اور معاوضہ کو کہا جاتا ہے، عمل کے بغیر ثواب نہیں ہوتا، لہٰذا خود غور فرمایئے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو جو ملائکہ پر فضیلت دی گئی، کون سے اعمال کے ثواب پر دی گئی؟ یہ امت جو دوسری امتوں سے افضل ہے، کیا اِس کا سبب کثرتِ عمل اور کثرتِ ثواب ہے؟ بخاری شریف میں اِس امت کی فضیلت میں جو تین مزدوروں کی مثال دی گئی ہے، اُس میں تیسرے مزدور کا وقت کم اور اُجرت زیادہ بتائی گئی ہے۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ آخر ایسا کیوں؟

ثواب دنیوی بھی ہوتا ہے اور اُخروی بھی، اور جب ثواب عمل کے عوض ہوتا ہے اور قرآن کے مطابق بہترین ثواب آخرت کا ثواب ہے اور وہ جنت ہے، تو سوچئے کہ پانچ چھ سال کے شہزادوں کو جو نوجوانانِ جنت ہونے کا مژدہ سنایا گیا، کن اعمال کی بنا پر سنایا گیا، کیا چھ سات سال کا بچہ عمل کا مکلف ہوتا ہے؟ اور اگر ہوتا ہے تو حسنین کریمین علیہما السلام نے اُس چھوٹی عمر میں کون سے اعمال کا ذخیرہ کر لیا تھا؟

کس کا ثواب کتنا؟

یاد رہے کہ کس کی عبادت کا ثواب کتنا ہے؟ اس کی اطلاع کماحقہ کسی غیر نبی انسان کو

نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرام ﷡ کے اندازے بھی اس سلسلے میں نادرست ثابت ہوتے تھے۔ جیسا کہ ہم اِس سلسلے میں متعدد احادیث صحیحہ نقل کر چکے ہیں کہ ایک ہی وقت میں مسلمان ہونے والے دو ساتھیوں یا دو سگے بھائیوں میں سے صحابہ کرام ﷡ نے کسی ایک کو دوسرے سے افضل سمجھ لیا تھا تو حضور اکرم ﷺ نے اُن کی غلط فہمی کو دور کیا اور جسے وہ افضل گردان رہے تھے اُس کی بجائے دوسرے کو افضل قرار دیا اور اُن دونوں کے درمیان زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق بتایا۔

لہٰذا یہ کہنا اور سمجھنا کہ صحابہ کرام ﷡ نے احادیث میں فضائلِ منقولہ کے بجائے خلفاء ثلاثہ ﷡ کے ثواب کی کثرت کو دیکھ کر اُن کی افضلیت کا قول کیا اور پھر اُس افضلیت کی بنا پر اُنہیں بالترتیب خلفاء بناتے چلے گئے، یہ نرا جھوٹ ہے، دجل ہے، فریب ہے، مکر ہے اور احادیث مبارکہ کے سراسر خلاف ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اُمت کے تمام چھوٹے بڑے لوگ بھی اگر مجتہد ہو جائیں اور پھر سب مل کر کتاب و سنت کی روشنی کے بغیر کوئی اصول بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ اجماعِ امت بھی قرآن و سنت کی روشنی میں ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا دوسرے اسلاف کرام، کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ منقولات سے آنکھیں پھیر کر فقط معقولات پر انحصار کرتے ہوئے اپنی شریعت بنانے کی کوشش کریں اور وہ چکر چلائیں جو اوپر کثرتِ ثواب کی صورت میں چلا گیا۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فقط ایک ہی ذات ہے جس کا کوئی ارشاد مسترد نہیں ہو سکتا، اور وہ ہے ذاتِ پاکِ مصطفی ﷺ، فقط اُسی ہستی کی زبان کی ضمانت دی گئی ہے۔ چونکہ اُس ذات پاک ﷺ کے علاوہ یہ مقام کسی بھی دوسری شخصیت کو حاصل نہیں ہے، لہٰذا کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے منافی کسی بھی دوسری شخصیت کا قول قبول نہ کرنا اور مسترد کر دینا بے ادبی کے زمرے میں نہیں آتا۔

بہر حال سب سے پہلے جس نے بھی کثرتِ ثواب کا چکر چلایا، پھر کثرتِ ثواب کو جاننا ناممکن بتایا اور فضائلِ مرتضوی میں وارد شدہ کثیر احادیث سے جان چھڑانے کا مذکورہ طریقہ ایجاد کیا وہ سیانا آدمی تھا۔ ماثور و منقول فضائلِ مرتضوی کی کثرت سے گھبرانے والے لوگوں کو چاہیے کہ وہ قیامت تک اُس شریعت گھڑنے والے شخص کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔

ثواب والا افضل یا فضل والا؟

اِس مسئلہ کو اِس سوال کی روشنی میں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس کو اعمالِ صالحہ کرنے پر ثواب زیادہ ملے وہ افضل یا بلا عمل جس پر فضل کیا جائے وہ افضل؟

۱۔ لاکھوں کروڑوں برس تسبیح و تقدیس کرنے والے فرشتے افضل یا بلا عمل کیے مسجودِ ملائک آدم علیہ السلام افضل؟

۲۔ ہزارہا برس عبادت کرنے والا گزشتہ امتوں کا سچا عابد و زاہد افضل یا فقط شبِ قدر کی چند ساعتوں میں عبادت کرنے والا محمدی افضل؟

۳۔ ہزاروں سال اپنی امتوں کو تبلیغ فرمانے والے گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام افضل یا ۲۳ برس تبلیغ فرمانے والے خاتم الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل؟

۴۔ اعلانِ نبوت کے بعد سے لے کر کم و بیش ۲۳ برس تک ریاضت، عبادت، ہجرت جہاد، انفاق فی المال کرنے والا اور جان لٹا کر شہادت پانے والا معمر صحابی افضل یا کسی قسم کی عبادت کے بغیر جنت کی سیادت پانے والا بچہ افضل؟

میرے خیال میں تو پنجابی کے محاورہ کے مطابق وہ شخص افضل ہے کہ جس کی "نہ ہِنگ لگے نہ پھٹکڑی تے رنگ چوکھا" باقی رہیں علماء کی کثرتِ ثواب کی موشگافیاں تو وہ میری سمجھ سے تو

بالاتر ہیں، جس شخص کو وہ موشگافیاں سمجھ آتی ہیں تو وہ اُنہی پر ایمان رکھے۔

افضلیت کے خود ساختہ اصول و قواعد

افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اکثر علماء کرام جب سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مابین مفاضلہ کرنے بیٹھتے ہیں تو پہلے اپنی طرف سے ہی کچھ اصول و قواعد بنا لیتے ہیں اور پھر اُن خود ساختہ قواعد کی روشنی میں جیسا چاہتے ہیں نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ اپنی طرف سے وضع کردہ ایسے اصول و قواعد کا اُردو زبان میں نمونہ دیکھنا مطلوب ہو تو فاضلِ بریلوی کے درجِ ذیل الفاظ میں غور فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "تبصرۂ خامسہ: طبیعت کو معاملہ فہی سے مناسبت، فصلِ قضا میں افکار کی متانت، حسن روی و ثقوب رائے (رائے کی عمدگی)، و شجاعت و سخاوت، و زور و طاقت و امثال ذلک ملکات نفسانیہ، و کمالاتِ خلقیہ میں مزیت مدارِ افضلیت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے: اے لوگو! تمہارا رب ایک اور تمہارا باپ ایک آدمی سب آدم و حوا کی اولاد ہیں اور آدم کی اصل مٹی، خدا روز قیامت حسب و نسب نہ پوچھے گا"۔ (1)

مسئلۂ تفضیل میں بعض اہل سنت کی کتاب و سنت سے روگردانی

بامطالعہ شخص پر مخفی نہیں ہوگا کہ اِس پیراگراف میں جتنی خوبیوں کو وجوہ افضلیت سے خارج کر دیا گیا ہے، یہ ساری کی ساری خوبیاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں۔ قارئین کرام کی اکتاہٹ کا اندیشہ ہے ورنہ یہ ساری باتیں ثابت کی جا سکتی ہیں اور اکثر تو موصوف کی کتب سے ہی

---

(1) مطلع القمرین ص ۲۴۔

ثابت ہو سکتی ہیں۔ بے ادبی نہ سمجھا جائے تو مختصر أعرض کروں کہ مکھی پر مکھی مارتے ہوئے یہ خود ساختہ اصول بہت سے علماء اہل سنت نے لکھ مارا ہے حالانکہ یہ قرآن وسنت دونوں کے خلاف ہے، کیونکہ مذکورہ بالا ساری خوبیاں اِنسانی خُلق میں آتی ہیں۔ خُلق کسے کہتے ہیں؟ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لفظِ خُلق کی لغوی تعریف میں لکھتے ہیں:

"خَلق اور خُلُق کی اصل ایک ہے، جیسے شَرب اور شُرب، صَرم اور صُرم، لیکن لفظِ خَلق ظاہری حالت اور شکل وصورت کے لیے مختص ہے، جس کا ادراک بصر (آنکھ) سے ہوتا ہے، اور خُلق باطنی صلاحیتوں اور عادتوں کے لیے مخصوص ہے، جن کا ادراک بصیرۃ (قلبی آنکھ) سے ہوتا ہے۔ اس معنی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤﴾ (اور بے شک ضرور آپ بہت بڑی شان والے خُلق پر ہیں"۔[1]

علامہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"خُلق: نفس کی ہیئتِ راسخہ سے تعبیر ہے، اس سے افعال بسہولت اور بغیر کسی سوچ وبچار کے صادر ہوتے ہیں۔ پس اگر بسہولت صادر ہونے والے افعال شرعاً اور عقلاً جمیل ہوں تو وہ ہیئتِ راسخہ اچھا خُلق ہے، اور اگر بسہولت صادر ہونے والے افعال شرعاً اور عقلاً قبیح ہوں تو وہ ہیئتِ راسخہ برا خُلق ہے"۔[2]

غور فرمایئے کہ خُلقِ عظیم ہی سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی وہ واحد خوبی ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر آپ کی افضلیت کا سبب ہے، آپ کا خُلق قرآن ہے اور قرآن تمام کتب سماویہ

---

(1) المفردات ج ۱ ص ۲۱۰۔

(2) کتاب التعریفات ص ۷۳۔

کی جامع کتاب ہے۔ خود موصوف رحمہ اللہ نے اِسی حقیقت کے اظہار میں یوں موتی پروئے ہیں ؎

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا، تری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا، ترے خالقِ حسن وادا کی قسم (1)

شعر کے پہلے مصرع میں خُلق اور خَلق دونوں لفظ ظاہر ہیں اور دوسرے مصرع میں لفظ "حُسن"، خَلق کے اور لفظِ "ادا" خُلق کے معنیٰ میں ہے، اور جب یہ دونوں فضلِ الٰہی ہیں تو پھر سبب فضیلت کیوں نہیں؟ اور پھر جس میں یہ دونوں خوبیاں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہوں تو کیا وہ اُس کی افضلیت کا سبب نہیں ہوں گی؟ یقیناً ہوں گی۔ اِسی لیے تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مصرع میں کہا:

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا، ترے خالقِ حسن وادا کی قسم

سو اگر کوئی شخص کسی انسان کو "ملکات نفسانیہ، وکمالاتِ خلقیہ میں اور فصلِ قضامیں افکار کی متانت" کی وجہ سے دوسروں پر فائق سمجھے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟

احادیث نبویہ سے بھی خُلق کا یہ معنیٰ ثابت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ قَسَّمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَّمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ.

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان خُلق کو یوں تقسیم فرمایا ہے جیسا کہ اس نے تمہارے درمیان رزق کو تقسیم فریا ہے"۔ (2)

خود انصاف فرمائیے! اس تقسیم میں جس کو زیادہ عطا کیا گیا ہو وہ دوسرے سے افضل ہو گا

(1) حدائق بخشش ص ۵۳۔

(2) مسند أحمد [شاکر] ج۳ ص ۵۳۹ ح ۳۶۷۲؛ الأدب المفرد ح ۲۷۵؛ نوادر الأصول ج ۲ ص ۳۸؛ شعب الإیمان ح ۵۵۲۴، ۶۰۷؛ مشکاۃ ح ۴۹۹۴؛ مسند ابن أبي شیبة ج ۱ ص ۲۳۱ ح ۳۴۴۔

یا نہیں؟ضرور ہو گا،وہ مالک ورازق جَلَّ جَلَالُہٗ خود ہی کوئی خوبی عطا فرماتا ہے اور خود ہی اُس خوبی کی بدولت بندے کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت اشج رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ فِيكَ لَخُلُقَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، قَالَ: مَا هُمَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْأَنَاءَةُ وَالْحِلْمُ، قَالَ: شَيْءٌ جُبِلْتُ عَلَيْهِ أَوْ تَخَلَّقًا مِنِّي ؟ قَالَ: لَا، بَلْ جُبِلْتَ عَلَيْهِ قَالَ: الْحَمْدُ اللّٰهِ الَّذِي جَبَلَنِي عَلَىٰ خُلُقَيْنِ يُحِبُّهُمَا.

"تم میں دو خوبیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرماتا ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ کونسی دو خوبیاں ہیں؟فرمایا :وقار اور حوصلہ۔ عرض کیا: یہ میری فطرت میں رکھی ہوئی ہیں یا میں نے انہیں از خود اپنایا ہے؟فرمایا فطرۃً ہیں۔ اُنہوں نے کہا:اُس اللہ کے لیے تمام حمد ہے جس نے میری فطرت میں ایسی دو خوبیاں رکھیں جنہیں وہ پسند فرماتا ہے"۔ (1)

بتلایئے !اِن دو خوبیوں میں سیدنا اشج رضی اللہ عنہ جس سے زیادہ ہوں گے تو کیا اُس سے افضل نہیں ہوں گے ؟اسی طرح اگر کسی شخص کو دوسروں کے مقابلہ میں قوتِ فیصلہ زیادہ دی گئی ہو، قرآن کی فہم زیادہ دی گئی ہو، علم زیادہ دیا گیا ہو، فراست، فقاہت اور طاقت وشجاعت زیادہ دی گئی ہو تو کیا وہ دوسروں سے افضل نہیں ہو گا؟

بعض علماء کرام کے تضادات

---

(1) مسندأبي يعلىٰ ج ۱۲ ص ۲۴۳، ۲۴۲ ح ۶۸۴۹، ۶۸۴۸ ؛مجمع الزوائدج ۹ ص ۳۹۷ وط: ج ۹ ص ۶۴۷ ح ۱۶۰۵۸۔

اہل علم وانصاف سے التماس ہے کہ چند سطور قبل ”مطلع القمرین“ سے جو اقتباس دیا گیا ہے ایک طرف اُسے اپنے سامنے رکھیں اور دوسری طرف اُسی مصنف کے یہ درجِ ذیل کلمات بھی اپنے سامنے رکھیں اور پھر انصاف فرمائیں کہ حق کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

”مشاہدہ شاہد اور تجربہ گواہ ہے کہ شریف قومیں بحیثیت مجموعی دیگر اقوام سے حیا، حمیت، تہذیب، مروت، سخاوت، شجاعت، سیر چشمی، فتوت، حوصلہ، ہمت، صفائے قریحت وغیرھا بکثرت اخلاقِ حمیدہ، موہوبہ، مکسوبہ میں زائد ہوتی ہیں اور سب کا آدم وحوا علیہما الصلاۃ والسلام ایک ماں باپ سے ہونا جس طرح تفاوت افراد کا نافی نہیں... یوں ہی تفاوت اصناف واقوام کا منافی نہیں۔ قریش کی جرأت، شجاعت، سماحت، فتوت، قوت، شہامت اسلام وجاہلیت دونوں میں شہرہ آفاق رہی ہے، اور اُن میں بالخصوص بنی ہاشم“۔[1]

ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

”ظاہر ہے کہ اخلاقِ فاضلہ باعثِ اعمالِ صالحہ ہیں، اور اعمالِ صالحہ نفع آخرت اور اس خصوص میں نصوص بکثرت“۔[2]

اسی طرح اِسی جلد کے صفحہ ۲۵۳، ۲۳۳ وغیرھا کو بھی سامنے رکھا جائے تو ”مطلع القمرین“ سے صاف تضاد نظر آئے گا۔

یکساں عمل میں ثواب کس کا زیادہ؟

”مطلع القمرین“ کی عبارت کے مطابق اگر مذکورہ بالا خَلقی اور خُلقی خوبیاں وجہِ افضلیت

---

(1) فتاوی رضویہ ج ۲۳ ص ۲۲۴۔

(2) فتاوی رضویہ ج ۲۳ ص ۲۳۱۔

نہیں تو پھر آخر وجہِ افضلیت کیا چیز ہے؟ یہ بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ہی معلوم کر لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''کلام ہمارا افضلیت بمعنیٰ کثرت ثواب وزیادتِ قرب ووجاہت میں ہے۔ جب تک ان روایات میں جناب مولیٰ کی نسبت اس معنی کی تصریح نہ ہو ہم پروارد اور مزاجِ اجماع کی مفسد نہیں ہو سکتیں''۔(1)

اگر یہی بات ہے تو پھر لیجیے اعلیٰ حضرتؒ ہی کی بیان کردہ حدیث پڑھیے کہ کسی عمل پر ثواب ووجاہت جو عطا ہوتی ہے اُس میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کے درمیان کتنا فرق ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ لکھتے ہیں:

''فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ [وآلہ] وسلم: میں جنت میں گیا تو ملاحظہ فرمایا کہ جعفر بن ابی طالب کا درجہ زید بن ثابت کے درجے سے اوپر ہے، میں نے کہا: مجھے گمان نہ تھا کہ زید جعفر سے کم ہے، جبریل نے عرض کی: زید جعفر سے کم تو نہیں مگر ہم نے جعفر کا درجہ اس لیے زیادہ کیا کہ اُنہیں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قربت ہے''۔(2)

سیدنا جعفر طیار بن ابی طالب ہاشمی ہیں اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اُن کے سگے بھائی ہیں، اگر ایک جیسے عمل میں بوجہ ہاشمیت سیدنا جعفر علیہ السلام کو اُن کے ساتھی پر برتری دی گئی تو یہی نسبت مولیٰ علی علیہ السلام کے حق میں کیونکر سببِ افضلیت نہیں ہو سکتی؟ علامہ ابن تیمیہ جیسے آدمی نے بھی بنو

---

(1) مطلع القمرین ص ۷۶۔

(2) فتاوی رضویة ج ۲۳ ص ۲۳۶، وج ۳۰ ص ۲۲۶؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۴ ص ۳۳۸، وط: ج ۴ ص ۲۸؛ المستدرک ج ۳ ص ۲۰۹، وط: ج ۴ ص ۲۲۰ ح ۴۹۹۱۔

ہاشم کے اعمال کو غیر ہاشمیوں کے اعمال سے افضل قرار دیا ہے، اُن کی طویل عبارت کو راقم الحروف اپنی کتاب ''شرح أسنی المطالب'' وغیرہ میں نقل کر چکا ہے، یہاں اُن کا فقط وہ جملہ نقل کرتا ہوں جو اُنہوں نے آخر میں بطورِ نتیجہ ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَإِذَا كَانُوا أَفْضَلَ الْخَلَائِقِ فَلَا رَيْبَ أَنَّ أَعْمَالَهُمْ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ.

''اور جب وہ تمام مخلوقوں سے افضل ہیں تو یقیناً اُن کے اعمال بھی تمام اعمال سے افضل ہیں''۔ (۱)

خیال رہے کہ اہل بیت اور بنو ہاشم کی شان میں علامہ ابن تیمیہ جیسے حضرات کے ایسے خوبصورت کلمات وہاں ہوتے ہیں جہاں اُن کا قلم مفاضلہ و موازنہ کے چکر سے آزاد چل رہا ہو، ورنہ مفاضلہ و موازنہ کے وقت اُن کی بولی بھی بدل جاتی ہے۔

کثرتِ ثواب کے مسئلہ کا قرآنی حل

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ تفضیلِ صدیقی رضی اللہ عنہ کے قائلین اور اُسے زبردستی قطعی بنانے والے حضرات نے کثرتِ ثواب کا چکر تو چلا لیا مگر اُس کا کوئی حل نہ نکال سکے جبکہ اللہ تعالیٰ نے دو ٹوک انداز میں بیان فرما دیا ہے کہ جن لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ حسی اور نسبی قربت زیادہ حاصل ہے ثواب بھی اُنہی کو زیادہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ازواج مطہرات کو نبی کریم ﷺ کا حسی قرب حاصل ہے اور اُن کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتَعْمَلْ صَٰلِحًا نُّؤْتِهَآ أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ. [الأحزاب: ۳۱]

---

(1) رأس الحسين لابن تيمية مع استشهاد الحسين للإمام ابن جرير الطبري ص ۲۰۰، ۲۰۱؛ مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية ج ۲۷ ص ۲۴۹، ۲۴۸۔

”اور جو تم میں فرماں بردار رہے اللہ اور رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اُسے اوروں سے دونا ثواب دیں گے“۔ (کنز الایمان)

جبکہ نسبی رشتے داری کی فضیلت نسبتی اور ازدواجی رشتے سے زیادہ ہے۔ چنانچہ سیدنا جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

وَقَلَّبْتُ الْأَرْضَ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ أَجِدْ بَنِيْ أَبٍ أَفْضَلَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ.

”اور میں نے زمین کی مشرقوں اور مغربوں کو چھان مارا لیکن میں نے بنوہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہیں پایا“۔[1]

اور ظاہر ہے کہ اہل کساء علیہم السلام کی فضیلت اُن سب سے زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اُنہیں جنت کی سیادت سے نوازا گیا۔ سو خود ہی بتائیے کہ سرداریٔ جنت سے بڑھ کر ثواب کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے؟

افضلیتِ مطلقہ کیا ہے؟

نہیں معلوم کہ تفضیلِ مطلق یا افضلیتِ مطلقہ کا یہ گورکھ دھندا کب سے چلا گیا ہے اور کس نے چلایا ہے۔ آیا اہل بیت کرام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اِس افضلیت مطلقہ اور مقیدہ کی اصطلاحات تھیں یا نہیں؟ اِس بات کا سراغ اہل تحقیق علماء کرام ہی لگا سکتے ہیں۔

ہم جو لکیر کے فقیر لوگ ہیں ہمیں تو کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات سمجھ آئی ہے کہ اہل البیت سے افضل کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ازواج مقدسہ کو خطاب کرکے فرمایا گیا کہ نیکی پر اُنہیں اجر بھی ڈبل عطا ہو گا اور خدانخواستہ برائی پر عذاب بھی ڈبل ہو گا۔ کیوں؟ فرمایا:

---

(1) کتاب السنة لابن أبي عاصم ص ٦١٨ ح ١٤٩٤؛ الأمالي المطلقة للعسقلاني ص ٤٢؛ الحاوي للفتاوي ج ٢ ص ٢١٢۔

اِس لیے کہ:

لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ. (الأحزاب:۳۲)

"تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو"۔ (کنز الإیمان)

سو جب اندرونِ کاشانۂ نبوت کی خواتین کی عظمت کا یہ عالَم ہے تو پھر اُن ہستیوں کی عظمت و وجاہت کا کیا عالَم ہو گا جنہیں امہات المؤمنین سے بھی خاص کر لیا اور امہات المومنین کی خواہش بلکہ درخواست کے باوجود اُنہیں اُس چادر میں لینے سے انکار کر دیا گیا اور پھر اُن چا ہستیوں کے لیے بار گاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے اللہ! یہ میرے "حَامَّتِي" (چنیدہ) اور "خَاصَّتِي" (مخصوص) ہیں۔ سو جس طرح مطلقاً اُمت کی کسی خاتون کا امہات المومنین میں سے کسی سے کوئی مفاضلہ نہیں ہو سکتا اِسی طرح مطلقاً چادر میں لی جانی والی ہستیوں کے ساتھ بشمول امہات المومنین کے کسی اُمتی کا کوئی مفاضلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ہستیاں بلا قید اور مطلقاً اِس قدر افضل ہیں کہ اِن میں سے بڑوں کو ہی نہیں بلکہ بچوں کو بھی کسی قسم کے سابق حُسنِ عمل کے بغیر جنت ہی نہیں بلکہ جنت کی سرداری عطا فرما دی گئی۔

فاضل بریلوی جب مان رہے ہیں کہ بعینہٖ ایک ہی عمل پر سیدنا جعفر طیار کو سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما پر فقط نسبی قرابت کی بدولت برتری دی گئی تو پھر علی اور کسی دوسرے مسلمان کے یکساں عمل کی صورت میں علی علیہ السلام کی برتری کا عالَم کیا ہو گا؟ فرض کیجیے اگر کسی غزوہ میں سیدنا علی علیہ السلام اور کسی بڑے صحابی کی شہادت ہو جاتی اور اُن دونوں کو جنت میں محوِ پرواز دیکھا جاتا تو پھر اہل کساء میں سے ہونے کی وجہ سے سیدنا علی علیہ السلام اپنے ساتھی سے کتنا بلند ہوتے!

اِس تفصیل کی روشنی میں مجھے تو یہ بات سمجھ آئی ہے کہ اہل کساء علیہم السلام سے نہ تو کسی کا مفاضلہ و موازنہ جائز ہے اور نہ ہی اُن پر کسی کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ موٹی سی بات ہے کہ جن ہستیوں

کے چار پانچ سال کے بچوں کو ہر طرح کے عمل سے پہلے جنت کی سیادت عطا فرمائی گئی اُن سے کسی کا کیا مفاضلہ اور کیسا موازنہ؟

تفضیلِ صدیقی کے قائلین کا تضاد

وہ تفضیلی جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہیں بے چارے عجیب مخمصہ اور تضاد کا شکار رہتے ہیں۔ جب وہ خلفاء ثلاثہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین مفاضلہ کرتے ہیں تو خاندانی اور نسبی شرافت و عظمت کو بیک جنبش قلم مسترد کر دیتے ہیں اور جب اُن کا قلم مفاضلہ و موازنہ کے بغیر چل رہا ہو، یا اُنہیں نسبی شرافت و عظمت کے کسی منکر کا رد کرنا مقصود ہو تو پھر وہ دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں۔ چنانچہ "مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين" میں نسب کی عدم اہمیت کے متعلق جو کچھ آپ پڑھ چکے ہیں، ایک طرف اُسے کھول کر اپنے سامنے رکھ لیں اور دوسری طرف فتاوی رضویہ ج ۲۳ کھول کر رکھیں، وہاں آپ کو صفحہ ۲۰۳ سے لے کر ۲۵۶ تک ایک سو پینتیس [۱۳۵] احادیث ملیں گی اور ہر اُس نسبی فضیلت کا ثبوت ملے گا جس کو مطلع القمرین میں یا تو مسترد کیا گیا تھا یا اُس کی اہمیت کو گھٹایا گیا تھا، حتیٰ کہ فتاوی کی مذکورہ جلد میں نسبی عظمت کے اثبات میں "إراءة الأدب لفاضل النسب" کے نام سے مستقل ایک رسالہ موجود ہے۔

راقم الحروف یہ تماشا اپنی بعض کتب میں دکھا چکا ہے کہ حافظ ابن کثیر نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شان میں بعض احادیث نقل کیں اور اُن کی سند و متن کو قابل قبول بتایا اور جب دوسرے مقام پر اُن کا اور اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مفاضلہ شروع کیا تو اُنہی احادیث کو اُڑا کر رکھ دیا۔ اسی طرح علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ کائنات علیہا السلام کی شان میں دو مقامات پر احادیث درج فرمائیں اور اُن احادیث کی سند پر جو اعتراضات ہو سکتے تھے اُن کا تفصیلی رد فرمایا لیکن جب وہ دوسرے مقام پر سیدہ کائنات اور امہات المومنین کے مابین مفاضلہ و موازنہ کرنے

لگے تو وہاں اپنی سنیت کو بچانے کی خاطر بیک جنبش قلم اُنہی احادیث کو موضوع و جعلی قرار دے کر جان چھڑا لی جنہیں بقلم خود قابل قبول لکھ چکے تھے۔ تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب "شرح كتاب الأربعين في فضائل آل البيت الطاهرين" کا مطالعہ فرمائیں۔

اسی طرح شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کچھ ایسے ہی تضاد کا شکار نظر آتے ہیں، اُن کے فتاوی مترجم اردو کے صفحہ ۳۶۳ سے ایک رسالہ شروع ہوتا ہے، اُس میں جو کچھ اُنہوں نے لکھا ہے، وہ اُن کی اسی کتاب کے صفحہ ۴۱۳، ۴۱۲ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ تفاضل و تقابل کے مقامات پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کی صورتِ حال بھی اسی طرح ہے، جیسا کہ راقم الحروف اس سے قبل واضح مثالیں پیش کر چکا ہے۔

بلاشبہ ہر عمل [Action] کا ردعمل [Reaction] ہوتا ہے، لیکن اعتدال قائم نہ رہے تو پھر سنیت کیسی؟ علامہ ابن تیمیہ، کتنا بڑا علمی نام ہے مگر جب اُن کا قلم ردِ روافض میں چلا تو وہ [Reaction] کی رو میں اس قدر ڈانواں ڈول ہوئے کہ ایک مقام پر یہاں تک لکھ دیا کہ علی کی شان میں فقط دو حدیثیں آئی ہیں، حالانکہ اُن کے اور جملہ اہل سنت کے امام، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سمیت امام قاضی اسماعیل، امام نسائی، ابن عبد البر اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ کا قول ہے کہ جتنی صحیح احادیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں آئیں اتنی کسی بھی صحابی کی شان میں نہیں آئیں۔ علامہ ابن تیمیہ کی اس بے اعتدالی کو امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے تنقیص مرتضوی قرار دیا تھا، اس کو حافظ ابن حجر عسقلانی اوّلاً تو امام سبکی کی اُس شدت پر محمول کرتے رہے جو اُنہیں ابن تیمیہ پر تھی لیکن جب اُنہوں نے علامہ ابن تیمیہ کی کتاب "منهاج السنة" کا خود مطالعہ فرمایا تو امام سبکی کے قول کی صحت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ دیکھئے: "شرح خصائص علي رضي الله عنه الطبعة التاسعة ص ۷۰، ۷۷۔

فضائل منقولہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی برتری

اہل عقل و دانش سے گذارش ہے کہ گزشتہ سطور میں بعض لوگوں کے فارسی کلام اور اُس کے ترجمہ کے خط کشیدہ مقام میں غور فرمائیں کہ اس کا عقل و نقل سے کوئی تعلق ہے؟ ایک طرف وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ:

"صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم سے حضرت امیر کرم اللہ وجہہ الکریم کے جس قدر فضائل و مناقب منقول ہیں اس قدر کسی صحابی کے نہیں ہیں"۔

اور دوسری طرف کہتے ہیں:

"علماء کے نزدیک اس جگہ افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے نہ کہ وہ افضلیت جو بمعنی ظہور فضائل و مناقب ہے"۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ روئے زمین کے تمام علماء کرام بھی جمع ہو جائیں تو اُنہیں یہ اتھارٹی نہیں حاصل ہو سکتی کہ وہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں منقول فضائل و مناقب کے مقابلہ میں افضلیت کا کوئی اپنا پیمانہ اور معیار متعارف کرائیں۔ بعد کے علماء کرام تو کیا یہ قدرت اور اتھارٹی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل نہیں تھی کہ وہ کسی بھی مسئلہ میں کسی فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی اجماع قائم کر سکتے اور نہ ہی اُنہوں نے ایسا کیا۔ بعض حضرات کا یہ لکھنا کہ:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جتنے فضائل بیان ہوئے ہیں اتنے کسی صحابی کے نہیں ہوئے باوجودیکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خلفاء ثلاثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے"۔

اس پر گذارش ہے کہ کسی بھی خلیفۂ رسول کا تقرر اُس کی افضلیت کی بنا پر ہوا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ یہ بعض لوگوں کی خوش اعتقادی یا

خوش گمانی تو ہو سکتی ہے مگر اس کو بطورِ حقیقت ثابت نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ صحابہ کرام ﷺ کا اجماع خلافت پر تو ہوا مگر افضلیت پر نہیں ہوا، اور ہم متعدد حوالہ جات کے ساتھ واضح کر چکے ہیں کہ خلافت کی قطعیت افضلیت کی قطعیت کو لازم نہیں۔

سیدنا علی ﷺ کی افضلیت پر بھی کسی زمانے میں کوئی اجماع نہیں ہوا، البتہ اکابر محدثین کرام کے مطابق اُن کے فضائل و مناقب میں دوسرے صحابہ کرام ﷺ کی بنسبت احادیث نبویہ ﷺ زیادہ آئی ہیں، اور یہ اُن کی افضلیت کا ایک پہلو ہے۔ ہر چند کہ بر صغیر کے بعض مشائخ نے افضلیتِ مرتضوی کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن اُن سے بڑے علماء کرام نے اس پہلو کو سیدنا علی ﷺ کی افضلیت کی ایک جہت کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ امام سعد الدین تفتازانی متوفیٰ ۷۹۳ھ نے پہلے لکھا:

وَالسَّلَفُ كَانُوا مُتَوَقِّفِينَ فِي تَفۡضِيلِ عُثۡمَانَ ﷺ حَيۡثُ جَعَلُوا مِنۡ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالۡجَمَاعَةِ تَفۡضِيلَ الشَّيۡخَيۡنِ وَمَحَبَّةِ الۡخَتَنَيۡنِ.

"اسلاف نے سیدنا عثمان ﷺ کی تفضیل میں توقف کیا ہے، بایں وجہ کہ اُنہوں نے تفضیلِ شیخین اور محبتِ ختنین ﷺ کو اہل سنت و جماعت کی علامت بنایا ہے"۔

اور پھر اس پر اُنہوں نے اپنا فیصلہ یوں دیا ہے:

وَالۡإِنۡصَافُ أَنَّهُ إِنۡ أُرِيدَ بِالۡأَفۡضَلِيَّةِ كَثۡرَةُ الثَّوَابِ فَلِلتَّوَقُّفِ جِهَةٌ، وَإِنۡ أُرِيدَ كَثۡرَةُ مَا يَعُدُّهُ ذَوُو الۡعُقُولِ مِنَ الۡفَضَائِلِ، فَلَا.

"انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرتِ ثواب کا ارادہ کیا جائے تو پھر توقف کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے، اور اگر افضلیت سے وہ کچھ مراد لیا کیا جائے

جسے اہل عقل فضائل میں شمار کرتے ہیں تو پھر توقف کی کوئی وجہ نہیں"۔[1]

ہمارا ایمان بھی اِسی پر ہے کہ جس کے فضائل میں احادیث وآثار زیادہ آئے ہیں وہی سب سے افضل ہے۔ الحمدللہ ہمارا موقف معلوم چیز پر ہے جبکہ کثرتِ ثواب کا چکر چلانے والوں کا عقیدہ غیر معلوم چیز پر ہے، کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ کس کا ثواب زیادہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کثرتِ ثواب کا چکر چلانے والے ہمیشہ شش وپنج میں مبتلا رہیں گے جبکہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق ہمارا ایمان ہے کہ اہل البیت کے اعمال کا ثواب غیر اہل بیت سے زیادہ ہے اور پھر احادیث مبارکہ کی تخصیص سے اہل البیت میں سے اہل کساء علیہم السلام کا ثواب اُن سے بھی زیادہ ہے۔

فتوائے رفض کی عجیب وجہ

امام تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس عبارت کے آخر میں لفظ ''فَلَا'' سے کس طرف اشارہ ہے؟ اس کی توضیح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ مُحَشٍّ آخَرٍ : أَيْ فَلَا جِهَةٌ لِلتَّوَقُّفِ بَلْ يَجِبُ أَنْ يُجْزَمَ بِأَفْضَلِيَّةِ عَلِيٍّ ﷺ ،إِذْ قَدْ تَوَاتَرَ فِي حَقِّهِ مَا يَدُلُّ عَلَى عُمُومِ مَنَاقِبِهِ وَوُفُورِ فَضَائِلِهِ وَاتِّصَافِهِ بِالْكَمَالَاتِ وَاخْتِصَاصِهِ بِالْكَرَامَاتِ ، هٰذَا هُوَ الْمَفْهُومُ مِنْ سُوقِ الْكَلَامِ.

وَلِذَا قِيْلَ: فِيْهِ رَائِحَةُ الرَّفْضِ . لٰكِنَّهٗ فِرْيَةٌ بِلَا مِرْيَةٍ ، إِذْ كَثْرَةُ فَضَائِلِ عَلِيٍّ ﷺ ،وَكَمَالَاتِهِ الْعُلْيَةِ ، وَتَوَاتُرُ النَّقْلِ فِيْهِ مَعْنًى

(1) شرح العقائد النسفية، مكتبة الحسن، لاهور، ص ۱۵۰؛ ومكتبة المدينة كراچي ص ۳۲۳، ۳۲۴۔

بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ لِأَحَدٍ إِنْكَارُهُ ،وَلَوْ كَانَ هٰذَا رَفْضًا وَتَرْكًا لِلسُّنَّةِ لَمْ يُوجَدْ مِنْ أَهْلِ الرِّوَايَةِ وَالدِّرَايَةِ سُنِّيٌّ أَصْلاً.

''اور بعض حاشیہ نگاروں نے کہا ہے: توقف کی کوئی وجہ نہیں بلکہ واجب ہے کہ سیدنا علی ﷛ کی افضلیت کا یقین رکھا جائے، کیونکہ اُن کے حق میں تواتر کے ساتھ جو کچھ منقول ہے وہ اُن کے فضائل ومناقب کی کثرت ووسعت پر دلالت کرتا ہے، اور اُن کا کمالات سے متصف ہونا اور کرامات سے مختص ہونا بھی توقف کے منافی ہے، یہ مصنف کے سیاقِ کلام کا مفہوم ہے۔

اسی لیے کہا گیا کہ اس کلام میں رفض کی بدبو ہے، لیکن یہ بہتان ہے، بایں وجہ کی سیدنا علی ﷛ کے فضائل کی کثرت اور اُن کے کمالات کی رفعت اور اُن میں دلائل منقولہ کا تواتر کے ساتھ اس حیثیت سے منقول ہونا کہ کسی سے اُس تواتر کا انکار ممکن ہی نہیں، اور اگر یہ رفض اور ترکِ سنت ہے تو پھر اہلِ روایت اور درایت میں قطعاً کوئی بھی سنی نہیں پایا جاسکتا''۔(1)

اس سے معلوم ہوا کہ فضائل مرتضوی میں منقول احادیث نبویہ کو نظر انداز کر کے اُن کی جگہ علماء کے عقلی مفروضہ کو لانا شریعت گھڑنے کے مترادف ہے اور ایسی جرأت علماءِ حق نہیں بلکہ علماءِ سوء ہی کرسکتے ہیں۔ ہم ایسے قول ومذہب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں جو قرآن وسنت سے متصادم ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا تضاد

مذکورالصدر کلام کے بعد ملا علی قاری نے سیدنا ابو بکر ﷛ کی افضلیت کو قطعی لکھ دیا ہے،

---

(1) شرح الفقہ الأکبر ص ۱۰۰، وط: ص ۱۸۸۔

اور چونکہ راقم اپنے موقف کے منافی دلائل سے نظریں چرا کر آگے نکل جانا اپنے ضمیر اور دین کے خلاف سمجھتا ہے، اس لیے یہاں اُن کی اُس عبارت کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

وَالَّذِي أَعْتَقِدُهُ، وَفِي دِينِ اللهِ أَعْتَمِدُهُ أَنَّ تَفْضِيلَ أَبِي بَكْرٍ رضي الله عنه قَطْعِيٌّ.

”جس بات پر میرا اعتقاد ہے اور جس کو میں خدا کا دین سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل قطعی ہے“۔(1)

اس پر میں سر دست اتنا عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنے اعتقاد و دین میں خود مختار ہے لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ کا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل کو قطعی کہنا نہ صرف یہ کہ دوسرے دلائل کی روشنی میں مردود ہے بلکہ خود اُن کی اپنی تحقیق کے بھی خلاف ہے۔ اس کی مکمل تفصیل آگے آئے گی۔

فضائل مرتضوی میں وارد شدہ احادیث کا معیار

شاید کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کثیر احادیث منقول تو ہیں مگر وہ موضوع یا ضعیف ہیں یا سند کے لحاظ سے غیر معیاری ہیں۔ اس پر ہم عرض کرتے ہیں کہ اکابر محدثین کرام اور نامور نقادِ فنِ حدیث علماء نے جہاں اُن احادیث کی کثرت کا قول کیا ہے وہیں اُنہوں نے اُن احادیث کا معیار بھی بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ امام ابن عبد البر، حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں:

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلَ وَإِسْمَاعِيلُ الْقَاضِي: لَمْ يُرْوَ فِي حَقِّ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ بِالْأَسَانِيدِ الْحِسَانِ [الاستيعاب] بِالْأَسَانِيدِ الْجِيَادِ [فتح

---

(1) شرح الفقه الأكبر ص ۱۱۰، و ط: ۱۸۹۔

الباري] أَكْثَرُ مَا جَاءَ فِي عَلِيٍّ، وَكَذٰلِكَ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ عَلِيٍّ النَّسَائِيُّ رَحِمَهُ اللهُ.

"امام احمد اور امام اسماعیل القاضی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: عمدہ سندوں کے ساتھ جس کثرت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں احادیث آئیں اتنی کسی دوسرے صحابی کی شان میں نہیں آئیں، اور اسی طرح امام احمد بن شعیب بن علی النسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے"۔ (1)

اِن میں سے اکثر کتب میں اِن احادیث کے جیاد اور حسن ہونے کی تصریح ہے۔ نیز امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خصائص علي" بتحقيق البلوشي میں [۱۹۴] احادیث ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے حق میں فرمایا ہے:

أَكْثَرُهَا جِيَادٌ.

"اُن کی اکثریت جید ہے"۔ (2)

تفضیلِ صدیقی رضی اللہ عنہ کے قائلین کی حدیث پر جرأت

---

(1) الاستيعاب ج۳ص ۲۱۳؛ فتح الباري ج۷ص ۴۳۴؛ المستدرک ج۳ص ۱۰۷ وط: ج۴ ص ۶۹، ح۴۶۲۸؛ التوضيح لابن الملقن ج ۲۰ ص ۳۰۴؛ تهذيب التهذيب ج۵ ص ۷۰۱؛ أسنى المطالب في مناقب سيدنا علي بن أبي طالب للجزري ص ۱۱، وط: ص ۴۶، ۴۷؛ المنح المكية لابن حجر مكي ص ۵۷۸؛ الصواعق المحرقة ص ۱۲۰؛ فيض القدير ج ۸ ص ۴۰۴۲ حديث ۵۵۸۹؛ جواهر العقدين للسمهودي ص ۲۵۱؛ مرقاة شرح المشكاة ج ۱۰ ص ۴۵۳؛ شرح سنن ابن ماجه للسندهي ج ۱ ص ۸۲؛ نظام الحكومة النبوية للكتاني ج ۲ ص ۲۵۱؛ تحفة الأحوذي للمباركفوري ج ۱۰ ص ۱۹۷۔

(2) الإصابة ج۴ ص ۴۶۵۔

بعض اسلاف اور ہمارے کرم فرما مفتی صاحب دونوں حنفی ہیں، حیرت ہے کہ اُنہوں نے کیسے احادیث کے مقابلے میں نامعلوم علماء کے قول کو ترجیح دے ڈالی، حالانکہ امام اعظم ابو حنیفہ ﷺ تو سند کے لحاظ سے ضعیف حدیث کو بھی شخصی رائے پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ مشہور نقادِ حدیث امام ذہبی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ابن حزم ظاہری سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

جَمِيعُ أَصْحَابِ حَنِيفَةَ مُجْمِعُونَ عَلَى أَنَّ مَذْهَبَ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ ضَعِيفَ الْحَدِيثِ أَوْلَى عِنْدَهُ مِنَ الْقِيَاسِ وَالرَّأْيِ.

"امام ابو حنیفہ ﷺ کے تمام پیروکار اس امر پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ ﷺ کا مذہب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک سنداً ضعیف حدیث قیاس اور رائے سے بہتر ہے"۔(1)

علامہ ابن قیم حنبلی، علامہ ابن حجر مکی شافعی علامہ صالحی شامی اور علامہ ظفر احمد عثمانی حنفی تھانوی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔(2)

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ ﷺ فقط ایک ضعیف حدیث کو ذاتی رائے پر فوقیت دیں اور اُن کے مقلدین بکثرت احادیثِ صحیحہ، جیدہ اور حسنہ پر علماء کی رائے کو ترجیح دیں اور کہیں کہ مسئلہ افضلیت میں فضائلِ منقولہ نہیں بلکہ علماء کا خود ساختہ اصول چلے گا۔ کس قدر خطرناک بات ہے! کیا دین اسی طرزِ عمل کو کہتے ہیں، کیا حنفیت اسی کا نام ہے اور کیا سنیت اسی پر قائم ہے؟

افضلیت کا سبب کوئی اور چیز ہے، وہ کیا ہے؟

---

(1) مناقب الإمام أبي حنيفة للذهبي ص ٣٤۔

(2) إعلام الموقعين لابن القيم ج ١ ص ٨٢، وط: ج ٢ ص ١٤٥؛ الخيرات الحسان لابن حجر مكي ص ٦٣؛ عقود الجمان للصالحي ص ٢٨٢؛ قواعد في علوم الحديث ص ٩٥۔

مجھ عاجز کے خلاف جو فتویٰ پھیلایا گیا تھا اُس میں ایک مقام پر یوں بھی مرقوم تھا:

''معلوم ہوا افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اور اس وجہِ افضلیت پر اطلاع اُنہی نفوس قدسیہ کو ہو سکتی ہے جن کو وحی الٰہی کا مشاہدہ حاصل تھا، صراحتہً یا قرائن سے ہوا اور وہ نفوس قدسیہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ تھے۔ (مکتوبات شریف، دفتر اول، مکتوب نمبر: ۲۶۶ طبع مکتبہ مدینہ لاہور)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ لوگ معلوم کی بجائے مجہول کو اپنا عقیدہ بنائیں۔ مذکورہ فتویٰ میں جسے ''کوئی اور چیز'' کہا گیا ہے، آخر وہ کیا ہے؟

دراصل اس عبارت سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ صحابہ کرام ﷡ نے جو سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کو خلیفہ منتخب فرمایا تھا تو اُس کا سبب اُن کی وہ افضلیت تھی جس کو صحابہ کرام ﷡ تو سمجھتے تھے مگر بعد والوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ وہی بات ہے جو امام اشعری نے کہی کہ ''چونکہ سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کی خلافت واجب ہوگئی، لہٰذا اُن کی افضلیت بھی واجب ہوگئی''۔ اس کو علامہ اشعری نے اجماع اور قطعیت تصور کر لیا، اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُن کے اِس مفروضہ کو خود اُن کے اشاعرہ نے بھی تسلیم نہیں کیا اور واضح طور پر لکھ دیا کہ خلافت کی قطعیت افضلیت کی قطعیت کو لازم نہیں۔

بہر حال مجھ فقیر پر فتویٰ جڑنے والے مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ '' افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے علاوہ کوئی اور چیز ہے'' بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ افضلیت کے صریح دلائل لانے سے وہ قاصر رہے اور اس مسئلہ میں اُن کا دارومدار اُس مفروضہ پر ہے جس کو اُنہوں نے ''کوئی اور چیز'' سے تعبیر کیا ہے۔

خلیفۂ اول کے تفضیلیوں کا شخصی قول کو حدیث بنانا

راقم الحروف کا ماننا ہے کہ خلافت کی ترتیب افضلیت کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے، یعنی یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ جس کو اوّل خلیفہ منتخب کیا گیا تو وہ دوسرے سے افضل ہے، اور جس کو دوسرے نمبر پر خلیفہ چنا گیا تو وہ تیسرے سے افضل ہے اور جس کو تیسرے نمبر خلیفہ بنایا گیا تو وہ چوتھے سے افضل ہے۔ اگر اِس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یوں کہا جائے تو نامناسب نہیں ہوگا کہ جس کو خلیفہ منتخب کیا گیا ضروری نہیں ہے کہ وہ غیر خلیفہ سے افضل ہو۔

کسی بھی شخص کو خلیفہ منتخب کرتے وقت صحابہ کرام ﷺ کے مابین کوئی مفاضلہ نہیں ہوا تھا لیکن تفضیلِ صدیقی کو جبراً اور تحکماً منوانے والوں کا دعویٰ ہے کہ افضلیت ہی کو مد نظر رکھتے ہوئے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا۔ یہ اکثر اُن تفضیلیوں کا دعویٰ ہے جو تفضیلِ صدیقی کے قائل ہیں مگر ہم بطورِ نمونہ ایک حوالہ پیش کر رہے ہیں۔ مفتی مطیع الرحمان رضوی ہندی علامہ نبہانی کے ایک جملہ کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ونثبت الخلافة بعد رسول الله اولا لابي بكر الصديق تفضيلا له و تقديما على جميع الامة۔
>
> ''حضرت ابو بکر صدیق کے اول خلیفہ ہونے کی دلیل، ان کا پوری امت سے افضل ہونا ہے۔''
>
> یعنی خلافت میں ابو بکر صدیق کی تقدیم کے اجماع کی بنیاد پر افضلیت میں ان کی تقدیم پر اجماع کو نہیں مانا گیا ہے، بلکہ ان کی افضلیت میں تقدیم کے اجماع کی بنیاد پر خلافت میں تقدیم پر اجماع ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں افضلیت پر اجماع کی بنیاد و سند تو دراصل وہ ''عظیم شے'' ہے جو حضرت ابو بکر کے دل میں

ودیعت رکھی تھی جس کی وجہ سے مشہور و متواتر معنوی حدیثوں میں ان کو افضل کہا گیا ہے۔ اور خلافت میں تقدیم پر اجماع کی بنیاد و سند ان کی افضلیت ہے، کیوں کہ خلافت امر باطنی نہیں، امر ظاہری ہے اور گفتگو افضلیت باطنیہ مطلقہ میں ہے۔ لہٰذا افضلیت، خلافت پر متفرع ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ خلافت ہی افضلیت پر متفرع ہے۔ صحابہ کرام ابو بکر صدیق پر متفق اسی لیے ہوئے تھے کہ وہ فرمان رسالت کے مطابق ان کو افضل سمجھتے تھے ان کے سامنے زبان رسالت کی یہ گواہی موجود تھی کہ:

انه لم يفضلكم بكثر صلاة ولا صيام ولكن بشيء وقر في صدره.

"ابو بکر نماز روزے کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے بلکہ اس چیز کی وجہ سے جو ان کے سینے میں ودیعت کر دی گئی ہے"۔ (1)

مفتی شیر محمد خان استاذ دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف نے بھی اِن الفاظ کو حدیث نبوی کے طور پر نقل کیا ہے۔ (2)

مولوی اشرف آصف جلالی نے بھی اِس شخصی قول کو حدیث کے طور پر پیش کیا ہے۔ (3)

راقم الحروف عرض کرتا ہے: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرنے والے تفضیلیو! ذرا ہوش کے ناخن لو! یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے بلکہ یہ ایک شخص بکر بن عبد اللہ المزنی کا قول ہے جسے علمِ حدیث میں مہارت نہ رکھنے والے صوفیہ نے حدیث تصور کر لیا لیکن محدثین کرام نے

---

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ للمفتي مطيع الرحمان ص ۱۹۱، ۱۹۰۔

(2) تقریظ ضربِ حیدري، طبع بار پنجم ص ۳۵۔

(3) تقریظ ضربِ حیدري، طبع بار پنجم ص ۷۴۔

واضح کر دیا کہ یہ کسی شخص کا قول ہے حدیث نبوی نہیں ہے۔ چنانچہ درجِ ذیل کتب میں اِس قول کو حدیث گمان کرتے ہوئے لیا گیا ہے:[1]

قولِ شخص کو حدیث نبوی بنادیا!

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ ایک شخص بکر بن عبد اللہ المزنی کا قول ہے۔ چنانچہ مشہور محدث امام زین الدین العراقی فرماتے ہیں:

لَمْ أَجِدْهُ مَرْفُوْعًا.

"میں نے اسے حضور ﷺ سے ثابت نہیں پایا"۔[2]

امام سخاوی، امام ابن طولون، ملا علی قاری، امام زبیدی، علامہ عجلونی، علامہ الحوت البیروتی اور علامہ قاوُقجی نے بھی علامہ عراقی کی پیروی میں یہی بات کہی ہے۔[3]

---

(1) نوادر الأصول ج ۱ ص ۲۶۶؛ اللمع في تاريخ التصوف ص ۱۱۸؛ إحياء علوم الدين ج ۱ ص ۲۹ وص ۹۷؛ ميزان العمل للغزالي ص ۱۳۵؛ الباقيات الصالحات ص ۸۴؛ الفتوحات المكية ج ۶ ص ۱۴۴؛ اليواقيت والجواهر ج ۲ ص ۷۳ وط: ص ۴۳۷؛ الكبريت الأحمر على هامش اليواقيت والجواهر ج ۲ ص ۵۴ وط: ص ۶۴۳؛ تذكرة أولى البصائر لابن الجوزي ص ۳۳۹؛ منح المنة للشعراني ص ۱۶۔

(2) المغني عن حمل الأسفار في تخريج مافى الإحياء من الأخبار، على هامش الإحياء ج ۱ ص ۲۹۔

(3) المقاصد الحسنة ح ۹۷۰؛ الشذرة فى الأحاديث المشتهرة ح ۷۳۲؛ الأسرار المرفوعة للقاري ح ۸۰۱؛ المصنوع في معرفة الحديث الموضوع للقاري ح ۲۸۵؛ إتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۳۹۲؛ كشف الخفاء ح ۲۲۲۶؛ أسنى المطالب للحوت ح ۱۲۷۰؛ الأحاديث المشكلة فى الرتبة للحوت البيروتي ص ۲۲۵؛ اللؤلؤ المرصوع ص ۱۶۱۔

علامہ ابن قیم نے اِس کو حضرت ابو بکر بن عیاش کے قول کے طور پر نقل کیا ہے۔[1]

عجیب بات یہ ہے کہ خود مفتی مطیع الرحمان رضوی صاحب اِس سے قبل اپنی اِسی کتاب میں اِن الفاظ کو حدیث نبوی کے طور پر نہیں بلکہ بکر بن عبد اللہ المزنی کے قول کے طور پر نقل کر چکے ہیں لیکن خدا جانے کہ آگے چل کر اُنہیں کیا ہو گیا کہ اُنہوں نے عمداً اِس شخصی قول کو نہ صرف یہ کہ حدیث نبوی بنا دیا بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ صحابہ کرام ﷺ نے اِسی حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے سیدنا ابو بکر ﷺ کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

سینۂ صدیقی میں کون سی خاص چیز ودیعت کی گئی تھی؟

افضلیتِ صدیقی کی قطعیت کے مدعی تفضیلی لوگ شیعہ کی ضد میں اُن کی افضلیت کا قول کر تو بیٹھے ہیں مگر پھنس گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کثرتِ ثواب کا چکر بھی چلاتے ہیں اور پھر ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ کس کا ثواب زیادہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہے۔ چنانچہ مفتی مطیع الرحمان رضوی صاحب بحوالہ ''النبراس'' لکھتے ہیں:

''فلا يخفى ان كثرة الثواب لاتعلم الا باخبار الشارع ولا مدخل فيه للعقل والمناقب الظاهرة ،فاحفظ.

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ ثواب کی کثرت شارع کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی، جس میں عقل اور ظاہری مناقب کا کوئی دخل نہیں''۔[2]

چالاکی دیکھیے کہ احادیث مبارکہ میں جو کھلم کھلا فضائل و مناقب آئے ہیں اُن کو بھی اور عقل کو بھی

(1) مفتاح دار السعادة ج ۱ ص ۱۲۲، وط: ص ۲۲۷۔

(2) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ للمفتي مطیع الرحمان ص ۷۱، ۷۰۔

کسی کی افضلیت میں دخل نہیں ہے لیکن اِن لوگوں کا خود ساختہ قاعدہ جو احادیث کے بھی خلاف ہے اور جو سمجھ بھی نہیں آتا وہ افضلیتِ صدیقی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ شاباش!

ایک جھوٹی روایت کے لیے دوسری جھوٹی روایت

مذکور الصدر جعلی اور من گھڑت روایت ''ولکن بشیء وقر في صدرہ'' کے ذریعے مکاری کی گئی ہے، تاکہ سادہ مسلمان حیرت زدہ رہ جائے کہ کوئی تو ایسی ماورائے عقل چیز ضرور ہو گی جو سینۂ ابی بکر میں رکھی گئی تو وہ سب پر فائق ہو گئے۔ یہ بات بھی بعینہٖ اسی طرح حیران و ششدر کرنے کے لیے کہی گئی ہے کہ افضلیت کا دارومدار کثرتِ ثواب پر ہے لیکن اُسے فقط شارع علیہ السلام ہی جانتے ہیں۔ بندہ پوچھے کہ پھر تمہیں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیسے معلوم ہوا کہ ثواب میں سب سے بڑھ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں؟ کیا اِس پر شارع علیہ السلام سے کوئی نقلی ثبوت ہے؟ اگر ہے تو پیش فرمایئے اور مسلمانوں کو حیرت نہیں بلکہ اطمینان فراہم کیجئے!

کب تک لوگوں کو ''ولکن بشیء وقر في صدرہ'' جیسی جھوٹی روایات سے حیرت زدہ کرتے رہو گے؟ کیا شیعہ کے تعصّب میں جھوٹی روایات بیان کرنا جائز ہے؟ کیوں اپنی اور سادہ لوح مسلمانوں کی آخرت برباد کرتے ہو؟ جھوٹ اور دجل وفریب کبھی چھپ نہیں سکتا اور ایک جھوٹ کے لیے کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ چنانچہ خلیفۂ اول کے تفضیلیوں نے ''ولکن بشیء وقر في صدرہ'' کے جھوٹ کو ہضم کرانے کے لیے ایک اور جعلی روایت یوں بیان کی ہے:

> ''ما اوحی الی شیء الا صببتہ في صدر ابي بکر۔ یعنی جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا ہے میں نے وہ سب ابو بکر کے سینے میں انڈیل دیا ہے''۔[1]

---

(1) ضرب حیدری بار اول ص 58 و بار پنجم ص 143۔

یہ موضوع و جعلی حدیث مولوی اشرف آصف جلالی نے بھی اپنی تقریظ میں لکھ ماری ہے۔[1]

مگر یہ حدیث نبوی نہیں بلکہ جھوٹی اور باطل روایت ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم حنبلی، علامہ مجد الدین فیروز آبادی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا علی قاری، علامہ محمد طاہر پٹنی، شیخ محمد درویش الحوت، قاضی شوکانی اور شیخ ابو غدۃ رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ موضوع (گھڑی ہوئی) روایت ہے۔[2]

خلیفۂ اول کے تفضیلیوں کا دھندا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عمداً موضوع و باطل روایات بیان کرنے اور اُن پر دھندا کرنے سے محفوظ رکھے، ورنہ بڑے بڑے شہسوار لوگ اِس کھائی میں گر جاتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہِ شہرت ہی موضوع روایات کی نشاندھی اور اُن کی بیخ کنی ہے۔ شاید اُمتِ مسلمہ میں باقاعدہ سب سے پہلے جس محدث نے موضوع روایات کو یکجا جمع کر کے "الموضوعات" کے نام سے کتاب تیار کی ہے وہ یہی ہیں لیکن افسوس کہ اپنی سنیت کے ثبوت کے لیے سیدنا ابو بکرؓ کی تفضیل میں اُن سے بھی ''وَلٰكِنْ بِشَيْءٍ وُقِّرَ فِي صَدْرِهٖ'' کی جھوٹی اور باطل روایت کے ساتھ ساتھ اور بھی باطل روایات درج ہو گئیں۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر ترتیبِ خلافت کے مطابق ترتیبِ

---

(1) تقریظ: ضربِ حیدري ص ۴۷، ماھنامه العاقب ص ۲۹ محرم 1413ھ، جنوری 2010ء۔

(2) المنار المنيف لابن القيم ص ۱۱۵، ح ۲۴۰، وط: ص ۱۰۸؛ سفر السعادة للفيروز آبادي ص ۲۸۰؛ شرح سفر السعادة للدهلوي ص ۵۲۱؛ الأسرار المرفوعة لعلي القاري ص ۳۴۲ ح ۱۳۰۱؛ تذكرة الموضوعات للفتني ص ۹۳، وط: ص ۱۴۹ ح ۶۳۴؛ أسنى المطالب للحوت ص ۲۷۰ ح ۱۲۶۲؛ الفوائد المجموعة للشوكاني ص ۳۶۰، لمحات من تاريخ السنة لأبي غدّة ص ۹۹۔

افضلیت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"پس اگر کہنے والا کہے کہ پھر سیدنا علی ﷜ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُن کے قرب اور قرابت کے باوجود مؤخر کیوں کیا گیا،؟جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب تھا کہ وہ خلافت کو سیدنا علی ﷜ پر ختم فرمائے جیسا کہ اُسے محبوب تھا کہ وہ نبوت کو اپنے نبی محمد ﷺ پر ختم فرمائے۔ پھر اگر کہا جائے کہ پھر تو واجب ہے کہ سیدنا علی ﷜ اُن سب سے افضل ہوں، کیونکہ وہ اُن سب کے خاتم ہیں جیسا کہ سیدنا محمد ﷺ خاتم الرسل ہیں اور سب رسولوں سے افضل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ایسا ہی ہوتا اگر سیدنا ابو بکر و عمر ﷠ کی تفضیل میں نص نہ آئی ہوتی، جیسا کہ پیچھے گزر چکا اور جیسا کہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مِثْلُ أَبِيْ بَكْرٍ لَا تَلِدُ أُمٌّ.(1)

"ابو بکر ﷜ کی مثل کسی ماں نے نہیں جنا"۔

اور جیسا کہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ:

مَا سَبَقَكُمْ أَبُوبَكْرٍ بِكَثْرَةِ صَوْمٍ وَلَاصَدَقَةٍ .وَلٰكِنْ بِشَيْءٍ وُقِرَفِي صَدْرِهٖ.(2)

---

(1) یہ روایت جھوٹی ہے، چنانچہ خود اِسی کتاب کے محققین عبد القادر الارنؤوط اور طالب عواد نے نیچے حاشیہ نمبر ایک میں لکھا ہے: "اِس کی سند میں بشیر بن مقاتل ہے جس کو علی بن المدینی نے جھوٹا قرار دیا ہے اور امام دار قطنی نے کہا: وہ کذاب و متروک ہے۔ فلّاس اور دوسرے محدثین نے کہا: متروک ہے"۔(تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۳۴۴) فیضی

(2) اِس راویت کا باطل اور جھوٹا ہونا مذکورہ بالا سطور میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے، لہٰذا امام ابن جوزی نے جس بنیاد پر تفضیلِ صدیقی کا قول کیا تھا جب وہ بنیاد ہی منہدم ہو گئی تو کیا باقی عمارت ہوا پر کھڑی ہو گی؟

"ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تم پر کثرتِ روزہ اور خیرات سے سبقت نہیں کی لیکن اُس چیز سے سبقت کی جو اُن کے سینے میں رکھی گئی ہے"۔ (1)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا موضوع روایات بیان کرنا

مذہبی تعصّب یعنی اپنی مذہبی ٹانگ اوپر رکھنے میں بڑے بڑے لوگوں سے ایسا ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ آپ حیران ہوں گے کہ فاضل بریلوی ایسے قد آور مصنف سے بھی تفضیلِ شیخین میں بکثرت موضوع روایات درج ہو گئیں۔اِس بات کا اعتراف خود وکلائے اعلیٰ حضرت کو بھی ہے لیکن اُنہوں نے اِس اعتراض کو بدنامِ زمانہ سیاست دانوں کی طرح اُڑانے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح کرپٹ سیاستدانوں کے مفاد پرست نمائندگان ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ اگر ہمارا لیڈر کرپٹ ہے تو تمہارا لیڈر کون سا دودھ کا دُھلا ہوا ہے؟ اِسی انداز میں بعض مذہبی عشاقانِ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

"بعض احباب نے اعلیٰ حضرت کی اس کتاب پر اعتراض کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ اس میں چند ایک روایات موضوع ہیں۔ اس بارے میں اتنا عرض کر دوں کہ جن کی تصانیف خود موضوع روایات سے بھری پڑی ہوں اُنہیں اعلیٰ حضرت کی کتاب میں موضوع روایات پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ مزید یہ کہ اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ اعلیٰ حضرت اور اُس دور کے علماء کرام احادیث کو جامع الاحادیث یا کنز العمال سے نقل کرتے تھے۔ اور ان کتابوں

(1) تذكرة أولي البصائر في معرفة الكبائر، لابن الجوزي ص ۳۳۹۔

میں حدیث کی سند موجود نہیں ہوتی۔ لٰہذا اعلیٰ حضرت پر اعتراض کیسا؟"۔[1]

اِس ناجائز دفاع پر دو باتیں عرض کرتا ہوں:

۱۔ مطلع القمرین میں چند ایک نہیں بلکہ بکثرت موضوع روایات ہیں۔

۲۔ اگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حدیث کی امہات الکتب نہیں تھیں اور اُنہوں نے تمہارے بقول امام سیوطی کی "جامع الأحادیث الکبیر" یا امام علی متقی ہندی کی "کنز العمال" سے کام چلایا ہے تو پھر اب تم تو اِس میں درج شدہ موضوع روایات سے باز آجاؤ اور "مطلع القمرین" کی ہر روایت کے بارے میں وضاحت کردو کہ فلاں موضوع ہے، فلاں ضعیف ہے، اور فلاں ضعیف جداً ہے اور فلاں صحیح یا حسن ہے۔ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ تم اِس مجموعہ تضادات کتاب کو منوانے پر یوں میدان میں اُترے ہو گویا کہ یہ صحیفہ آسمانی ہے۔

راقم الحروف نے اپنے بعض احباب کو عرض کیا ہے کہ الدِّینُ النَّصِیحَۃُ (دین خیر خواہی ہے) کے جذبہ کے تحت "مطلع القمرین" کا ناقدانہ جائزہ لے کر قوم کے سامنے پیش کریں تاکہ قوم پر صحیح و سقیم اور صواب و خطا واضح ہو جائے۔ ان شاء اللہ جلد یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے گا جس سے اعلیٰ حضرت ﷫ کی روحِ مبارک شاداں ہو گی اور اُن کے غالی محبین کی روسیاہی ہو گی۔

"وَسَیُجَنَّبُهَا الْأَتْقَی" سے افضلیت کا دعویٰ

چند سال قبل میرے خلاف جو فتویٰ تقسیم کیا گیا تھا اُس میں مفتی صاحب نے لکھا تھا:

"ارشاد باری تعالیٰ ہے "وسیجنبها الاتقی. الذی یؤتي ماله یتزکی"

(1) مطلع القمرین [عرض مرتب] ص ۸، کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور۔

اور اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیز گار، جو اپنا مال (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اعلیٰ درجے کی) پاکیزگی حاصل کرے" (سورۃ اللیل، آیت: ۱۷۔۱۸) حضرت قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "والآیات نزلت فی ابی بکر رضي الله عنه یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں۔ (تفسیر بیضاوی، جزء:۵، ص:۳۱۸ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت) میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"قال اکثر المفسرین و قد اعتمد علیه العلماء انها نزلت فی ابی بکر وهو اتقی ومن هو اتقی هو اکرم عند الله تعالیٰ لقوله تعالیٰ ان اکرمکم عند الله اتقاکم وهو ای الاکرم عند الله اتقاکم هو الافضل فابو بکر افضل ممن سواه من الامة۔

"اکثر مفسرین فرماتے ہیں اور اسی پر باقی علماء کرام کا بھی اعتماد ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ ہی سب سے بڑے متقی ہیں اور جو سب سے بڑا متقی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی فضیلت والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ "تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہے" جو اکرم ہو وہی افضل ہوتا ہے (ثابت ہوا) امت میں سب سے افضل سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں (شرح مواقف، ص:۴۷۱)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابوبکر"، "ہمارے تمام

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" (تفسیر کبیر للرازی، سورۃ اللیل، زیر تحت آیت ۱۷۔۱۸ بیروت)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بے شک جمہور کے قول کے مطابق یہ آیات سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی نازل ہوئیں لیکن اس پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا اجماع کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ کیا مفسرین کرام کا طبقہ پوری امت ہے، اور کیا فقط اُن کے اجماع کو اجماعِ امت کا درجہ حاصل ہے؟ ہرگز نہیں، پھر اس پر تمام مفسرین کا اجماع بھی نہیں بلکہ اکثر مفسرین کرام نے شانِ نزول میں بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مفسرین کرام نے اس سلسلے میں ایک دل چسپ اور طویل واقعہ بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"ایک شخص کے گھر میں کھجور کا درخت تھا اور وہ ایک غریب پڑوسی کے گھر کی طرف جھکا ہوا تھا، جب مالک کھجور توڑتا تو کچھ کھجوریں ہمسائے کے گھر میں گر جاتیں، اُس کے بچے اُنہیں اٹھا کر کھانے لگتے تو مالک اُن سے چھین لیتا، بعض مرتبہ تو اُس نے ایک بچے کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور نکال لی۔ یہ بات آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پہنچی تو آپ نے کھجور کے مالک کو فرمایا: یہ درخت تم اپنے پڑوسی کو دے دو ہم اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں درخت عطا فرماتے ہیں لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ ایک صحابی یہ بات سن رہے تھے، وہ اس درخت کو خریدنے میں کوشاں ہو گئے، بالآخر وہ چالیس درختوں کے بدلے میں اُس درخت کو خریدنے میں کامیاب ہو گئے اور اُسے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا اور آپ نے وہ غریب پڑوسی کو عطا کر دیا، اس پر آخر تک یہ

سورت نازل ہوئی"۔[1]

بعض مفسرین نے کھجور خرید کر پیش کرنے والے کا نام سیدنا ابو الدحداح انصاری رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو "غریب جدا" اور امام سیوطی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے مگر موضوع نہیں کہا۔ اس حدیث پر ایک اور اعتراض بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ یہ سورت مکی ہے جبکہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے، لیکن یہ خلش علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت سے دور ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جمہور کا قول ہے کہ یہ مکی سورت ہے، علی بن ابی طلحہ نے کہا ہے کہ مدنی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا کچھ حصہ مکی ہے اور کچھ مدنی ہے"۔[2]

لہٰذا یہ کہنا کہ یہ سورت فقط سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی اور پھر اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا درست نہیں۔ اجماع کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی جبکہ علامہ آلوسی اس کے سببِ نزول میں اختلاف کا ذکر کر چکے ہیں، اسی لیے شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الأَتْقَى الَّذِيْ﴾ وغیر ذلك محتمل التاويل است، فلا يفيد القطع.

"﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الأَتْقَى الَّذِيْ﴾ وغیرہا آیات میں تاویل کا احتمال ہے، لہٰذا یہ

---

(1) تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم ج ١٠ ص ٣٤٣٩؛ تاويلات أهل السنة ج ٥ ص ٤٧٣؛ تفسير بحر العلوم للسمرقندي ج ٣ ص ٤٨٥؛ أسباب النزول للواحدي ص ٤١٧؛ الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ج ٢٢ ص ٣٣٤؛ معالم التنزيل للبغوي ج ٨ ص ٤٤٦؛ إرشاد الرحمان لأسباب النزول للأجهوري ص ٧٧٧.

(2) روح المعاني ج ٢٩ ص ٧٩.

قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں"۔ (1)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ کوئی آیت بطور شانِ نزول کسی کے حق میں نازل ہو تو ضروری نہیں کہ اُس آیت میں مذکور شان میں وہ شخص سب سے بڑھا ہوا ہو۔ مثلاً سورۃ التوبہ کی آیت ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا﴾ شانِ نزول کے لحاظ سے مسجد قباء کے بارے میں نازل ہوئی تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد قباء کو مسجد نبوی سے بھی افضل سمجھ لیا۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی گئی تو آپ نے اُس غلط فہمی کو دور کیا اور ارشاد فرمایا: میری مسجد، مسجدِ قباء سے افضل ہے اور مسجد قباء میں بھی خیر کثیر ہے۔ تفصیل کے لیے سورۃ التوبۃ آیت (۱۰۸) کے مکمل جملوں کی شانِ نزول ملاحظہ فرمائیں۔

اسی طرح سورۃ النساء آیت نمبر ۶۹ کی شانِ نزول کا معاملہ ہے، اُس کی شانِ نزول میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ذکر آتا ہے، لیکن یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ سب سے بڑے عاشق وہی ہیں اور انعام یافتہ ہستیوں کی معیت سب سے زیادہ اُن ہی کو نصیب ہوگی۔ کیا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تفضیلی یہ تسلیم کریں گے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے عاشق تھے؟ اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے لیے راقم الحروف کے رسالہ "اھل کساء کا مقام، حقائق و اوھام" کا مطالعہ فرمائیں۔

افضلیت کی نکتہ آفرینی میں بعض مفسرین کی سنگین لغزش

مذہبی تعصّب سے خداوند قدوس محفوظ رکھے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ اللیل کی اِس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی علیہ السلام کے مابین تقابل کرتے ہوئے جو نکتہ

(1) فتاوی عزیزي فارسي ص ۱۰۰ ومترجم ص ۲۴۷۔

آفرینی فرمائی ہے پہلے اُس کا ترجمہ مفتی مطیع الرحمان رضوی ہندی صاحب کے الفاظ میں پڑھ لیجئے پھر اُس پر تبصرہ کیا جائے گا۔ وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولا علی کے حق میں وارد شدہ آیت میں ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ''ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں، ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری کے طالب نہیں۔ بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے۔ اور صدیق اکبر کے حق میں نازل شدہ آیت کے الفاظ ہیں: ''صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا چاہتا ہے، اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو گا۔'' یہ دونوں آیتیں دال ہیں کہ دونوں حضرات نے ہی اللہ کی خوشنودی کے لیے نیکی کی مگر حضرت علی کے لیے جو آیت اُتری وہ یہ بتاتی ہے کہ آپ نے جو کیا وہ اللہ کی خوشنودی اور قیامت کے ڈر سے کیا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے''۔ جب کہ حضرت ابو بکر کے لیے جو آیت اتری وہ یہ بتاتی ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لیے کیا، اِس میں ثواب کی طمع یا عقاب کے اندیشے کا کوئی شائبہ نہیں، لہٰذا حضرت ابو بکر صدیق کا مقام اعلیٰ و اجل ہوا''۔ (1)

افسوس کہ اِس قدر قد کاٹھ والے مفسرین تقابل کرتے ہوئے اِس حقیقت کو بھول گئے کہ دونوں حضرات کے متعلق نازل شدہ آیات میں رضائے الٰہی کا ذکر بھی ہے اور عذاب سے بچنے یا بچائے جانے کا ذکر بھی ہے۔ چنانچہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے بارے میں فقط ﴿إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا

---

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ للمفتي مطیع الرحمان ص ۹۵، ۹۴۔

يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿۱۰﴾ ہی نہیں نازل ہوئی بلکہ یہ آیت بھی نازل ہوئی:

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ ٱللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا.

''ہم تو بس تمہیں اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں نہ تو تم سے کوئی جزا چاہتے ہیں اور نہ ہی شکریہ''۔

اسی طرح سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں اُن میں آگ اور اُس سے بچائے جانے کا ذکر بھی ہے۔ چنانچہ ﴿إِلَّا ٱبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ ٱلْأَعْلَىٰ ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿۲۱﴾﴾ سے قبل یہ آیات بھی ہیں:

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلَىٰهَآ إِلَّا ٱلْأَشْقَى ﴿۱۵﴾ ٱلَّذِى كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا ٱلْأَتْقَى ﴿۱۷﴾

''تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اُس آگ سے جو بھڑک رہی ہے، نہ جائے گا اُس میں مگر بڑا بد بخت، جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا، اور بہت اُس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے''۔ (سورۃ اللیل)

پھر اِس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جنت کا سوال کرنا اور عذابِ قبر و نار وغیرہ سے پناہ مانگنا تو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ.

''اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور عذابِ نار سے بھی''۔[1]

ظاہر ہے کہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے والا اُس پر عمل نہ کرنے والے سے بہر حال

(1) بخاري، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر، ص ۱۸۵ ح ۱۳۷۷؛ صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب ما یستعاذ منه فی الصلاۃ ص ۲۶۵ ح ۵۸۸۔

افضل ہوتا ہے، لہٰذا اِس بات کو سیدنا علی اور اہل بیت کرام علیہم السلام کی مفضولیت کی دلیل ٹھہرانا باعث تعجب ہے۔ امام رازی کی نکتہ آفرینی کا کیا کہنا! اُنھوں نے تو ایک مقام پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو ثابت کرتے ہوئے مال خرچ کرنے کو جان خرچ کرنے پر افضل کہنے سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔ چنانچہ وہ سورۃ الحدید کی آیت نمبر دس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَاعۡلَمۡ أَنَّ الۡآیَۃَ دَلَّتۡ عَلٰی أَنَّ مَنۡ صَدَرَ عَنۡہُ الۡإِنۡفَاقُ فِي سَبِیلِ اللّٰہِ، وَالۡقِتَالُ مَعَ أَعۡدَاءِ اللّٰہِ قَبۡلَ الۡفَتۡحِ، یَکُونُ أَعۡظَمُ حَالًا مِمَّنۡ صَدَرَ عَنۡہُ ھٰذَانِ الۡأَمۡرَانِ بَعۡدَ الۡفَتۡحِ، وَمَعۡلُومٌ أَنَّ صَاحِبَ الۡإِنۡفَاقِ ھُوَ أَبُوبَکۡرٍ، وَصَاحِبَ الۡقِتَالِ ھُوَ عَلِيٌّ، ثُمَّ إِنَّہُ تَعَالٰی قَدَّمَ صَاحِبَ الۡإِنۡفَاقِ فِي الذِّکۡرِ عَلٰی صَاحِبِ الۡقِتَالِ، وَفِیہِ إِیمَاءٌ إِلٰی تَقۡدِیمِ أَبِي بَکۡرٍ.

”جان لیجئے! آیت دلالت کر رہی ہے کہ جس سے راہِ الٰہی میں خرچ کرنے کا اور دشمنانِ خدا کے خلاف جنگ کرنے کا صدور قبل از فتح ہوا، اُس کی شان اُس شخص سے عظیم تر ہے جس سے اِن دونوں باتوں کا صدور بعد از فتح ہوا۔ اور معلوم ہے کہ صاحبِ انفاق (خرچ کرنے والے) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور صاحبِ قتال (جہاد کرنے والے) سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صاحب الانفاق کا ذکر صاحب القتال سے پہلے کیا ہے اور اس میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تقدیم کی طرف اشارہ ہے“۔[1]

کوئی بچہ بھی اِس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ جان ہے تو جہان ہے، جان نہیں تو جہاں نہیں۔ بلاشبہ

---

(1) التفسیر الکبیر ج ۲۹ ص ۲۲۰۔

جان مال سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ ہر چند کہ اِس آیت میں انفاق کا ذکر قتال سے پہلے ہے لیکن اِسی قرآن مجید میں جانوں کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کرنے کا ذکر پہلے اور مالوں کا ذکر بعد میں بھی تو آیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ ٱللَّهَ ٱشۡتَرَىٰ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ أَنفُسَهُمۡ وَأَمۡوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلۡجَنَّةَۚ

"یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمان داروں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس عوض میں کہ اُن کے لیے جنت ہے"۔ (التوبۃ: ۱۱۱)

جان قیمتی یا مال؟

علاوہ ازیں قرآن کریم میں جہاں جہاں اَنفُس پر اموال کا ذکر مقدم ہے تو وہ عملی ترتیب کی رعایت کے پیش نظر ہے، اس لیے کہ مجاہد اپنے مال سے سواری اور دوسرے اخراجات کا اہتمام پہلے کرتا ہے اور میدانِ جہاد میں جاکر جان کا نذرانہ بعد میں پیش کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اس ترتیب میں غور نہیں کیا تو وہ جان پر مال کو ترجیح دے بیٹھے، حالانکہ یہ بداہۃً باطل ہے۔ غالباً امام یافعی یمنی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے مفاضلہ میں ایسے ہی لوگوں کی بایں الفاظ منظوم تردید فرمائی ہے:

إِنَّ الْإِمَامَ شَهِيدَ الدَّارِ خَاشِعُهُمْ — النَّاسِكُ الْجَامِعُ الْقُرْآنَ وَالتَّالِي
الْقَانِتُ الْمُنْفِقُ الْأَمْوَالِ حَيْثُ رِضَى — مَوْلَاهُ مَوْلًى عَفِيفًا طَاهِرُ أَذْيَالِ
مُجَلَّلٌ مِنْهُ تَسْتَحْيِي مَلَائِكَةٌ — وَذُو حَيَاءٍ وَ حِلْمٍ غَيْرُ مِذْلَالِ
لَيْسَتْ فَضَائِلُ ذِي النُّورَيْنِ مُنْكَرَةً — لٰكِنْ كَمْ قَوْمٌ حَاوِيًا لِفَضْلِ مِفْضَالِ
لَيْسَ الَّذِي يُنْفِقُ الْأَمْوَالَ مُحْتَسِبًا — فِي نُصْرَةِ الدِّينِ سَمْحًا فِيهِ بِالْمَالِ
كَبَاذِلٍ نَفْسِهِ فِي اللّٰهِ مُحْتَسِبًا — فِي كُلِّ هَيْجًا جُنُودِ الْكُفْرِ قِتَالِ

كُلٌّ حَمِيدٌ وَلٰكِنْ لَيْسَ جُودُ فَتًى بِالْمَالِ كَالْجُودِ بِالرُّوحِ الزَّكِيِّ الْغَالِ

وَلَيْسَ تَالِي كِتَابِ اللّٰهِ جَامِعُهُ كَنَاشِرٍ لِمَعَالِمِ دِيْنِهِ الْعَالِيْ

۱۔ ”بے شک شہید الدار امام اور صحابہ میں خشوع والے، عبادت گزار، جامع القرآن اور تلاوت کرنے والے،

۲۔ خلوص کے ساتھ اپنے مولیٰ کی رضامیں مال خرچ کرنے والے، پاکیزہ وپاکدامن ہیں،

۳۔ ایسی عظمت والے ہیں فرشتے جن سے حیا کرتے ہیں، اور شرم اور بردباری کا پیکر ہیں، کم تر نہیں،

۴۔ ذوالنورین کے فضائل سے انکار نہیں، لیکن بہت سے لوگ حاوی فضیلت کے حامل ہیں،

۵۔ وہ شخص جو مال کو ثواب کے ارادہ سے خرچ کرتا ہے اور نصرت دین میں مالی سخاوت کرتا ہے،

۶۔ اُس شخص کی مانند نہیں جو گھمسان کی جنگ میں لشکر کفر کے ساتھ لڑتے ہوئے راہِ الٰہی میں جان خرچ کرتا ہے،

۷۔ سب خوبیوں والے ہیں لیکن کسی نوجوان کی مالی سخاوت، پاکیزہ اور قیمتی جان کی سخاوت کی طرح نہیں،

۸۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا، اسے حفظ کرنے والا، اللہ کے بلند دین کے مقاصد کو پھیلانے والے کی طرح نہیں ہے“۔[1]

اِسی حقیقت کو علامہ ابن قیم الجوزیہ حنبلی نے شجاع اور بخیل کے موازنہ میں یوں قلم بند کیا ہے:

وَالشُّجَاعُ ضِدُّ الْبَخِيلِ ، لِأَنَّ الْبَخِيْلَ يَضِنُّ بِمَالِهِ، وَالشُّجَاعُ يَجُودُ

(1) مرآۃ الجنان لليافعي ج ۱ ص ۹۱۔

بِنَفْسِهٖ، كَمَا قَالَ الْقَائِلُ:

كَمْ بَيْنَ قَوْمٍ إِنَّمَا نَفَقَاتُهُمْ
مَالٌ وَقَوْمٌ يُنْفِقُوْنَ نُفُوسًا

وَقَالَ الآخَرُ:

تَجُودُ بِالنَّفْسِ إِنْ ضَنَّ الْجَوَادُ بِهَا
وَالْجُودُ بِالنَّفْسِ أَقْصَى غَايَةِ الْجُودِ

"شجاع اور بخیل ایک دوسرے کی ضد ہیں کیونکہ بخیل اپنے مال خرچ کرنے پر بھی کبیدہ خاطر ہوتا ہے اور شجاع اپنی جان بھی خرچ کر دیتا ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا: کتنا فرق ہے اُن لوگوں میں جو اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور اُن میں جو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

اور دوسرے شاعر نے کہا ہے:

تو اپنی جان کی سخاوت کرتا ہے، اگرچہ سخی اس معاملہ میں بخیل ہے، اور جان کی سخاوت جود و سخا کے میدان میں انتہائی درجہ کی سخاوت ہے"۔ (1)

"وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ" سے اجماع کا دعویٰ

چند سال قبل میرے خلاف فتویٰ جڑنے والے ایک مفتی صاحب نے لکھا تھا:

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے "ولا يأتل أولو الفضل منكم والسعة ان يؤتوا اولى القربى والمسكين والمهجرين فى سبيل الله وليعفوا وليصفحوا" اور تم میں

(1) الفروسية لابن القيم ص ۲۵۰، و ط: ص ۴۶۵، ۴۶۴۔

سے جو لوگ صاحب فضل اور وسعت والے ہیں اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (کچھ) نہ دیں گے اور انہیں چاہئے کہ وہ معاف کر دیں اور در گزر کریں" (سورۃ النور، آیت: ۲۲) قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: انه نزل فی ابی بکر ﷺ و قد حلف ان لا ینفق علی مسطح بعد و کان ابن خالته و کان من فقراء المهاجرین (اولو الفضل منکم) فی الدین (والسعة) فی المال و فیه دلیل علی فضل ابی بکر و شرفه ﷺ"

یہ آیت کریمہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے حق میں نازل ہوئی اس وقت جب آپ ﷺ نے قسم اٹھائی (واقعہ افک) کے بعد، مسطح (بدری صحابی) پر خرچ نہیں کروں گا اور مسطح آپ ﷺ کے خالہ زاد اور مہاجرین فقراء میں سے تھے۔ تم میں سے دین میں فضیلت والے اور مال میں فراوانی والے ایسی قسم نہ اٹھائیں ۔اس آیت مبارکہ میں حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے فضل و شرف کی دلیل ہے (تفسیر بیضاوی، سورۃ النور زیر تحت آیت: ۲۲) مفتی حنفیہ قاضی ابو سعود ترکمانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (اولواالفضل) فی الدین و کفی به دلیلا علی فضل الصدیق ﷺ والسعة) فی المال "اولواالفضل میں فضیلت سے مراد دینی فضیلت ہے اور یہ سیدنا ابو بکر ﷺ کی افضلیت پر دلیل کے طور پر کافی ہے اور والسعۃ سے مراد مال کی فراوانی ہے (تفسیر سعود، سورۃ النور تحت آیت: ۲۲ مطبوعه مکتبه معروفیه کوئٹه) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں مفسرین کرام علیہم الرحمۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت مبارکہ میں موجود لفظ "اولواالفضل" سیدنا ابو بکر ﷺ کی افضلیت پر

علی الاطلاق دال ہے (الی) یہ بات تواتر کو پہنچی ہوئی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے" (تفسیر کبیر، سورۃ سورۃ النور، آیت ۲۲: پارہ ۱۸)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ آیت فقط سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل نہیں ہوئی بلکہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واقعۂ افک (ام المومنین رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانے کے واقعہ) میں شامل ہونے والوں کے بارے میں قسم کھائی تھی کہ وہ اُن پر خرچ کریں گے اور نہ ہی اُنہیں کوئی نفع پہنچائیں گے۔ چنانچہ امام ضحاک متوفّٰی ۱۰۵ھ لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَآخَرُونَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: وَاللّٰهِ لَا نَصِلُ رَجُلًا مِنْهُمْ بِشَيْءٍ مِنْ شَأْنِ عَائِشَةَ وَلَا نَنْفَعُهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: وَلَا يَأْتَلِ . . .

"سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! جس نے بھی سیدہ عائشہ کے معاملہ میں کچھ کہا ہم اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچنے دیں گے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت: وَلَا يَأْتَلِ۔۔۔ نازل فرمائی"۔[1]

اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کہ اُس حساس معاملہ میں کامل مومنین کی غیرتِ ایمانی کا تقاضا بھی یہی تھا، یہی وجہ ہے اکثر مفسرین کرام نے اس شانِ نزول کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام بغوی متوفّٰی ۵۱۶ھ اور دوسرے مفسرین اُن سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَقْسَمَ نَاسٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ.

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ حضرات نے قسم کھائی، اُن میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ

(1) تفسیر الضحاک ج ۲ ص ۶۰۹؛ جامع البیان للإمام الطبري ج ۱۷ ص ۲۲۵۔

بھی تھے"۔(1)

لہٰذا شانِ نزول کے لحاظ اس آیت کو سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ سے خاص کرنا درست نہیں، البتہ یہ حقیقت ہے کہ وہ اس شان میں سب پر مقدم ہیں، مگر اس میں اُن کی یا کسی کی فضیلت کا بیان تو ہے افضلیت کا نہیں۔ مفتی صاحب سے یہاں تفسیر ابو السعود کے ترجمہ میں لفظ "افضلیت" غلطی سے لکھا گیا ہے، شیخ ابو السعود نے فضیلت کی بات کی ہے افضلیت کی نہیں، ہاں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر افضلیت سیدنا ابو بکر ﷛ کی بات چلائی ہے اور کافی نکتہ سنجی فرمائی ہے، لیکن اُنہوں نے اپنی تفسیر میں تقریباً پانچ مقامات پر افضلیت کو سیدینا ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما کے مابین ہی دائر قرار دیا ہے۔ خود اِسی مقام پر وہ لکھتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَىٰ أَنَّ الْأَفْضَلَ إِمَّا أَبُو بَكْرٍ أَوْ عَلِيٌّ.

"امت کا اجماع ہے کہ افضل سیدنا ابو بکر ہیں یا سیدنا علی ﷛"۔(2)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الاحقاف کی آیت نمبر ۱۵، اور سورۃ اللیل کی آیت نمبر ۱۷ کی تفسیر میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔(3)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ کئی وجوہ سے درست نہیں ہے:

۱۔ اولاً اس لیے کہ اِن تینوں مقامات پر اُنہوں نے "إما أبو بكر أو علي" کے الفاظ سے پہلے تو سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ اور سیدنا علی ﷶ دونوں کی افضلیت پر اجماع کا دعویٰ کیا اور پھر تینوں

---

(1) معالم التنزيل ج ٦ ص ٢٧؛ جامع البيان للإمام الطبري ج ١٧ ص ٢٢٥؛ اللباب لابن عادل ج ١٤ ص ٣٣٥؛ المحرر الوجيز ج ٦ ص ٣٦٢؛ الدر المنثور ج ١٠ ص ٧٠٦۔

(2) التفسير الكبير ج ٢٣ ص ١٨٨۔

(3) التفسير الكبير ج ٢٨ ص ١٩، و ج ٣١ ص ٢٠٥۔

ہی مقامات پر آگے یہ لکھ دیا کہ چونکہ یہ آیت فقط سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کی شان میں نازل ہوئی، لہٰذا وہی افضل ہیں۔ اس طرح اُنہوں نے اجماع کو سیدنا ابو بکر صدیق ﷛ کے لیے معین کر دیا۔ بطورِ مثال پہلے مقام کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ الْأَفْضَلَ إِمَّا أَبُو بَكْرٍ أَوْ عَلِيٌّ ، فَإِذَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ عَلِيًّا تَعَيَّنَتِ الْآيَةُ لِأَبِي بَكْرٍ.

”امت کا اجماع ہے کہ افضل سیدنا ابو بکر ہیں یا سیدنا علی ﷛، پس جب ہم واضح کر چکے ہیں کہ یہاں سیدنا علی ﷛ مراد نہیں ہیں تو آیت سیدنا ابو بکر ﷛ کے لیے معین ہو گئی“۔[1]

تینوں مقامات پر اسی طرح لکھا ہے، لیکن اُن کا یہ دعویٰ اُن کے اپنے اور دوسرے علماء کے بیان کردہ اصول کے منافی ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

الْإِجْمَاعُ لَا يَتِمُّ مَعَ مُخَالَفَةِ الْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ.

”ایک اور دو مجتہدین کے اختلاف کی موجودگی میں اجماع پورا نہیں ہوتا“۔[2]

جبکہ پیچھے باحوالہ نقل کیا جاچکا ہے کہ بیس سے زائد صحابہ کرام، جملہ بنو ہاشم اور اہل بیت عظام ﷡ سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ کی افضلیت کے قائل تھے۔ جب اِس قدر اہل بیت کرام اور صحابہ عظام ﷡ افضلیتِ مرتضوی کے قائل ہیں تو پھر سیدنا ابو بکر ﷛ کی افضلیت پر اجماع کہاں سے ہو گیا؟

۲۔ ثانیاً یہ کہ اجماع اور شک دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ کہنا کہ ” أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى

---

(1) التفسیر الکبیر ج ۲۳ ص ۱۸۸۔

(2) المحصول للرازي ج ۴ ص ۱۸۱؛ نفائس الأصول للقرافي ج ۶ ص ۲۷۳۱۔

أَنَّ الْأَفْضَلَ إِمَّا أَبُو بَكْرٍ أَوْ عَلِيٌّ ''(امت کا اجماع ہے کہ افضل سیدنا ابو بکر ہیں یا سیدنا علی ؓ) جب کلام میں ''یا یہ'' اور ''یا وہ'' آگیا تو پھر کہاں کی قطعیت اور کہاں کا اجماع؟

۳۔ ثالثاً یہ کہ کسی ایک مسئلہ میں دو قول تو ہوتے ہیں لیکن دو اجماع نہیں ہوتے۔

۴۔ رابعاً یہ کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے قبل اِن دو اجماعوں کا ثبوت و وجود کہاں ہے؟

۵۔ خامساً یہ کہ اگر واقعی امام رازی متوفّٰی ۶۰۶ھ سے قبل یہ دو قول نہیں بلکہ دو اجماع تھے اور پھر امام رازی نے مذکورہ بالا تین آیات کی رو سے افضلیت کو سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے لیے معین کر کے سابقہ دو اجماعوں کو اُن کے لیے مختص کر دیا، اور گویا تیسرا اجماع بنا دیا۔ آیا اِس اجماع میں امام رازی کو پوری امت کی موافقت حاصل ہے یا وہ تنہا ہی ایک امت ہیں؟

مفتی صاحب اور اُن کے ہم نوا لوگوں کو یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تینوں مقامات کی نکتہ آفرینی اُن کے حق میں مفید نہیں، کیونکہ مفتی صاحب وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ ترتیبِ افضلیت ترتیب خلافت کے مطابق ہے، جبکہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں: ''افضل سیدنا ابو بکر ہیں یا سیدنا علی ؓ'' پھر خلفاء اربعہ ؓ کی ترتیب کہاں گئی؟

اعلیٰ حضرت کا ''سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ'' سے تفضیل پر استدلال

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃِ فاطر کی درجِ آیت سے سیدنا ابو بکر ؓ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ پہلے اُنہوں نے یہ آیت مع ترجمہ لکھی ہے:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾

''پھر ہم نے وارث کیا کتاب کا اُن کو جنہیں چن لیا اپنے بندوں میں سے، پس کوئی اُن میں اپنی جان

پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی چال چلنے والا اور کوئی آگے بڑھ جانے والا ہے بھلائیوں میں ،خدا کی پروانگی سے یہی ہے بڑی فضیلت"۔ (فاطر:۲۳)

پھر ﴿ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ﴾ پر مختصر گفتگو کرکے ﴿ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ﴾ کی طرف رُخِ قلم پھیرتے ہوئے لکھا:

"تیسرے وہ اعلی درجے کے مطیع ومُنقاد سراپا اہتدا اور شاد جو حسنات کی طرف مسارعت کرتے اور میدان خیرات میں قصب السبق لے جاتے ہیں۔ ان کی نسبت ان کا مالک مہربان فرماتا ہے (ذلك هو الفضل الكبير) فضل کبیر و بزرگی عظیم انہیں کو حاصل، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب بنسبت بقیہ امت اسی قسم میں داخل، لہٰذا وہی فضیلت عالیہ لے گئے اور سادات اُمت قرار پائے۔ اب تلاش کرنا چاہئے اُسے جو گر وہ صحابہ میں سرفراز اور اس صفت شریفہ کے ساتھ ممتاز ہو کہ بحکم آیہ کریمہ افضلیت مطلقہ اسی کا بہرہ خاصہ، لیکن ہم جو غور کرتے اور کان لگا کر سنتے ہیں تو دربارِ رسالت سے پیہم ارا کینِ دولت و عمائدِ سلطنت بلکہ خود اس بادشاہِ عرش بارگاہِ علیہ الصلوۃ و السلام من اللہ کی نور افشاں صدائیں گوشِ دل کو اپنی شعاع ریزیوں سے معدنِ انوار و منزلِ اقمار کر رہی ہیں کہ ہاں وصفِ مذکور میں اس بارگاہِ اکرم کے وزیرِ اعظم یعنی جنابِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب پر تفوقِ ظاہر و تقدمِ باہر ہے حتیٰ کہ سبّاق بالخیرات اس ذات جامع البرکات کا نام قرار پایا اور صیغہ مبالغہ نے لطف تازہ دکھایا، فقد اخرج ابو يعلى عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كنت فى المسجد اصلى فدخل

رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومعه ابو بكر و عمر فوجدنی ادعو فقال سل تعطه ثم قال من اراد ان يقرء القرآن غضا طريا فليقرء بقراءة ابن ام عبد فرجعت الى منزلى فاتانی ابو بكر فبشرنی ثم اتانی عمر فوجد ابا بكر خارجا قد سبقه فقال انك لسبّاق بالخير'' یعنی حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں مسجد میں نماز پڑھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضور کے ہمراہ صدیق وفاروق تھے پس حضور نے مجھے دعا کرتے پایا فرمایا مانگ تجھے دیا جائے گا پھر فرمایا جو شخص قرآن کو تر و تازہ پڑھنا چاہے وہ ابن ام عبد یعنی عبد اللہ بن مسعود کی قرأت پر پڑھے، بعدہ میں اپنے گھر لوٹ آیا صدیق آئے اور مجھے اس دولتِ عظمیٰ کے حصول اور حضور کے ان کلمات ارشاد فرمانے کا مژدہ دیا پھر فاروق آئے تو ابو بکر کو نکلتے پایا کہ پہلے ہی خوشخبری دے چکے ہیں پس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدیق سے کہا بے شک آپ سبّاق بالخیر اور نیکیوں میں نہایت پیشی لے جانے والے ہیں۔

''وأخرج ابو بكر بن ابي شيبة من حديث عمر رضی الله تعالىٰ عنه فی قصة سقيفة بني ساعدة فی حديث طويل انه ''قال يا معشر الانصار يا معشر المسلمين ان اولى الناس بامر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعده ثاني اثنين اذ هما فی الغار ابوبكر السبّاق المبين''یعنی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے گروہ انصار اے جماعتِ مسلمین بے شک امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ان کے بعد زیادہ مستحق دوسرا اُن دو کا ہے جب وہ دونوں غار میں تھے ابو بکر سبّاق مبین جن کا خیرات میں بہت پیشی لے جانا ظاہر وروشن ہے۔

اقول وربي يغفرلي یہ کلمہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ میں ثقیفہ بنی ساعد میں فرمایا جب انصارِ کرام بقصد خلافت مجتمع ہوئے اور مہاجرین سے کہتے تھے ایک امیر ہم میں ایک تم میں، نزاع ومناظرہ نے طول کھینچا تھا طرفین سے بابِ استدلال وا تھا اس وقت فاروق نے فضائلِ جلیلہ صدیق اور ان کا صاحبِ الغار وسبّاق بالخیرات ہونا اظہار اور اس سے استحقاق خلافت پر استظہار کیا کہ اسی کلمہ پر فیصلہ کیا انصار خلاف سے باز آئے اور دستِ صدیق پر بیعت کی۔ پس ثابت ہوا کہ صدیق کا ان اوصاف سے اتصاف تمام حاضرین کو مسلم ومقبول تھا ورنہ معرکہ مباحثہ میں اس کے اذعان وقبول او اس کی بنا پر منازعت سے رجوع وعدول کے کیا معنی تھے اور خود ارشادِ فاروقی میں لفظِ مبین اس معانی پر دلیل مبین کہ صدیق کی نہایت سبقت بالخیرات روشن وبین ہے اور کون اس سے آگاہ نہیں۔

واخرج البخاري عن ابن عباس عن عمر ''ليس فيكم من تقطع الاعناق اليه مثل ابي بكر'' قال في مجمع البحار اى ليس فيكم سابق الخيرات يقطع اعناق مسابقيه حتى يلحقه خلاصہ یہ کہ تم میں یہ شانِ سبقت بالخیرات کی صدیق ہی میں ہے کہ جو ان سے فضائل وحسنات میں مسابقت کرے پیچھے رہ جائے اور ان تک نہ پہنچ پائے۔

واخرج البزار عن عبد الرحمان بن ابي بكر ''عن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہم زعم انہ لم یرد خیرا قط الا سبقہ الیہ ابو بکر'' یعنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے کبھی کسی بھلائی کا ارداہ نہ کیا مگر یہ کہ ابو بکر اس کی طرف مجھ سے سبقت لے گئے۔

واخرج الطبرانی عن امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''قال والذی نفسي بیدہ ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا الیہ ابو بکر'' یعنی مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ہم نے کبھی کسی خیر و نکوئی کی طرف ایک دوسرے سے بڑھ جانا نہ چاہا مگر یہ کہ ابو بکر ہم سے اس کی طرف سبقت و پیشی کر گئے۔

واخرج ابن عساکر عن عبد الرحمان بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما '' قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدثنی عمر بن الخطاب انہ ما سابق ابا بکر الی خیر الا سبقہ ابو بکر یعنی سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے عمر بن الخطاب نے بیان کیا کہ اس نے جب کسی خیر میں ابو بکر سے مسابقت کی ہے ابو بکر اس پر سبقت لے گیا۔

اقول وربی یغفرلی فکرِ تدقیق اساس و طرزِ سخن شناس درکار ہے کہ اس حدیث کہ اندازِ کلام کو پہنچانے کس درجہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شانِ صدیق سے اعتناء اور ان کی سبقت بالخیرات کا اثبات منظور ہے تمام عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت اور ان کے کلامِ پاک کو دلیل وحجت کرتا ہے یہاں خود حضور سراپا نور کس پیار سے فرماتے ہیں ہم سے

عمر بن الخطاب کہتا تھا کہ ہمارا ابو بکر سباق بالخیر ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہما وسلم"۔(1)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت طویل بحث فرمائی ہے لیکن بے سود، اِس لیے کہ وہ اپنی کتاب میں روئے سخن تفضیلیوں اور سنفضیہ یعنی سیدنا علی علیہ السلام کی تفضیل کے قائلین کی طرف رکھتے ہیں مگر اِس پوری بحث میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جس سبقت بالخیر کی بات کی گئی ہے وہ اُن اعمالِ صالحہ کے متعلق ہے جو ایمان واسلام لانے کے بعد کیے جاتے ہیں جبکہ سیدنا علی علیہ السلام وہ خوش نصیب ہیں جن کو ایمان، اسلام اور نماز کی سعادت بشمول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پہلے نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ جب سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مولیٰ علی علیہ السلام کو نماز پڑھنے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل ہوئی تھی اُس وقت یہ سعادت کسی بھی دوسرے مذکّر انسان کو حاصل نہیں تھی۔ اسِ سلسلے میں متعدد احادیثِ وآثار صحیحہ موجود ہیں لیکن راقم الحروف ایسی حدیث پیش کر رہا ہے جو فاضل بریلی کے نزدیک بھی قابلِ قبول ہے۔ چنانچہ امام نسائی اور دوسرے محدثین کرام لکھتے ہیں:

"حضرت ابو یحییٰ بن عفیف اپنے والد عفیف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں مکۃ المکرمہ آیا تاکہ اپنے اہل وعیال کے لیے کپڑے اور عطر وغیرہ خریدوں۔ پس میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ ایک تاجر شخص تھے، میں اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آفتاب طلوع ہوا ، اور اُس نے آسمان میں دائرہ بنایا، اور میں کعبہ کی جانب دیکھ رہا تھا کہ اچانک

---

(1) (مطلع القمرین ص ۲۰۸ تا ۲۱۴)

ایک نوجوان ظاہر ہوا، پھر اُس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، پھر اُس نے قبلہ رو ہو کر قیام کیا، پھر تھوڑی دیر بعد ایک بچہ آیا تو وہ اُس کی دائیں جانب کھڑا ہو گیا، پھر تھوڑی دیر بعد ایک خاتون آئی تو وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ پھر نوجوان نے رکوع کیا تو اُس بچے اور خاتون نے بھی رکوع کیا، پھر اُس نوجوان نے سر اُٹھایا تو لڑکے اور خاتون نے بھی سر اُٹھایا، پھر نوجوان نے سجدہ میں سر جھکا دیا تو اُس لڑکے اور خاتون نے بھی سر جھکا دیئے۔ اِس پر میں نے کہا: اے عباس! بڑی بات ہے۔ عباس نے بھی کہا: ہاں بڑی بات ہے۔ پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ نوجوان کون ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ بتایا کہ یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہے، یہ میرا بھتیجا ہے۔ پھر پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ بچہ کون ہے؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: یہ علی بن ابو طالب بن عبد المطلب ہے، یہ میرا بھتیجا ہے۔ پھر پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ خاتون کون ہے؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: یہ خدیجہ بنت خویلد ہے، یہ میرے اِس بھتیجے کی زوجہ ہے۔ میرے اس بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ اس کا رب وہ ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے، اُسی نے اِس کو اِس دین کا حکم دیا ہے جس پر یہ قائم ہے۔ اللہ کی قسم! روئے زمین پر اِن تین نفوس کے علاوہ اور کوئی انسان اِس دین پر نہیں ہے"۔[1]

---

(1) مسندأحمد ج ١ ص ٢١٠، ٢٠٩؛ السنن الکبری للنسائي ج٧ ص ٤٠٨ ح٨٣٣٧؛ مسندأبي يعلى ج٣ ص ١١٨، ١١٧ رقم١٥٤٧؛ المقصدالعلي ح١٣٧٤؛ السيرة النبوية لابن إسحاق ص ١٨٢؛ المستدرک للحاكم ج٣ ص ١٨٢ ح٤٨٩٥؛ المعجم الكبير ج١٨ ص ١٠١، ١٠٠؛ دلائل النبوة للبيهقي ج٢ ص ١٦٢، الإشراف لابن أبى الدنيا ص ٤٩؛=

امام ابو عمر ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اِس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

''حَدِيثٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ'' (یہ حدیث حسن ہے، عمدہ ہے)۔[1]

امام حاکم اور اور امام ذہبی کے نزدی بھی یہ حدیث صحیح السند ہے۔[2]

حافظ نور الدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث امام احمد، امام ابو یعلی اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں"۔[3]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

=معجم الصحابة لابن قانع ج۲ ص ۱۳۴ ح ۱۳۲۸؛ الطبقات الكبرى لابن سعد ج۸ ص ۲۵۱؛ الوفا بأحوال المصطفى لابن الجوزي ص ۱۶۴، ۱۶۳؛ أسد الغابة ج۴ ص ۵۴؛ تاريخ دمشق ج ۴۲ ص ۳۵، ۳۴؛ عيون الأثر ج ۱ ص ۱۸۱؛ البداية والنهاية ج ۲ ص ۳۶۲، ۳۶۳؛ الرياض النضرة ج۴ ص ۹۶؛ ذخائر العقبى ص ۴۷؛ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۰۳ ح ۱۴۶۰۵؛ جمع الجوامع ج ۱۵ ص ۳۱۰ ح ۱۳۹۵۶؛ سبل الهدى ج۲ ص ۲۹۷؛ إتحاف الخيرة المهرة ج۷ ص ۲۰۷ ح ۶۶۸۰ و ص ۶۷۷۸، ۲۴۶؛ إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون ﷺ ج ۱ ص ۴۳۶ الجوهرة في نسب الإمام علي للتلمساني ص ۹؛ نساء أهل البيت ص ۵۶، ۵۷؛ مناقب علي والحسنين رضي الله عنهم ص ۱۱؛ فضائل أمير المومنين علي بن أبي طالب للسامي ص ۱۸۸۔

(1) الاستيعاب ج۳ ص ۲۰۱ و ص ۳۱۱۔

(2) المستدرک ج۴ ص ۱۸۱؛ تلخيص المستدرک ج۳ ص ۱۸۳۔

(3) مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۲۷۔

''هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ جِدًّا'' (یہ حدیث انتہائی حسن ہے)۔ (1)

دکتور عبد المعطی قلعجی نے کہا: یہ صحیح حدیث ہے۔ (2)

فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اُس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدہ خدیجہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ فقط دو ہی مسلمان تھے۔ چنانچہ وہ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی زبانی لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا:

"یہ جوان میرے بھتیجے محمد بن عبد اللہ ﷺ ہیں اور یہ لڑکے میرے بھتیجے علی اور یہ بی بی خدیجہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما، میرے یہ بھتیجے کہتے ہیں کہ آسمان وزمین کے مالک نے اُنہیں اِس دین کا حکم دیا ہے، اور اُن کے ساتھ ابھی یہی دو مسلمان ہوئے ہیں"۔ (3)

سو جس شخص کو اُس وقت ایمان، اسلام اور نماز کی سعادت حاصل ہو چکی تھی جب ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے علاوہ روئے زمین پر کسی بھی دوسرے انسان کو یہ سعادت نصیب نہیں تھی تو پھر اُس کے ساتھ کسی کا کیسا مفاضلہ، مسابقہ اور موازنہ؟ ذرا فاضل بریلی کے خط کشیدہ الفاظ میں تو غور فرمایئے: "اُن کے ساتھ ابھی یہی دو مسلمان ہوئے ہیں"۔ جب ابھی یہی دو مسلمان تھے تو پھر اِن کے ساتھ کسی ایسے انسان کا مفاضلہ کیسا جس کو ابھی یہ سعادت ہی حاصل نہیں ہوئی تھی؟

فاضل بریلی نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان میں ''قصب السبق'' کے الفاظ بھی استعمال

---

(1) الإصابة ج ۴ ص ۴۲۶۔

(2) تعليق وتحقيق: دلائل النبوة للبيهقي ج ۲ ص ۱۶۳۔

(3) فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۹۲۔

کیے ہیں لیکن بے ادبی معاف قصب السبق میں ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبری علیہا السلام اُن سے اور دوسرے تمام مومنین و مومنات سے بازی لے گئیں ہیں۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب "شرح الأربعین في فضائل آل البیت الطاهرین" میں حدیث نمبر ۲۲ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

مکمل تحقیق کے بعد جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اُناث (خواتین) میں قَصَبُ السَّبَق کا اعزاز سیدہ خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام نے حاصل کیا اور ذُکور (مرد حضرات) میں قَصَبُ السَّبَق کا اعزاز سیدنا علی علیہ السلام نے حاصل کیا۔ حقیقی قصب السبق سبقتِ ایمانی ہے اور باقی نیکیاں بعد میں ہیں۔ سبقتِ ایمانی میں اوّل الذکور سیدنا علی علیہ السلام ہیں اُن سے کوئی مذکر انسان سبقت نہیں کر سکا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اول المومنین ہونے کے متعلق "أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ عَلِيٌّ" اور "أَوَّلُ مَنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلِيٌّ" کے الفاظ میں تو متعدد احادیث صحیحہ اور حسنہ آئی ہیں لیکن بالخصوص لفظ سبقت کے ساتھ بھی احادیث آئی ہیں۔ اُن میں سے بعض احادیث درجِ ذیل عنوان کے تحت پیش کر رہا ہوں۔

تعارُضِ دلائل کی مثال

آپ نے گزشتہ صفحات میں اسلاف کرام کے حوالہ سے کئی مرتبہ یہ بات پڑھی ہو گی کہ "کیونکہ دلائل باہم متعارض ہیں اِس لیے تفضیل کی قطعیت کا قول نہیں کیا جا سکتا"۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی مانند دوسرے حضرات تو اپنے تئیں تفضیلِ صدیقی کی قطعیت ثابت کر کے قلم توڑ چکے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہنوز دِلّی دور است۔ آیئے ہم آپ کے سامنے اُسی آیت کے تحت دلائل کا تعارض پیش کیے دیتے ہیں جس سے فاضل بریلی نے اپنے زعم میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی

تفضیل ثابت کی ہے۔

سیدنا ابن عباس نے سورۃ الواقعہ کی آیت نمبر ۷ ﴿وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَٰثَةً ۝٧﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اِس سے تین قسمیں مراد ہیں اور یہ وہی ہیں جو سورۂ فاطر کی اِس آیت بیان ہوئیں۔﴿ ثُمَّ أَوْرَثْنَا ٱلْكِتَٰبَ ٱلَّذِينَ ٱصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِۦ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِٱلْخَيْرَٰتِ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ ﴾اِسی آیت کی تفسیر سے اعلیٰ حضرت نے تفضیلِ صدیقی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔اِس کے بعد سورۃ الواقعہ کی آیت نمبر ۱۰ ﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلسَّٰبِقُونَ ۝١٠﴾ کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے:

يُوشَعُ بْنُ نُونٍ سَبَقَ إِلَىٰ مُوسىٰ ، وَمُؤْمِنُ آلِ يَاسِيْنَ سَبَقَ إِلَىٰ عِيسىٰ ، وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه سَبَقَ إِلَىٰ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم .

"یوشع بن نون نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی،مومنِ آل یاسین نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سبقت کی"۔(1)

یہ حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی منقول ہے اور اُس کی سند میں ایک راوی حسین بن حسن الاشقر ہے،اس کے بارے میں حافظ ہیثمی نے لکھاہے کہ جمہور نے اُسے ضعیف کہا

(1) تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم ج ١٠ ص ٣٣٣٠؛تفسير القرآن العظيم لابن كثيرج ٧ص ٥١٦؛شواهدالتنزيل للحافظ الحسكاني ج ٢ ص ٣٤٣؛مناقب علي بن أبي طالب ومانزل من القرآن في علي،لابن مردويه ص ٣٢٩؛الدر المنثور ج ١٤ ص ١٧٩؛ مانزل من القرآن في علي،للمختار رازى الحنفي ص ١٢٢؛ كنز العمال ج ١١ ص ٦٠١ ح ٣٢٨٩٦۔

ہے لیکن حافظ ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ بعض متشددین نے اس کو کذاب بھی کہہ ڈالا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے جرح وتعدیل کے تمام اقوال کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے:

صَدُوقٌ یَهِمُ وَیَغْلُو فِي التَّشَیُّعِ.

"سچا تھا، وہمی تھا اور تشیع میں غالی تھا"۔ (1)

یہی بات یحیٰی بن معین نے کہی ہے۔ چنانچہ ابن الجنید کہتے ہیں کہ میں نے انہیں اشقر کا ذکر کرتے ہوئے سنا، اُنہوں نے کہا:

کَانَ مِنَ الشِّیْعَةِ الْغَالِیَةِ، قُلْتُ: فَکَیْفَ حَدِیْثُهُ؟ قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ، قُلْتُ: صَدُوقٌ؟ قَالَ نَعَمْ، کَتَبْتُ عَنْهُ.

"غالی شیعہ سے تھا، میں نے کہا: اُس کی حدیث کیسی ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ سچا ہے؟ فرمایا: ہاں، میں نے اُس سے حدیث لکھی ہے"۔ (2)

ظاہر ہے کہ اُس نے یہ بات بھی سچی ہی نقل کی ہے، کیونکہ سیدنا علی علیہ السلام کے اول المسلمین ہونے کا ذکر دوسری متعدد ایسی احادیث صحیحہ، حسنہ اور مرفوعہ میں آیا ہے جن کے رواۃ میں یہ راوی نہیں ہے۔ سیدنا علی کا اول المسلمین ہونا ایسی حقیقت ہے کہ اِس کا اعتراف حافظ ابن کثیر تک نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ امام سیوطی لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ کَثِیْرٍ: وَالظَّاهِرُ أَنَّ أَهْلَ بَیْتِهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمَنُوا قَبْلَ کُلِّ أَحَدٍ: زَوْجَتُهُ خَدِیْجَةُ، وَمَوْلَاهُ زَیْدٌ، وَزَوْجَةُ زَیْدٍ أُمُّ أَیْمَنَ، وَ عَلِيٌّ وَ

(1) تقریب التهذیب ص ۲۴۷۔

(2) تهذیب التهذیب ج ۳ ص ۸۶۔

وَرَقَةُ.

''ابن کثیر نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گھرانے والے ہر ایک سے پہلے ایمان لائے: آپ کی زوجہ سیدہ خدیجہ، آپ کے غلام حضرت زید، زید کی بیوی حضرت ام ایمن، سیدنا علی اور حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ''۔[1]

خیال رہے کہ فاضل بریلی نے تفضیلِ صدیقی میں جو احادیث پیش کیں وہ ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ کے متعلق ہیں اور اُن میں سے اکثر بلکہ سب مدنی دور کی ہیں جبکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی علیہ السلام کی سبقتِ ایمانی کا ذکر کیا ہے اور ایمان ہر ایک بھلائی کی بنیاد ہے، لہٰذا جو ایمان میں سبقت لے گیا وہی قصب السبق کا صحیح مصداق ہے اور وہی سب سے افضل ہے۔ اگر فاضلِ بریلوی اور اُن کی مانند دوسرے لوگ اِس افضلیتِ مرتضوی کو تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم اِس بات کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا کہ دلائل کا تعارض ضرور ہے، لہٰذا کسی جانب کی بھی قطعی تفضیل ثابت نہیں ہوسکتی۔ تمام قسم کے فضائل میں ایسے ہی دلائل کے تعارض کے پیش نظر صدیوں قبل اسلاف طے کر چکے ہیں کہ مسئلۂ تفضیل ظنی ہے قطعی نہیں۔

تفضیلِ صدیقی کے قائلین کے جذبات

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافتِ اولیٰ کی وجہ سے ہمارے حضرات کو اُن کی افضلیت و تفضیل کو ثابت کرنے کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ ہر ہر فضیلت میں اُن کی تقدیم کو لازمی گردان لیا۔ مثلاً ابھی ابھی آپ نے پڑھا کہ علامہ سیوطی اور حافظ ابن کثیر تک نے نبی کریم کے گھرانے کے

(1) تاریخ الخلفاء للسیوطي ص ۳۲، وط: ص ۱۰۸۔

افراد کو تمام لوگوں سے پہلے ایمان لانے والا تسلیم کیا ہے اور کامل تحقیق کے مطابق یہی بات صحیح ہے لیکن ہمارے لوگ ﴿وَٱلَّذِى جَآءَ بِٱلصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِۦٓ أُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾﴾ وغیرہ آیات سے اولین صدیق سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی ثابت کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کے بندو! کچھ تو لحاظ کرو! کیا ضروری ہے کہ جو پہلے خلیفہ ہو گیا ہر چیز میں اُسی کو ہی پہلا ثابت کیا جائے؟ کیا مذکور الصدر پانچ حضرات کا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لانا اور اُن سے پہلے نبوتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا؟

بعض حضرات کی سنیت تو اِس قدر جذباتی ہو جاتی ہے کہ اُنہیں اپنے جذبے کی تسکین میں حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ بھی نہیں رہتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ زمین پر رہنے والوں میں سے اُن سے زیادہ سچ بولنے والا کوئی نہیں۔ اِس پر ہمارے بعض شارحینِ حدیث نے لکھ دیا:

"یہ مبالغۃً ارشاد فرمایا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہو گی کہ کہا جائے کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی اَصدق (زیادہ سچے) ہیں، کیونکہ وہ اِس امت کے صدیق ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت سے بہتر ہیں"۔ (1)

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام درست نہیں ہے، فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ ایسا سچ بولتے ہیں کہ کسی قسم کی ذو معنیٰ بات، توریہ اور اشارہ کنایہ سے کام نہیں لیتے۔ اُن کی یہ صفت کسی بھی اور شخص میں نہیں پائی جاتی۔ علامہ طیبی نے تورپشتی رحمۃ اللہ علیہما کا کلام نقل کر

---

(1) المیسر في شرح مصابیح السنة ج ۴ ص ۱۳۵۲۔

نے کے بعد اسی طرح کا تبصرہ فرمایا ہے۔[1]

سو سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خود ساختہ عقیدہ کی بھینٹ چڑھانا اور دور از کار تاویلات کرنا علم و دیانت کے منافی ایک جذبہ کی تسکین کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اگر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ یا کسی اور کو مستثنیٰ کرنا ہوتا تو کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نہیں مستثنیٰ فرما سکتے تھے؟

جذباتِ سنیت کی حد تو یہ ہے کہ ہمارے علماء اہل سنت نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر تفضیلِ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی بھی صحیح حدیث آجائے تو تاویل کی جائے ورنہ اُس صحیح حدیث کو ہی مسترد کر دیا جائے، جیسا کہ ہم اِس سے قبل ایک دو مقام پر باحوالہ لکھ چکے ہیں اور آگے بھی اِس کا ذکر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلکی اور مذہبی تعصب سے محفوظ رکھے اور کتاب و سنت پر قائم رکھے۔

"ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ" پر نکتہ

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل کے اثبات میں جو آیت پیش فرمائی ہے اُس میں مصطفین (چنے ہوئے بندوں) کو کتابِ الٰہی کے وارث بنائے جانے کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ اہل بیت کرام بالخصوص اہل کساء علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی مصطفیٰ (چنیدہ) نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مباہلہ جیسے عظیم واقعہ کے لیے فقط اُنہیں نفوس مقدسہ کو منتخب کیا گیا تھا۔ سو قرآن مجید کے حقیقی اور اولین وارث یہی ہیں، اِسی لیے صحیح حدیث میں فرمایا گیا کہ قرآن اور اہل بیت کرام علیہم السلام ہمیشہ اکٹھے رہیں گے اور اکٹھے ہی حوض کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچیں گے۔ پھر

---

(1) شرح الطيبي على المشكاة ج ۱۲ ص ۳۹۴۵۔

چونکہ سیدنا علی اہلِ بیت کرام علیہم السلام میں سب سے بڑے ہیں اِس لیے اُن کے بارے میں فرمایا گیا کہ ''عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ'' (علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے)۔ میں قربان جاؤں اِس فرمانِ نبوی ﷺ کی حقانیت پر کہ جب وصالِ نبوی ﷺ کے بعد صحابہ کرام خلافتی اُمور میں اُلجھے ہوئے تھے اُس وقت بھی قرآن مجید کا یہ حقیقی وارث جمعِ قرآن میں مشغول تھا۔ چنانچہ امام ابن ابی شیبہ اور دوسرے محدثین امام محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے بیان کیا:

لَمَّا اِسْتَخْلَفَ أَبُوبَكْرٍ قَعَدَ عَلِيٌّ فِي بَيْتِهِ، فَقِيلَ لِأَبِي بَكْرٍ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ: أَكَرِهْتَ خِلَافَتِي؟قَالَ:لَا لَمْ أَكْرَهْ خِلَافَتَكَ ،وَلٰكِنْ كَانَ الْقُرْآنَ يُزَادُ فِيهِ ،فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَعَلْتُ عَلَيَّ أَنْ لَاأَرْتَدِي إِلَّالِصَلَاةٍ حَتّٰى أَجْمَعَهُ لِلنَّاسِ ،فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ:نِعْمَ مَا رَأَيْتَ .

''جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلافت بنائے گئے تو سیدنا علی علیہ السلام اپنے گھر میں بیٹھ گئے ،یہ بات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بتائی گئی تو اُنہوں نے اُن کی طرف آدمی بھیجا،وہ تشریف لائے تو پوچھا: کیا آپ میری خلافت کو ناپسند کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، میں آپ کی خلافت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں اضافہ ہورہاہے (یعنی روز بروز آیات کے نزول کی وجہ سے) پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو میں نے خود پر یہ بات لازم کرلی کہ چادر کندھے پر لے کر باہر نہیں نکلوں گا ماسوا نماز کے ،جب تک کہ قرآن مجید کو

لوگوں کے لیے جمع نہ کر لوں۔ اِس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ نے بہت خوب سوچا"۔ (1)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اِس روایت میں انقطاع ہے، کیونکہ محمد بن سیرین کا سماع سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے، لیکن امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ إِنَّ ابْنَ سِيرِينَ أَصَحُّ التَّابِعِينَ مَرَاسِلَ وَأَنَّهُ كَانَ لَا يَرْوِي وَلَا يَأْخُذُ إِلَّا عَنْ ثِقَةٍ، وَإِنَّ مَرَاسِلَهُ صِحَاحٌ كُلِّهَا، لَيْسَ كَالْحَسَنِ وَالْعَطَاءِ فِي ذٰلِكَ.

"محدثین کرام کا اِس پر اتفاق ہے کہ ابن سیرین کی مرسل روایات تمام تابعین سے بڑھ کر صحیح ہوتی ہیں، وہ معتبر لوگوں کے علاوہ کسی سے روایت نہیں لیتے تھے، اُن کی تمام کی تمام مراسیل صحیح ہیں، وہ اِس معاملہ امام حسن بصری اور حضرت عطا کی مانند نہیں ہیں"۔ (2)

بعض لوگوں کی سنیت کو یہ بات بعید محسوس ہوئی ہے لیکن جب منصف مزاج مسلمان حدیث الثقلین، حدیث "عَلِيٌّ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ" اور حدیث "عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ" وغیرہا کو مد نظر رکھے تو پھر عقلاً اور نقلاً یہ بات بعید نہیں بلکہ حق معلوم ہوتی ہے کہ جس وقت دوسرے حضرات خلافت کے معاملات میں مشغول تھے اُس وقت یہ حقیقی وارثِ قرآن، قرآن

---

(1) المصنف لابن أبي شيبة بتحقيق محمد عوامة ج۱۵ ص ۵۴۳ ح۳۰۸۵۷؛ كتاب المصاحف لابن أبي داود ص ۱۶۱؛ التمهيد لابن عبد البر ج۸ ص ۳۰۰،۳۰۱؛ الإتقان في علوم القرآن ص ۱۳۰۔

(2) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والمسانيد ج۸ ص ۳۰۱۔

مجید کی حفاظت میں مشغول تھا۔ معلوم ہوا کہ آیت ﴿ثُمَّ أَوۡرَثۡنَا ٱلۡكِتَٰبَ ٱلَّذِينَ ٱصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَاۖ﴾ میں ﴿وَمِنۡهُمۡ سَابِقُۢ بِٱلۡخَيۡرَٰتِ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ﴾ کے اولین مصداق سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات ہے۔

جن نفوس کو دلیلِ توحید بنایا گیا اُن پر بھی تفضیل؟

فاضلِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ فاطر کی آیت مبارکہ (ثُمَّ أَوۡرَثۡنَا ٱلۡكِتَٰبَ) کے ساتھ احادیث ملا کر افضلیتِ ابی بکر رضی اللہ عنہ پر جو بتکلف استدلال کیا ہے ایک طرف اُسے مد نظر رکھیے اور دوسری طرف اللہ جل جلالہ کے درجِ ذیل اصطفاء، اجتباء اور انتخاب میں غور فرمایئے کہ اُس نے کائناتِ پست وبالا کے سب سے بڑے مقدمہ کے لیے بطورِ دلیل کس ہستی کو منتخب فرمایا۔ مت بھولیے کہ کونین کی سب سے بڑی حقیقت اور سب سے عظیم مقدمہ توحیدِ الٰہی ہے۔ خالقِ کائنات جل جلالہ نے اس حقیقت کے اثبات میں متعدد آیات یعنی دلائل پیش فرمائے مگر جس دلیل کو سب سے اہم اور اعظم قرار دیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُم بُرۡهَٰنٞ مِّن رَّبِّكُمۡ.(النساء:۱۷۴)

"اے لوگو! آ پہنچی تمہارے پاس تمہارے رب کی اٹل دلیل"۔

اہل لغت کے نزدیک ''برھان'' سے بڑھ کر اور کوئی قطعی، حتمی اور اٹل دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ احمد بن یوسف المعروف بالسمین الحلبی لکھتے ہیں:

الْبُرْهَانُ: هُوَ الدَّلِيْلُ الْقَاطِعُ ، فَهُوَ أَخَصُّ مِنَ الدَّلِيْلِ الْوَاضِحِ. قَالَ الرَّاغِبُ: وَالْبُرْهَانُ أَوْكَدُ الْأَدِلَّةِ.

"برھان: قطعی دلیل کو کہتے ہیں، سو یہ واضح دلیل سے زیادہ خاص ہوتی ہے،

امام راغب فرماتے ہیں: برھان: تمام دلائل میں مضبوط ترین دلیل ہے"۔[1]

چونکہ واحد معبود ہونے کی ایسی مستحکم دلیل اللہ ﷻ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے اسی لیے وہ سورۃ المؤمنون میں چیلنج کے انداز میں فرماتا ہے:

أَمِ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً ۖ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَٰنَكُمْ ۖ ﴿٢٤﴾

"کیا اُنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر معبود بنالیے ہیں؟ فرمائیے! تم اپنی برھان پیش کرو"۔

اور پھر خود ہی واضح فرمایا:

وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ ﴿١١٧﴾

"جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کی عبادت کرتا ہے اُس کے پاس کوئی برھان نہیں"۔(المؤمنون:١١٧)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ کی کون سی ''بُرْهَان'' ہے؟ جواب ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس۔ چنانچہ مفسرین کرام نے سورۃ النساء کی آیت ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُم بُرْهَٰنٌ مِّن رَّبِّكُمْ ﴿١٧٤﴾﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے:

اَلْبُرْهَانُ: مُحَمَّدٌ ﷺ.

''بُرْهَانُ: سیدنا محمد ﷺ کی ذات پاک ہے"۔[2]

---

(1) عمدۃ الحفاظ ج ا ص ۲۱۱۔

(2) تفسیر سفیان الثوري ص۹۸؛ الوجیز للواحدي ج ا ص ۲۰۴؛ تفسیر العز بن عبد السلام ج ا ص ۳۶۵؛ نظم الدرر للبقاعي ج ۲ ص ۳۷۹؛ تفسیر الجلالین ص ۱۰۵؛=

قرآن مجید میں یہ آیت جس مقام پر آئی ہے وہاں حضرت عیسی علیہ السلام سے اُلوہیت کی نفی اور خالق کائنات جل جلالہ کی توحید کا اثبات ہے، اور وہاں اثباتِ توحید کی برھان تنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جبکہ دوسرے مقام پر جب دلائلِ توحید میں اٹل دلیل کی ضرورت پیش آئی تو قادرِ مطلق جل جلالہ نے بطورِ برھان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُن چار نفوسِ مقدسہ کو بھی شامل کرنے کا حکم فرمایا جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ'' (وہ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں)۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نجران کے دو راہب آئے اور اُنہوں نے دریافت کیا: مَن اَبُوْ عِیسٰی؟ (عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے حکم سے قبل جواب دینے میں جلدی نہیں فرماتے تھے تو آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں:

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ ٱلْآيَٰتِ وَٱلذِّكْرِ ٱلْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ ۖ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ ٱلْمُمْتَرِينَ.

''یہ ہم پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں آیات اور حکمت والی نصیحت، بے شک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے، اُسے اُس نے مٹی سے بنایا

=الدر المنثور ج ۵ ص ۲۴۲؛ الكشف والبيان ج ۳ ص ۴۲۱؛ تفسير البغوي ج ۲ ص ۳۱۵؛ حاشية القونوي ج ۷ ص ۳۷۲؛ جامع البيان للإيجي ج ۱ ص ۴۳۵؛ حدائق الروح والريحان ج ۷ ص ۲۸؛ رموز الكنوز ج ۱ ص ۶۷۵۔

پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔(اے سننے والے) یہ تیرے رب کی طرف سے حقیقت ہے، لہٰذا شک میں مبتلا نہ ہونا"۔ (آل عمران: ۶۰،۵۸)(1)

اِن قرآنی دلائل سے نجران کے عیسائیوں نے روگردانی کی تو پروردگار ﷻ نے فرمایا:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا۟ نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿٦١﴾

"پھر جو شخص کٹ حجتی کرے آپ کے ساتھ، بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آگیا تو آپ فرمایئے! آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تم کو، پھر ہم مباہلہ (ایک دوسرے کے خلاف گڑگڑا کر دعا) کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں"۔

(آل عمران: ۶۱)

یہاں یہ خیال ضرور رکھیے گا کہ قرآنی آیات سے جن منکرین نے روگردانی کرلی اب اُن کے سامنے جن ہستیوں کو پیش کیا جارہا ہے وہ اٹل دلیل یعنی برہانِ الٰہی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿ نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ ﴾ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِي.

"جب یہ آیت نازل ہوئی "ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو" تو نبی

---

(1) تفسیر القرآن العظیم لابن أبي حاتم ج ۳ ص ۶۶۴؛ لباب النقول ص ۱۱۹۔

کریم ﷺ نے سیدنا علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو بلایا، پھر عرض کیا:

اے اللہ! یہ میرے اہل (بیت) ہیں"۔[1]

مباہلہ کا یہ حکم جس وقت ہوا تھا اُس وقت آغوشِ اسلام میں فقط تربیت پذیر ہی نہیں بلکہ بکثرت تربیت یافتہ حضرات بھی موجود تھے مگر میدانِ مباہلہ میں اُنہیں نہ لایا گیا اور نہ ہی اُنہیں لانے کا حکم ہوا تھا۔ یقیناً وہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے مگر اُس میدان کے لیے فقط اُن قدسی صفات ہستیوں کو منتخب فرمایا گیا جو عظمت رفعت اور فضیلت میں شرفِ صحابیت سے بلند تھے۔ چنانچہ جہاں وہ نفوس مقدسہ کائنات کے اعلیٰ خاندان (بنوہاشم) میں سے تھے وہاں وہ اہل بیتِ نبوت بھی تھے اور مخصوص طہارت و نفاست کے حامل بھی، اور یہ ایسا اعزاز ہے جس میں اُن کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اُن پر کسی کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اہل بیت کرام علیہم السلام کا حق کی خود دلیل ہونا

اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کرام علیہم السلام کا وجود فقط مدلّل (دلیل بیان کرنے والا) نہیں بلکہ وہ خود سراپا دلیل ہیں اور محض دلیل بھی نہیں بلکہ برھان (اٹل دلیل) ہیں۔ اِس سے اُن بدبخت لوگوں کی جہالت کا اندازہ لگایئے جو کہتے ہیں کہ آل گمراہ ہو سکتی ہے مگر صحابی گمراہ نہیں ہو

(1) صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه ص ١١٢٩ ح ٢٤٠٤؛ الجمع بين الصحيحين ج ١ ص ١٩٧، ح ٢٠٨؛ مسند أحمد ج ١ ص ١٨٥ ح ١٦٠٨، وط: ج ٣ ص ١٦٠ ح ١٦٠٨؛ مسند سعد بن أبي وقاص للدورقي ص ٥١ ح ١٩؛ سنن الترمذي ص ٦٧٤ ح ٢٩٩٩، وص ٨٤٧ ح ٣٧٢٤؛ المستدرك ج ٣ ص ١٤٩ ح ٤٧٧٣؛ جامع المسانيد لابن الجوزي ج ٣ ص ٥٩ ح ١٩٢٩۔

سکتا، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہدایت کو بھی آل سے تمسک سے مشروط فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واللفظ لزید:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ: كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَّمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ.

''میں تم میں جو چھوڑ رہا ہوں جب تک تم نے اُس سے تمسک رکھا تو میرے بعد ہر گز گمراہ نہیں ہو گے، اُن میں سے ہر ایک دوسری سے بڑی ہے: ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہدایت کی رسی ہے، اور دوسری چیز میری اولاد میرے اہل بیت ہیں، اور یہ ہر گز ایک دوسرے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گے''۔(1)

قرآن مجید خود دلیل بھی ہے اور مدلّل بھی اور اسی طرح جن ہستیوں کا ذکر قرآن مجید کے ساتھ کیا گیا ہے وہ دلیل بھی ہیں اور مدلّل بھی۔ بعض چیزیں اپنی دلیل آپ ہی ہوتی ہیں جیسا کہ مشہور ہے: ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' اور بعض کا وجود ہی حقانیت کی دلیل ہوتا ہے، جیسا

(1) سنن الترمذي ج٦ص ١٢٥، ١٢٤ ح٣٧٨٨، ٣٧٨٦؛صحيح سنن الترمذي للألباني ج٣ص ٥٤٤، ٥٤٣، ٥٤٢ ح٣٧٨٨، ٣٧٨٦؛مسند أحمد بتحقيق أحمد شاكر ج ١٠ص ١٨٤ ح ١١٤٩٩؛سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني ج٤ص ٣٥٥ ح ١٧٦١ و ص ٣٥٧۔

کہ ہم لوگ اپنے اسلاف یا کسی معاصر کو حجۃ الاسلام (اسلام کی دلیل) کہہ دیا کرتے ہیں مگر ہمارے کہنے اور رب تبارک وتعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے فرمانے میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ہمارے منہ بولے حجۃ الاسلام کے حجۃ الاسلام ہونے کا یا اُس کے قول کا انکار گمراہی نہیں ہے لیکن خدا او مصطفیٰ ﷺ نے جنہیں دلیل بنا دیا اُن کا انکار ضرور گمراہی ہے، خواہ وہ انکار صدیوں بعد کوئی مسلمان کرے یا کوئی صحابی کہلانے والا شخص کرے۔ بالکل ہو بہو اُسی طرح جس طرح قرآن مجید کے انکار سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ اہل بیت کرام کا انکار تو بہت بڑی بات ہے اگر کسی شخص یا صحابی کے قلب میں اُن کی محبت نہ ہو تو اُس کے قلب میں ایمان داخل ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بیان کرتے ہیں:

"سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! ہم باہر نکل کر قریش کو دیکھتے ہیں کہ وہ محو گفتگو ہیں لیکن جب وہ ہمیں دیکھتے ہیں تو خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس پر نبی کریم ﷺ کو غصہ آگیا اور آپ کی مقدس پیشانی کے درمیان ایک رگ مبارک حرکت میں آگئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم کسی شخص کے قلب میں اُس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ تمہیں اللہ جل جلالہ اور میری قرابت کی وجہ سے محبوب نہ رکھے"۔ (1)

---

(1) مسند أحمد ج ۱ ص ۱۰۸، ۱۰۷ و ج ۴ ص ۱۶۵ و ط: [شاکر] ج ۲ ص ۳۸۳ ح ۱۷۷۷ و ص ۳۷۹ ح ۱۷۷۳، ۱۷۷۲ و ج ۱۳ ص ۳۹۷ ح ۱۷۴۴۵، ۱۷۴۴۴؛ سنن ابن ماجه ص ۴۰ ح ۱۴۰؛ المستدرک ج ۳ ص ۳۳۳ و ط: ج ۳ ص ۳۷۵، ۳۷۶ ح ۵۴۳۲، ۵۴۳۳، =

سو جن ہستیوں کے فرمان سے روگردانی پر ہی نہیں بلکہ اُن سے عدم محبت پر کسی قریشی اور صحابی تک کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا تو پھر اُن کے ساتھ کسی بھی غیر نبی انسان سے تفاضل و تقابل کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ خدا جانے کہ بتکلف مفاضلہ کرنے والے ہمارے حضرات کو اہل بیت کرام علیہم السلام کی اصطفائیت اور اجتبائیت کیوں نہیں نظر آتی؟

کیا توحیدِ الٰہی کی دلیل بنایا جانا کوئی معمولی بات ہے؟ بلاشبہ اہل بیت کرام علیہم السلام کی شان میں ایک سے بڑھ کر ایک فضیلت ہے لیکن اُن کا ثقلین میں سے ایک ثقل ہونا اور توحید کی دلیل بنایا جانا نہ صرف یہ کہ جملہ مسلمانوں پر اُن کی افضلیت کی دلیل ہے بلکہ اُن کے اپنے جملہ فضائل میں بھی سب سے اعلیٰ فضیلت ہے۔ علامہ زمخشری اور دوسرے علماء کرام لکھتے ہیں:

وَفِيۡهِ دَلِيۡلٌ لَاشَيۡءَ أَقۡوىٰ مِنۡهُ عَلَىٰ فَضۡلِ أَصۡحَابِ الۡكِسَاءِ عَلَيۡهِمُ السَّلَامِ.

=وج ۴ص ۶۷ وط: ج۴ ص ۸۵ ح ۱۹۶۱، ۲۹۶۰؛الجامع الكبير وهو سنن الترمذي ج ۶ ص ۱۰۸ ح۳۷۵۸؛الأحاديث المختارة ج۸ص ۳۸۹ح ۴۸۱؛مسند ابن أبي شيبة ج ۲ ص ۳۹۵ ح۹۱۸؛المصنف لابن أبي شيبة ج ۱۲ ص۱۰۸ وط: ج ۱۱ ص ۱۷۱ ح ۳۲۷۴۸؛ السنن الكبرى للنسائي ج۷ ص ۳۲۰ ح ۸۱۲۰؛ فضائل الصحابة للنسائي ص ۲۲ ح ۴۷؛ المعجم الكبير ج ۲۰ ص ۲۸۴، ۲۸۵ ح ۶۷۲، ۶۷۴، ۶۷۳؛مصابيح السنة ج ۴ص ۱۹۱ ح ۴۸۱۹؛دلائل النبوة للبيهقي ج ۱ ص۱۶۷؛الشريعة للآجري ج۵ص ۲۲۷۸ ح ۱۷۶۲؛ تاريخ دمشق ج ۲۶ ص ۳۰۰؛فضل أهل البيت لابن تيمية ص ۴۳؛رأس الحسين لابن تيمية مع استشهاد الحسين للطبري ص ۲۰۱؛ كشف المناهج والتناقيح للسلّمي المناوي ج۵ ص ۳۱۱ ح۴۹۶۷؛هداية الرواة للعسقلاني ج ۵ ص ۴۵۲ ح ۶۱۰۴۔

"اس آیت میں دلیل ہے کہ چادرِ تطہیر والے نفوس مقدسہ علیہم السلام کی فضیلت میں اس آیت سے زیادہ قوی اور کوئی چیز نہیں ہے"۔[1]

قارئین کرام! اگر آپ نجران کے عیسائیوں کی طرف سے قرآنی دلائل سے روگردانی کے بعد مباہلہ میں اصحاب الکساء علیہم السلام کے بھیجے جانے میں غور و تدبر فرمائیں تو آپ پر حدیثِ ثقلین کا معنیٰ و مفہوم مزید روشن ہو جائے گا اور لطف دوبالا ہو جائے گا۔

تفضیل میں بھی ضعیف و موضوع احادیث؟

مفتی مطیع الرحمان رضوی نے تفضیلِ صدیقی کو آیات کے بعد احادیثِ نبویہ سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے پہلی حدیث یہ ذکر کی ہے:

"عن علي بن أبي طالب قال: كنت مع رسولِ الله ﷺ اذطلع ابوبكر وعمر، فقال رسول الله ﷺ: هذان سيدا كهول اهل الجنة وشبابها من الاولين والآخرين الا النبيين والمرسلين.

ترجمہ: حضرت مولائے کائنات سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ [وآلہ] وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابو بکر و عمر تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ [وآلہ] وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں انبیاء و مرسلین کے علاوہ اہل جنت کے تمام بوڑھوں اور جوانوں کے سردار ہیں"۔[2]

(1) الکشاف ج ۱ ص ۳۹۷؛ تفسیر السراج المنیر للشربيني ج ۱ ص ۳۴۸؛ الصواعق المحرقة، دار الوطن ص ۴۴۴؛ جواهر العقدين ص ۲۰۵؛ رشفة الصادي ص ۶۱۔

(2) انبیاء کے بعد افضل کون؟ للمفتي رضوي ص ۹۶۔

مفتی صاحب نے اِس حدیث پر سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کا حوالہ دیا ہے لیکن اُن کے نقل کردہ مکمل الفاظ اِن تینوں کتابوں میں سے یکجا کسی ایک کتاب میں نہیں ہیں بلکہ ''وشبابھا'' کا لفظ مسند احمد میں ہے اور باقی الفاظ سنن ترمذی میں موجود ہیں۔ سنن ترمذی کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

يَا عَلِيُّ لَا تُخْبِرْهُمَا.

''اے علی! اِن دونوں کو بتانا نہیں''۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اِس سند سے یہ حدیث غریب ہے، ولید بن محمد موقّری کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے۔ (1)

تھذیب التھذیب میں مَیں ولید بن محمد موقری کے حالات میں گیا تو وہاں اِس کے بارے میں دوٹوک انداز میں کسی محدث سے بھی کوئی خیر و تعدیل کا لفظ نہیں ملا بلکہ محدث یحییٰ بن مَعین نے کہا: لیس بشيء (وہ کچھ بھی نہیں تھا) علی بن حسین ھسنجانی نے کہا: کذاب تھا، علی بن مدینی نے کہا: اُس کی حدیث لکھی نہیں جاتی، جوزجانی نے کہا: غیر ثقہ تھا، اُس نے زُھری سے متعدد احادیث روایت کیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ (خیال رہے کہ یہ روایت بھی اِس نے زھری سے لینے کا دعویٰ کیا ہے۔ فیضی) محمد بن عوف نے کہا: کذاب تھا۔ یعقوب بن سفیان نے کہا: فرات بن سائب، ابو العطوف جزری اور موقری کے بارے میں محدثین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اہل علم کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود کو اِن تینوں راویوں کی حدیث میں مشغول کریں۔ محدث ابن حبان نے کہا ہے:

لَا يَجُوزُ الْاِحْتِجَاجُ بِهِ بِحَالٍ.

---

(1) سنن الترمذي ج ٦ ص ٤٥، ٤٦ ح ٣٦٦٥۔

"کسی حال میں بھی اِس سے دلیل لینا جائز نہیں ہے"۔[1]

چونکہ تمام محدثین سے اِس کے بارے میں جرح منقول ہے اِسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اِس کے متعلق دوٹوک فیصلہ یوں دیا ہے:

"ولید بن محمد موقری ابو بشر بلقاوی بنو امیہ کا غلام ہے، متروک ہے"۔[2]

نیز اِس حدیث کی سند میں ایک اور سقم بھی ہے، وہ یہ کہ اِس میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اِس کو سیدنا علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت کیا ہے حالانکہ اُن کا مولا علی علیہ السلام سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری کارروائی ولید بن محمد موقری کی ہے، اُس نے "عن الزهري ،عن علي بن حسين" سے یہ بے اصل روایت ٹھوک ماری ہے۔

کیا سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نوجوانانِ اہلِ جنت کے بھی سردار ہیں؟

مفتی مطیع الرحمان رضوی صاحب نے اپنی نقل کردہ حدیث میں "وَشَبَابِهَا" کا لفظ شامل کرنا بھی پسند کیا اور یہ لفظ مسند احمد میں ہے لیکن عبد اللہ بن احمد کے زوائد سے ہے۔ اِس کی سند میں ایک راوی حسن بن زائد ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سیدہ نفیسہ کے والد ہیں۔ اِن کی ثقاہت پر بھی اقوال ملتے ہیں اور ضعف پر بھی۔ یحیٰ بن مَعین نے اِنہیں ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے:

"اِن کی وہ احادیث جو "عن أبیه" سے ہیں وہ اُن احادیث سے زیادہ منکر ہیں جو عکرمہ سے ہیں"۔[3]

---

(1) تہذیب التہذیب ملخَصًا ج ٦ ص ٧٤٦۔

(2) تقریب التہذیب ص ١٠٤١۔

(3) تہذیب التہذیب ج ٢ ص ٣٦،٣٧۔

اِن کی یہ حدیث ''عن أبیه'' سے ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اِن کے بارے میں آخری فیصلہ یوں دیا ہے:

''یہ فاضل شخص تھے، سچے تھے اور وہم کا شکار ہو جاتے تھے''۔[1]

حدیث ''الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ'' کا تواتر

ہر چند کہ آج کل کے لوگوں نے اِس حدیث پر صحت و تحسین کا حکم لگانے کی کوشش کی ہے لیکن لگتا یہ ہے کہ یہ حدیث ''الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ'' کے مقابلہ میں وضع کر کے مختلف سندوں سے پھیلا دی گئی ہے۔ بعض ظالم توشانِ مرتضوی میں مشہور و متواتر حدیث ''أما ترضی أن تکون مني بمنزلة هارون من موسیٰ'' کے مقابلہ میں بھی ایک حدیث ''أبو بکر و عمر مني بمنزلة هارون من موسیٰ'' کے الفاظ میں گھڑ ڈالی تھی۔ اسی طرح حدیث المباہلہ کے مقابلہ میں بھی حدیث گھڑی گئی، لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ ''الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ'' کے مقابلہ میں یہ حدیث گھڑی گئی ہو۔

یہاں یہ خیال رہے کہ شیخین کی کہولت یا شبابت والی یہ حدیث قیل و قال سے قطعاً خالی نہیں ہے جبکہ حدیث ''الحَسَنُ وَالحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الجَنَّةِ'' کا شمار احادیث متواترہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ امام سیوطی، امام مناوی، شیخ علی بن احمد عزیزی شافعی، علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی، محدث الکتانی اور علامہ زبیدی نے اِس کو احادیثِ متواترہ میں شمار کیا ہے۔[2]

---

(1) تقریب التهذیب ص ۲۳۸۔

(2) قطف الأزهار المتناثرة ص ۲۸۶ ح ۱۰۵؛ فیض القدیر ج ۳ ص ۵۵۰ ح ۳۸۲۰؛ السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۳۸؛ التنویر شرح الجامع الصغیر ج ۵ ص ۴۲۴ نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ۱۹۶ ح ۲۳۵؛ لقط الآلی المتناثرة ص ۱۴۹ ح ۴۵۔

شیخ البانی نے اِس پر کافی بحث کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے:

وَبِالْجُمْلَةِ: فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ بِلَا رَيْبٍ، بَلْ مُتَوَاتِرٌ.

"فی الجملہ یہ کہ یہ حدیث بلاشک وشبہ صحیح ہے بلکہ متواتر ہے"۔(1)

بخدا ہمیں سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل محبوب ہیں لیکن اہل بیت کرام علیہم السلام کے مقابلہ میں احادیث کے ساتھ جو کھلواڑ کیا گیا ہے وہ منظور نہیں ہے۔ میں پھر دُہراتا ہوں کہ عصر حاضر کے لوگوں نے شیخین کی اِس حدیث کو قابل قبول بنانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ متقدمین اِس حدیث سے آگاہ نہیں تھے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں یہ حدیث "حدثنا محمد بن كثير، عن الأوزاعي، عن قتادة، عن أنس" کی سند سے منقول ہے لیکن جب محدث علی بن المدینی کو بتایا گیا کہ محمد بن کثیر یہ حدیث روایت کرتا ہے تو وہ غضب ناک ہو گئے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"یونس بن حبیب بیان کرتے ہیں: میں نے محدث علی بن المدینی کو کہا کہ محمد بن کثیر نے اوزاعی، از قتادہ از انس روایت کیا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھا تو فرمایا: یہ دونوں اہل جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں"۔ اِس پر محدث علی بن المدینی نے کہا: میں اِس شیخ سے ملاقات کا شوق رکھتا تھا لیکن اب میں اس کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا"۔(2)

حسنین کریمین علیہما السلام کی افضلیت کی قطعیت

(1) سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني ج ٢ ص ٤٣١ ح ٧٩٦۔

(2) تهذيب التهذيب ج ٦ ص ٢٢۔

اگر مفتی صاحب کے نزدیک شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں یہ حدیث قابلِ قبول ہے تو پھر بھی اِس سے تفضیلِ شیخین کیونکر ثابت ہو سکتی ہے؟ اگر روایۃً اور درایۃً یہ دونوں حدیثیں برابر بھی ہوتیں تو تب بھی شیخین کی افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ جب دلائل کا تعارض ہو جائے تو کسی سمت کی افضلیت بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ سو اب جب شیخین رضی اللہ عنہما کے لیے پیش کی جانے والی حدیث ضعیف ہے اور مفتی صاحب نے اُسے تفضیل کے ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا تو کیا اب وہ ہو بہو اُسی طرح کی حدیث کو حسنین کریمین علیہما السلام کی تفضیل میں تسلیم کریں گے؟ وہ تسلیم کریں یا نہ کریں جب حسنین کریمین علیہما السلام کی شان پر مبنی حدیث متواتر ہے تو پھر اُن کی افضلیت اور تفضیل از خود ثابت ہو گئی، کیونکہ افضلیت کے لیے قطعی ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اور حدیثِ متواتر بھی قطعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ چونکہ حسنین کریمین علیہما السلام کی شان پر مبنی حدیث متواتر ہے تو اُن کی افضلیت قطعی ہے اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق جو روایت پیش کی گئی ہے وہ قیل و قال سے محفوظ نہیں بلکہ اُس کے موضوع ہونے کے دلائل زیادہ ہیں تو ایسی روایت سے کسی کی تفضیل تو کیا فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی۔

اب ہم دیکھیں گے کہ آیا مفتی رضوی اور اُن کی مانند دوسرے لوگ مذہبی تعصّب پر قائم رہتے ہیں یا حدیثِ متواتر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے سیدین حسنین کریمین علیہما السلام کی افضلیت کے قائل ہوتے ہیں؟

حدیث ''أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ خَيْرُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ'' کا حکم

مفتی مطیع الرحمان رضوی ہندی نے بحوالہ کنز العمال بطورِ حدیث نبوی دوسری روایت یہ نقل کی ہے:

''ابو بکر و عمر خیر الاولین والآخرین وخیر اہل السماء وخیر

اهل الارض الا النبين والمرسلين۔

ترجمہ: ابو بکر اور عمر انبیاء ومرسلین کے علاوہ تمام اولین وآخرین سے افضل ہیں۔ تمام آسمانوں والوں سے افضل ہیں۔ تمام زمین والوں سے افضل ہیں"۔[1]

یہ روایت مولوی غلام رسول قاسمی نے بھی تفضیلِ شیخین کے ثبوت میں لکھ ماری ہے۔[2]

مولانا محمد اشرف سیالویؒ نے بھی اِس موضوع روایت کو تفضیل شیخین رضی اللہ عنہما کے ثبوت میں نقل کیا ہے۔[3]

اور تو اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت نے بھی تفضیل عمرین رضی اللہ عنہما ثابت کرتے ہوئے اِس موضوع وباطل روایت کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے مگر افسوس کہ یہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں بلکہ من گھڑت اور باطل روایت ہے۔ چنانچہ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما جبرون بن واقد الافریقی کے ترجمہ (حالات) میں اُس سے دو حدیثیں لائے ہیں اور وہ دونوں موضوع (جعلی) ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ كلام الله ينسخ كلامي (اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے)

۲۔ اور دوسری یہی حدیث نقل کی، پھر فرمایا: وهما موضوعان. (اور یہ دونوں موضوع ہیں)۔[4]

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ص ۹۶۔

(2) ضربِ حیدری ص 53 وص 49۔

(3) تقریظ: ضربِ حيدري ص ۱۶۔

(4) ميزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۱۱، لسان الميزان ج ۲ ص ۱۶۷۔

مفتی مطیع الرحمان رضوی نے تفضیلِ صدیقی میں یہ روایت نقل کی ہے:

"روی ابوالدرداء عن النبي ﷺ انه قال: ماطلعت الشمس ولاغربت بعد النبیین والمرسلین علی أفضل من ابي بکر.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انبیاء و مرسلین کے بعد ابو بکر سے بہتر کوئی پیدا نہیں ہوا"۔(1)

مفتی رضوی نے عمداً ترجمہ کیوں بدلا ہو گا؟

اِس موضوع روایت کا صحیح ترجمہ تو یہ ہے کہ: "انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا"۔ لیکن مفتی رضوی صاحب نے ترجمہ کر دیا کہ: "انبیاء و مرسلین کے بعد ابو بکر سے بہتر کوئی پیدا نہیں ہوا"۔ یہ بات نہیں کہ اُنہیں لفظ بلفظ ترجمہ کرنا نہیں آتا لیکن اِس ترجمہ سے اُن کی کوئی غرض ہو گی۔ بہر حال نہ یہ حدیث نبوی ہے اور نہ مفتی صاحب کا ترجمہ درست ہے، اِس لیے کہ پیدائش کے لحاظ سے پہلے نبی کریم ﷺ کی اولاد ذکور مثلاً سیدنا ابراہیم بن محمد اور سیدنا قاسم بن محمد علیہما السلام اور اناث مثلاً سیدہ فاطمہ علیہا السلام افضل ہیں اور پھر نبی کریم ﷺ کی وہ اولاد افضل ہے جس کے لیے آقا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اولاد پشتِ علی سے پیدا فرمائی ہے۔ وہ اولاد اِس لیے بھی افضل ہے کہ وہ ہاشمی ہے اور جبریل علیہ السلام نے شہادت دی ہے کہ ہاشمی خاندان سے افضل اُنہوں نے کوئی خاندان نہیں پایا۔ نیز وہ اولاد اِس لیے بھی افضل ہے کہ اُس اولاد کے ماں باپ دونوں کی نبی کریم ﷺ نے گھٹی سے لے کر آخر تک خود تربیت فرمائی، خود نکاح پڑھا، خود ہی پانی پر دم کر کے اُن کے سینے اور پشت پر چھڑکا اور خود ہی اُن

---

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ص ۱۰۱، ۱۰۰۔

کے لیے اور اُن دونوں کی اولاد کے لیے شیطان مردود کے شر سے پناہ کی دعائیں مانگیں۔ سیدنا ابو بکر ﷺ کے والدین کی نہ اِس طرح کوئی تربیت کرنے والا تھا، نہ اُن کا کوئی ایسا نکاح خواں تھا، نہ ایسا کوئی پانی چھڑکنے والا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی جامع دعائیں کرنے والا تھا۔ پیدائش کے لحاظ سے تو سیدنا علی علیہ السلام بھی سیدنا ابو بکر ﷺ سے افضل ہیں، کیونکہ اُن کے والدین ہاشمی ہیں اور حضرت ابو بکر ﷺ کے والدین غیر ہاشمی ہیں، اور بقول جبریل علیہ السلام ہاشمی روئے زمین کے تمام خاندانوں سے افضل ہیں۔

یہاں آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث بھی ضرور مدنظر رہے جس میں ارشاد ہے:

"لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح کانیں، جو زمانۂ جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہوتے ہیں بشرطیکہ دین کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں"۔[1]

خود سوچیے کہ سیدنا علی علیہ السلام کا تعلق کس کان سے ہے؟ اُن کا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دادا ایک ہی ہے۔

اس عظمت کو سمجھنا مقصود ہو سیدنا عمر ﷺ کے درجِ ذیل الفاظ میں غور فرمائیے۔ حضرت عروہ بن زبیر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر ﷺ کی مجلس میں سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کی برائی کرنے لگا تو اُنھوں نے فرمایا:

تَعۡرِفُ صَاحِبَ هٰذَا الۡقَبۡرِ؟هُوَ مُحَمَّدُ بۡنُ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَبۡدِ الۡمُطَّلِبِ، وَعَلِيُّ بۡنُ أَبِي طَالِبِ بۡنِ عَبۡدِ الۡمُطَّلِبِ، فَلَا تَذۡكُرۡ عَلِيًّا إِلَّا بِخَيۡرٍ.

"کیا تم اس قبر والے کو جانتے ہو؟ یہ ہیں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب! اور علی ہیں ابن ابی طالب بن عبد المطلب، پس تم خیر کے علاوہ علی ﷺ کے بارے

---

(1) صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ، باب الأرواح جنود مجندۃ، ص ۱۱۴۹ ح ۲۶۳۸؛ مصابیح السنۃ ج ۱ ص ۱۶۷ ح ۱۵۰۔

میں لب کشائی نہ کیا کرو"۔(1)

"فضائل الصحابة" کے محقق شیخ وصی اللہ بن محمد عباس نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

پھر پیدائش کے بعد اُنہیں جو آغوش میسر آئی اُسے بھی ضرور مد نظر رکھیے۔ جس کو روزِ اوّل سے عنایات وشفقاتِ نبویہ حاصل ہو گئیں، کیا دین کی سمجھ بوجھ کے حصول میں اُن سے کوئی بڑھ سکتا ہے؟ ہر گز نہیں، اِس لیے کہ جو کان جتنا زیادہ اچھی ہوتی ہے پالش کرنے پر زیادہ نکھرتی بھی وہی ہے۔ پھر خود اندازہ فرمایئے کہ سب سے اچھی کان کے ہیرے کو جب پالش کرنے اور سنوارنے والا سید الأنبیاء والمرسلین علیہ و علیہم الصلاۃ والسلام ہو تو اُس سے وہ ہیرا کیونکر زیادہ نکھر سکتا ہے جو نہ تو اُس سب سے اعلیٰ کان سے ہو اور نہ ہی اُسے پہلے دن سے ایسا ماہر تراشنے اور نکھارنے والا ملا ہو؟

کتبِ حدیث کو چھوڑ کر دوسری کتب سے حدیث لینے میں راز؟

خدا جانے کہ مفتی رضوی صاحب نے تفضیل ایسے نازک مسئلہ پر احادیث کو کتبِ حدیث سے نقل کرنے کے بجائے دوسری کتب سے کس حکمت کے تحت نقل کیا ہو گا؟ بہر حال اِن الفاظ کے ساتھ بغیر سند کے یہ روایت "لمعة الاعتقاد" میں موجود ہے۔ اگر سند کے ساتھ یہ روایت دیکھنا مطلوب ہو تو ہم مع سند پیش کیے دیتے ہیں۔ امام طبرانی نے اِس کی سند یوں ذکر کی ہے:

حدثنا محمد بن العباس: نا الحسن بن ناصح المخرمي: نا رويم بن يزيد المقريء: ثنا إسماعيل بن يحيى التيمي، عن ابن جريج، عن عطاء. عن جابر بن عبد الله، قال: رأى رسول الله ﷺ أبا الدرداء يمشي بين يدي أبي بكر الصديق، فقال: يا أبا الدرداء!

---

(1) فضائل الصحابة ج ۲ ص ۵۹۷ ح ۱۰۸۹؛ تاریخ دمشق ج ۴۲ ص ۵۱۹؛ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۸ ص ۷۷؛ الرياض النضرة في مناقب العشرة ج ۴ ص ۱۰۶۔

تمشي قدام رجل لم تطلع الشمس بعد النبيين على رجل أفضل منه؟ فما رئي أبوا الدرداء بعد ذلك يمشي إلا خلف أبي بكر.

لم يرو هذا الحديث عن ابن جريج ، عن عطاء ، عن جابر إلا إسماعيل بن يحيى . تفرد به رويم بن يزيد المقريء.

ورواه غيره : عن ابن جريج . عن عطاء . عن أبي الدرداء.

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے چل رہے ہیں تو فرمایا: اے ابوالدرداء! تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو کہ بعد از انبیاء کرام علیہم السلام اُس سے افضل شخص پر سورج طلوع ہی نہیں ہوا۔ پس اُس کے بعد حضرت ابوالدرادء رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا گیا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چلتا ہوا۔

اس روایت کو از ابن جریج، از عطاء، از جابر کی سند سے اسماعیل بن یحیٰی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا، رویم بن یزید مقری اسماعیل سے روایت کرنے میں تنہا ہے۔

دوسرے محدثین نے اِس روایت کو "عن ابن جریج. عن عطاء. عن أبي الدرداء" سے ذکر کیا ہے"۔ (1)

حافظ ہیثمی نے اِس حدیث کو نقل کر کے ایک ہی جملہ سے اِس کی سند کی بیخ کنی کر دی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہے:

"اِس کو طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے، اِس کی سند میں

---

(1) المعجم الأوسط ج۷ ص ۲۱۴ ح ۷۳۰۶، دار الحرمین، القاهرة۔

اسماعیل بن یحییٰ تیمی ہے اور وہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے"۔[1]

مفتی رضوی ہوشیار بلکہ چالاک آدمی ہیں کہ اُنہوں نے اِس جھوٹی روایت کو براہِ راست "المعجم الأوسط" سے نقل نہیں کیا، ورنہ یہ کتاب اُن کی لائبریری میں موجود تھی، چنانچہ آگے بیسویں حدیث اُنہوں نے براہ راست "المعجم الأوسط" سے ہی نقل کی ہے۔

بعض رضوی مفتیوں کی دیدہ دلیری

بلا شبہ حدیث کی صحت اور عدم صحت کو جانچنا انتہائی مشکل مرحلہ ہے، بڑے بڑے ماہر علماء بھی اِس میدان میں ٹھوکر کھا جاتے ہیں، مثلاً اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بے مثال محقق و مدقق مانا جاتا ہے مگر اُن سے بھی موضوع و باطل روایات درج ہو گئیں اور یہی موضوع روایت "أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ خَيْرُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ" بھی اُن سے درج ہو گئی۔ سو حدیث کی پرکھ کا مسئلہ خاصا دشوار ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کتاب کے ایسے مقام سے کوئی حدیث نقل کرے جہاں اُس روایت پر جرح و قدح موجود ہو اور پھر بھی وہ آنکھیں بند کر کے اُسے نقل کر دے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص شریعت کے معاملہ میں جری اور بے پرواہ ہے اور عمداً موضوع و باطل روایت بیان کر رہا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مفتی مطیع الرحمان رضوی ہندی صاحب نے ایسی ہی ناپاک جسارت کی ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"فضائل الخلفاء الاربعة از ابو نعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) ج ۱ ص ۳۸ میں ہے:

قال رسول الله ﷺ: إن الشمس لم تشرق على احد او تغب خير من ابي بكر الا النبيين والمرسلين.

ترجمہ: اللہ کے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: انبیاء و مرسلین کے سوا ابو بکر

---

(1) مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۳۔

سے بہتر کسی نے اس کائنات میں قدم نہیں رکھا"۔[1]

حالانکہ امام ابونعیم کی "فضائل الخلفاء الأربعة" کے اُسی مطبوعہ نسخہ میں جو مفتی صاحب کے سامنے تھا، حاشیہ میں یہ تحقیق بھی مرقوم ہے:

"اِس روایت کو ابن ابی عاصم، قطیعی، خیثمہ اور امام ابونعیم نے "حلیة الأولیاء" میں روایت کیا ہے،... سب نے "عن ابن جریج، عن عطاء، عن أبي الدرداء" (از ابن جریج، از عطاء، از ابوالدرداء) روایت کیا ہے۔ ابن جریج مدلس ہے۔ امام دارقطنی کہتے ہیں: ابن جریج کی تدلیس سے اجتناب کرو، کیونکہ اُس کی تدلیس قبیح ترین ہے، وہ کسی سنی ہوئی چیز میں تدلیس نہیں کرتا مگر مجروحین سے۔ مثلاً ابراہیم بن ابویحیی، موسیٰ بن عبیدہ اور دوسرے مجروحین۔ اور اِس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں، ابن حبان نے "المجروحين" میں اور ابن الجوزی نے "العلل المتناهية" میں از ابن جریج، از عطاء، از جابر روایت کیا ہے۔ محدث دارقطنی نے کہا ہے: اسماعیل ضعیف ہے۔ دوسرے محدثین نے از عطاء از ابوالدرداء روایت کیا ہے اور یہ حدیث غیر ثابت ہے"۔[2]

ابن جریج کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز ہے، یہ بنوامیہ کا غلام تھا۔[3]

امام سیوطی کا عدم تدبّر

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اِس حدیث کو حضرت ابوالدرداء اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے طریقے سے

---

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ۱۰۱۔

(2) حاشية: فضائل الخلفاء الأربعة لأبي نعيم ص ۳۹۔

(3) تهذيب التهذيب ج ۴ ص ۲۴۸۔

نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَلَهٗ شَوَاهِدُ مِنْ وُجُوهٍ أُخَرَ تَقْتَضِي لَهٗ بِالصِّحَّةِ أَوِالْحَسَنِ ، وَ قَدْ أَشَارَ ابْنُ كَثِيْرٍ إِلَى الْحُكْمِ بِصِحَّتِهٖ.

"اور اِس کے دوسرے وجوہ سے کچھ شواہد ہیں جو اِس کی صحت یا حسن کا تقاضا کرتے ہیں، اور ابن کثیر نے اِس کی صحت کے حکم کی طرف اشارہ کیا ہے"۔[1]

یہ امام سیوطی کی غفلت ہے، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی سند میں اسماعیل بن یحییٰ تیمی ہے اور اُسے کذاب تک کہا گیا ہے اور اُس پر حدیث گھڑنے کا بھی الزام ہے، جبکہ حضرت ابوالدرداء والی سند میں ابن جریج قبیح ترین مدلس موجود ہے۔ پھر اس سند میں ایک اور سقم یہ ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح کا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عطاء کے حالات میں پہلے تو اُنہیں حضرت ابوالدرداء سے روایت کرنے والوں کی فہرست میں درج کیا ہے لیکن آخر میں لکھا ہے:

فَعَلٰى تَقْدِيْرِ مَوْلِدِهٖ لَا يَصِحُّ سِمَاعُهٗ مِنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ.

"پس اِن کی ولادت کے لحاظ سے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع صحیح نہیں ہے"۔[2]

ابن جریج کا بکثرت تدلیس کرنا

خدا جانے کہ کون سے اور کیسے شواہد امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں ہوں گے، اگر وہ کچھ نشاندہی فرما دیتے تو بات واضح ہو جاتی۔ وہ شواہد تو جب آئیں گے دیکھا جائے گا لیکن اِس

(1) تاریخ الخلفاء ص ۱۲۳، ۱۲۲، دار المنهاج۔

(2) تهذیب التهذیب ج ۴ ص ۱۹۱۔

حدیث کی سند میں جو مدلس راوی ہے اُس کی تدلیس خود امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی معمولی نہیں تھی۔ چنانچہ امام سیوطی بقلمِ خود لکھتے ہیں:

عَبْدُ الْمَلِكِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ : يَكْثُرُ مِنَ التَّدْلِيسِ.

''عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج تدلیس کی کثرت کرتا ہے''۔(1)

لفظ ''تدلیس'' د. ل. اور س سے ہے۔ ''دلس'' کا معنی ہے تاریکی اندھیرا، جبکہ تدلیس کا معنیٰ ہے اندھیرا کرنا۔ پھر یہ حسی اور معنوی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، یعنی ایسا اندھیرا کرنا کہ ظاہری آنکھ نہ دیکھ سکے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور ایسے اندھیرے (دھوکہ) میں رکھنا کہ عقل کی آنکھ نہ دیکھ سکے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ائمہ لغت میں سے مشہور لغوی ابن فارس [ت: ۳۹۵ھ] نے لکھا ہے:

الدَّلَسُ: الظُّلْمَةُ.

''دلس کا معنیٰ ہے تاریکی''۔(2)

امام اللغہ شیخ خلیل فراہیدی [ت: ۱۷۰ھ] دوسرے معنی کی توضیح میں لکھتے ہیں:

دَلَّسَ فِي الْبَيْعِ وَفِي كُلِّ شَيْءٍ ، إِذَا لَمْ يُبَيِّنْ لَهُ عَيْبُهُ.

''خرید وفروخت اور ہر چیز میں جب اُس کا عیب ظاہر نہ کیا جائے تو ایسی فریب کاری دَلَّس ہے''۔(3)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

---

(1) أسماء المدلسين للسيوطي ص ۲۹، دار السلام، القاهرة، الطبعة الأولى ۱۴۳۴ھ۔

(2) معجم مقاييس اللغة ج ۲ ص ۳۴۰۔

(3) كتاب العين مرتبا على حروف المعجم ج ۲ ص ۴۰۔

وَالتَّدْلِيُسُ: إِخْفَاءُ الْعَيْبِ.

''عیب چھپانا تدلیس ہے''۔[1]

اسلام میں کسی مسلمان کا عیب چھپانا انتہائی پسندیدہ بات ہے، یہاں اُس عیب چھپانے کی بات نہیں ہو رہی بلکہ یہاں دھوکہ دہی کے طور پر کسی حسی یعنی اشیاء خورد و نوش وغیرہ یا معنوی جیسا کہ حدیث و روایت وغیرہ کی کسی بات کو قابلِ قبول بنانے کی خاطر اُس کا عیب چھپانا مراد ہے، جیسا کہ شیخ خلیل فراہیدی نے لکھا۔ نیز علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

التَّدْلِيُسُ: كِتْمَانُ عَيْبِ السِّلْعَةِ عَنِ الْمُشْتَرِيّ. وَمِنْهُ التَّدْلِيُسُ فِي الْإِسْنَادِ.

''خریدار سے چیز کا عیب چھپانا تدلیس ہے اور سند میں تدلیس بھی اِسی معنیٰ میں ہوتی ہے''۔[2]

ہمارے ہاں عام متداول عربی سے اردو لغات میں ''تدلیس'' کا معنی یوں کیا گیا ہے:

''البائع: سامان کے عیب کو چھپانا۔ محدث کا حدیث کی روایت میں اپنے راوی کا نام نہ لینا بلکہ اُس سے اوپر کے راوی کا نام لینا اور لفظ ایسا اختیار کرنا جس میں سماع کا احتمال ہو''۔[3]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تدلیس کی مذمت میں محدث شعبہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

التَّدْلِيُسُ أَخُو الْكِذْبِ.

---

(1) لسان العرب ج ۴ ص ۳۸۵۔

(2) القاموس المحیط ص ۵۵۷۔

(3) مصباح اللغات للبلیاوي ص ۲۴۷۔

"تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے"۔[1]

بتائیے! سامان فروخت کرنے والے کا خریدار کی نگاہ سے سامان کے عیب کو چھپانا کتنا بڑا جرم ہے؟ سو جس طرح دکان دار اپنے سودے کی خاطر تدلیس کرتا ہے تاکہ اُس کا سودا ہاتھوں ہاتھ بِک جائے اسی طرح راوی تدلیس کرتا ہے تاکہ اُس سے حدیث لی جائے اور اُس کے پاس حدیث لینے والوں کا تانتا بندھا رہے۔

اگرچہ ہر مدلس کو مکھی کی طرح نکال پھینکنے کا حکم نہیں ہے مگر احتیاط واجتناب تو لازم ہے، پھر خود غور فرمائیے کہ جو شخص قلیل نہیں بلکہ بقول امام سیوطی بکثرت تدلیس کرتا تھا اور جس کی تدلیس کو امام دار قطنی نے قبیح ترین تدلیس کہا ہے اور اُس کا نام لے کر کہا ہے کہ اس کی تدلیس سے اجتناب کیا جائے تو پھر خود ہی انصاف فرمائیے کہ اُس کی حدیث پر کیونکر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

تنبیہ

خیال رہے کہ ابن جریج کی تعریف بھی بہت زیادہ کی گئی ہے لیکن اِس کو امام مالک بن انس جیسے آدمی نے "حَاطِبُ اللَّيل" (اندھیرے میں لکڑیاں جمع کرنے والا جو سانپ کو بھی لکڑی گمان کرتا ہے) بھی کہا ہے۔ بعض نے اِس کو صاحب غثاء (کچرا جمع کرنے والا) بھی کہا ہے، تاہم یہ بہت بڑا راوی تھا مگر امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جب وہ کہے "قال فلان" یا کہے "أُخْبِرْتُ" (مجھے بتایا گیا) تو ایسی تمام روایات منکَر (ناپسندیدہ) ہیں اور جب کہے "سَمِعْتُ" میں نے سنا تو وہ ٹھیک ہیں۔[2]

زیر بحث حدیث میں اُس سے "حدثني" یا "سَمِعْتُ" کا کوئی لفظ منقول نہیں ہے،

---

(1) تدریب الراوی في شرح تقریب النواوي ج ۱ ص ۲۶۲۔

(2) سیر أعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۲۸؛ تهذیب الکمال ج ۱۸ ص ۳۴۸۔

لٰہذا یہ حدیث قابلِ قبول نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کا فرزند عبد اللہ بیان کرتا ہے:

قَالَ أَبِي : بَعْضُ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ الَّتِي كَانَ يُرْسِلُهَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَحَادِيثُ مَوْضُوعَةٌ .كَانَ ابْنُ جُرَيْجٍ لَايُبَالِي مِنْ أَيْنَ يَأْخُذُهَا، يَعْنِي قَوْلُهُ :أُخْبِرْتُ ، وحُدِّثْتُ عَنْ فُلَانٍ.

"میرے والد نے فرمایا: یہ احادیث جو ابن جریج مرسلاً بیان کرتا ہے یہ جعلی احادیث ہیں۔ ابن جریج پروا نہیں کرتا تھا کہ وہ ان احادیث کو کہاں سے لے رہا ہے، یعنی اُس کا کہنا: "أُخْبِرْتُ" (مجھے خبر دی گئی) اور "حُدِّثْتُ عَنْ فُلَانٍ" (مجھے فلاں سے حدیث سنائی گئی)"۔[1]

اِس حدیث کے خلاف ایک اور موضوع حدیث بھی موجود ہے۔ وہ اِس طرح کہ زیر بحث حدیث میں تو کہا گیا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا جبکہ اُس موضوع حدیث میں دعویٰ کیا گیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا مگر حیرت کی بات ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس پر بھی حرف "ح" سے حدیثِ حسن کی رمز لگادی ہے۔ تفصیل درجِ ذیل عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا محمد بن المثنیٰ ، قال: حدثنا عبدالله بن داود الواسطي أبو محمد ، قال : حدثني عبد الرحمان ابن أخي محمد بن

(1) میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۰۴۔

المنكدر ، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله ،قال:

قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ: يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ : أَمَا إِنَّكَ إِنْ قُلْتَ ذَاكَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰى رَجُلٍ خَيْرٍ مِنْ عُمَرَ.

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے بہتر شخص! اِس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آپ یہ کہتے ہو تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا: عمر سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا“۔ (1)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اِس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ ، وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ.

”یہ حدیث سند کے لحاظ سے غیر معروف ہے، ہم اِس کو اِس طریقے کے علاوہ نہیں جانتے اور اِس کی سند بھی قابل قبول نہیں“۔ (2)

اِس سند میں ایک شخص عبد اللہ بن داود الواسطی ہے اور کسی نے اُس کی موافقت نہیں کی۔ چنانچہ

---

(1) سنن الترمذي ج٦ ص ٥٨ ح ٣٦٨٤؛ المستدرک للحاکم ج ٣ ص ٩٠ ، وط: دار الميمان ج٦ ص ٦٢ ح ٤٥٥٨؛ مسند البزار ج ١ ص ١٥٩ ح ٨١؛ كتاب السنة لابن أبي عاصم ج ٢ ص ٨٥١ ح ١٣٠٩؛ الجامع الصغير للسيوطي ص ٤٩٥ ح ٧٩٣٧؛ تهذيب الكمال للمزي ج ١٨ ص ٢٩، ٢٨۔

(2) سنن الترمذي ج٦ ص ٥٨۔

محدث عقیلی اُس کے متعلق لکھتے ہیں:

"اِس کی متابعت کی گئی اور نہ ہی یہ معروف ہے"۔[1]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کو صحیح سمجھ لیا لیکن امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کے دوراویوں پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اِس میں عبد اللہ بن داود ضعیف ہے اور عبد الرحمان میں جرح کی گئی ہے اور یہ حدیث موضوع حدیث کے مشابہ ہے"۔[2]

امام ذہبی اپنی ایک اور کتاب میں اِسی عبد اللہ بن داود واسطی کے حالات میں امام بخاری، امام نسائی اور ابو حاتم کی جرح نقل کرنے کے بعد یہی حدیث لائے ہیں اور آخر میں کہا ہے:

هٰذَا كِذْبٌ.[3]

"یہ جھوٹ ہے"۔[4]

امام ابن عدی سے اِس راوی کے ترجمہ (حالات) میں کچھ بھول ہو گئی، وہ یہ کہ پہلے اُنہوں نے اِس کے بارے میں لکھا کہ ابو موسیٰ محمد بن مثنیٰ نے کہا:

---

(1) کتاب الضعفاء للعقیلي ج۳ ص ۴۵۱، ۴۵۰، دار ابن عباس۔

(2) تلخیص المستدرک ج۳ ص ۹۰، وط: ج۶ ص ۲۶۔

(3) اِس میں اُن لوگوں کے لیے غور وفکر کا سامان ہے جو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر ناصبی ہونے کا فتویٰ جڑتے ہیں۔ یہ نامناسب بات ہے، کیونکہ ناقد کا کام نقد کرنا یعنی کھوٹے کھرے میں فرق کرنا ہوتا ہے، ہاں ناقدین سے کبھی بھول چوک بھی ہو جاتی ہے، لہٰذا خطا اور غلطی کی نسبت تو کی جا سکتی ہے مگر ناصبیت وغیرہ کا فتویٰ جڑنا زیادتی ہے۔ بتلائیے! یہاں جو اُنہوں نے شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں آئی ہوئی روایت کو کذب قرار دیا ہے تو کیا اِس بنا پر اُنہیں رافضی کہنا جائز ہو گا؟

(4) میزان الاعتدال ج۴ ص ۹۱۔

وَكَانَ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُهُ صَاحِبَ سُنَّةٍ.

"اللہ کی قسم! میں اس کو صاحب سنت نہیں سمجھتا"۔

اور آخر میں یوں لکھ دیا:

وَهُوَ كَمَا قَالَ أَبُو مُوسىٰ : صَاحِبُ سُنَّةٍ، وَيَرْوِي فِي السُّنَّةِ أَحَادِيثَ، وَهُوَ مِمَّنْ لَا بَأْسَ بِهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

"اور وہ جیسا کہ ابو موسیٰ نے کہا: صاحبِ سنت ہے، اور سنت میں اُس نے کئی احادیث روایت کی ہیں اور ان شاء اللہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن میں کوئی حرج نہیں ہے"۔[1]

امام ابن عدی کی اِس بھول کی تردید امام ذہبی نے یوں فرمائی ہے:

قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: هُوَ مِمَّنْ لَا بَأْسَ بِهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ. قُلْتُ: بَلْ كُلُّ الْبَأْسِ بِهِ، وَرِوَايَاتُهُ تَشْهَدُ بِصِحَّةِ ذٰلِكَ.

"ابن عدی نے کہا: وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن میں کوئی حرج نہیں۔ میں کہتا ہوں: بلکہ اُس کے ساتھ مکمل حرج ہے اور ہماری اِس بات کی شہادت اُس کی روایت کردہ احادیث سے ہوتی ہے"۔[2]

امام ابن عدی سے سبقتِ قلم کا ہونا ظاہر ہی ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن داود الواسطی کے بارے میں اُن کے لکھے ہوئے پہلے الفاظ اور بعد والے الفاظ کے تضاد سے ظاہر ہے۔ گزشتہ صفحہ پر اُن کے درج شدہ دونوں جملوں میں ایک مرتبہ خود ہی غور فرمالیجئے۔

---

(1) الکامل في ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۴۰۱، ۳۹۹۔

(2) میزان الاعتدال ج ۴ ص ۹۱۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس شخص (عبد اللہ بن داود الواسطی) کے کذب فی الحدیث کو واضح کرنے کی خاطر مذکورہ بالا جملہ سے قبل بھی اِس سے بعض مضحکہ خیز روایات نقل کیں اور اس جملہ کے بعد بھی نقل کیں اور پھر فرمایا:

"امام بخاری نے اِس کے بارے میں فرمایا ہے: "فِيْهِ نَظَرٌ" (اِس میں نظر ہے) اور وہ ایسی بات نہیں کرتے مگر اُس شخص کے متعلق جس کو وہ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اس کی باطل روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اِس نے "عن الليث، عن عقيل، عن الزهري، عن ابن المسيب، عن سعد ﷺ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس سَفَرجَل (بہی دانہ، Quince) جنت سے لائے تو میں نے اُسے کھایا، پھر میں نے خدیجہ (علیہا السلام) کو قربت بخشی تو وہ فاطمہ سے حاملہ ہو گئیں۔ حالانکہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ہمارے نبی ﷺ کے پاس سیدہ فاطمہ (علیہا السلام) کی ولادت سے ایک مدت بعد آنا شروع ہوئے"۔[1]

امام ابن حبان اِس کے متعلق لکھتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ جِدًّا ، يَرْوِي الْمَنَاكِيْرَ عَنِ الْمَشَاهِيْرِ حَتّٰى سَبَقَ إِلَى الْقَلْبِ أَنَّهُ كَانَ الْمُتَعَمِّدُ لَهَا ، لَا يَجُوْزُ الْإِحْتِجَاجُ بِرِوَايَتِهِ.

"حدیث کے معاملہ میں یہ انتہائی برا شخص ہے، مشہور راویوں سے ناپسندیدہ روایات لاتا ہے، حتیٰ کہ فوراً دل میں یہ بات آتی ہے کہ یہ عمداً منکر روایات

(1) میزان الاعتدال ج ۴ ص ۹۲۔

بیان کرتا ہے، اِس کی روایت سے دلیل لینا جائز نہیں ہے"۔[1]

جامع صغیر میں اِس روایت پر "ح" (حدیث حسن) کی رمز ہے مگر امام مناوی نے اِس رمز کو لائق توجہ نہیں سمجھا اوراِس حدیث پر امام ذہبی کے وضع کے حکم کو من وعن تسلیم کیا ہے۔[2]

علامہ امیر صنعانی نے بھی اِس شخص عبداللہ بن داود الواسطی کو جھوٹا قرار دیا ہے اوراِس حدیث کو صحیح قرار دینے پر امام سیوطی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

فَأَعْجَبُ لِتَصْحِيحِ الْمُصَنِّفِ لَهُ.

"پس میں اِس حدیث کی تصحیح پر مصنف پر تعجب کرتا ہوں"۔[3]

علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ اِس راوی کی حدیث سے دلیل لینا جائز نہیں ہے۔[4]

علامہ البانی نے بھی اِس حدیث کو موضوع تسلیم کیا ہے۔[5]

البانی کا تذبذب کے ساتھ صحتِ حدیث کا حکم

اِس مقام پر علامہ البانی نے اُس حدیث کو قابلِ قبول گردانا ہے جواِس سے قبل سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نقل کی گئی، البانی کے ہاں اُس کے الفاظ یوں ہیں:

مَاطَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَاغَرَبَتْ عَلٰى أَحَدٍ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ

---

(1) کتاب المجروحین لابن حبان ج ۱ ص ۵۲۸ ترجمۃ ۵۶۱۔

(2) فیض القدیر ج ۵ ص ۵۸۰، ۵۷۹ ح ۷۹۳۷۔

(3) التنویر شرح الجامع الصغیر ج ۹ ص ۴۱۴۔

(4) العلل المتناهیة ج ۱ ص ۱۹۵۔

(5) ضعیف الجامع الصغیر ص ۷۳۶ ح ۵۰۹۷؛ سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة ج ۳ ص ۵۳۳، ۵۳۴۔

أَفْضَلُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ.

لیکن ساتھ ہی اُنہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے:

لٰكِنَّ الطُّرُقُ الْمُشَارُ إِلَيْهَا بِحَاجَةٍ إِلَى دَرَاسَةٍ دَقِيقَةٍ ، وَهٰذَا مِمَّا لَمْ يَتَيَسَّرْ لِي .

”یہ تمام طرق جن کی طرف اشارہ کیا گیا انتہائی دقیق مطالعہ کے محتاج ہیں، اور مجھے یہ فرصت میسر نہیں ہے“۔(1)

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے بندۂ ناچیز کو توفیق عطا فرمائی اور اُس کی توفیق سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث کی ایک سند میں اسماعیل بن یحییٰ تیمی ہے اور وہ کذاب ہے اور دوسری سند میں ابن جریج حاطب اللیل، کثیر التدلیس اور قبیح التدلیس ہے اور اُس کی ایسی احادیث سے جن میں وہ سماعت کی تصریح نہ کرے اجتناب لازم ہے۔

اِن دونوں روایات کے موضوع و باطل ہونے کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ حضراتِ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اپنے متعلق اِن روایات سے بے خبر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جیسی حدیث اُن کی شان میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیش فرما رہے ہیں ایسی حدیث تو خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی آئی ہے۔ ایسی تمام باطل روایات سے وہ دونوں حضرات بے خبر تھے، کیونکہ یہ سب بعد میں بنائی گئیں اور خاص مقصد کے تحت گھڑی گئیں۔

”إِنَّ خَيْرَ أُمَّتِكَ بَعْدَكَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ“ کی تحقیق

احادیثِ نبویہ کے باب میں مفتی مطیع الرحمان رضوی ہندی صاحب نے بیسویں اور آخری حدیث یہ ذکر کی ہے:

(1) سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة ج ۳ ص ۵۳۴۔

"المعجم الأوسط ازامام طبرانی (م ۳۶۰ھ) ج ۲ ص ۲۹۲ اور تاریخ الخلفاء ازامام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ج ا ص ۴۰ میں ہے:

عن اسعد بن زرارة قال: رأیت رسول الله ﷺ خطب الناس ، فالتفت التفاتة ، فلم یر أبابکر ، فقال رسول الله ﷺ: ابوبکر، ابوبکر، ان روح القدس جبریل اخبرنی آنفا: ان خیر امتك بعدك ابوبکر الصدیق.

ترجمہ: اسعد بن زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے دورانِ خطاب لوگوں پر نگاہ ڈالی تو وہاں حضرت ابو بکر کو موجود نہ پا کر فرمایا: ابو بکر کہاں ہیں؟ ابو بکر کہاں ہیں؟ ابھی ابھی حضرت جبریل امین نے آکر مجھے خبر دی کہ "آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں"۔[1]

ہش شاباش! جس خبیث نے بھی یہ روایت گھڑی ہے بڑا چالاک تھا، کیونکہ وہ متن میں جبریل علیہ السلام کو بھی بڑی کاریگری کے ساتھ لے آیا ہے۔

امام طبرانی نے اِس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"اسعد بن زرارہ سے یہ حدیث اِس سند کے بغیر منقول نہیں ہے، ہارون فروی اِس کی روایت میں اکیلا ہے"۔[2]

میں پوچھتا ہوں: اگر یہ بات نبی کریم ﷺ نے اُس وقت ارشاد فرمائی جب جبریل علیہ السلام نے بحکم

---

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ص ۱۰۲، ۱۰۱۔

(2) المعجم الأوسط ج ۶ ص ۲۹۲ ح ۶۴۴۸۔

الٰہی آپ کو دورانِ خطبہ وحی پہنچائی تو پھر یہ حضرت اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے انصاری اور مہاجر صحابہ سے بھی منقول ہونا چاہیے تھی۔ دیکھئے دورانِ خطبہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص بارش کی دعا کے لیے کھڑا ہو گیا تھا تو وہ حدیث ایک سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اِسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین کریمین علیہما السلام کے لیے خطبہ روک لیا تھا تو وہ حدیث بھی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، لیکن یہ حدیث فقط حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے۔ ذرا اِس حدیث کو گھڑنے والے کی چالاکی کا اندازہ کیجئے کہ اُس نے راوی بھی ایسے صحابی کو بنایا جن کی وفات قبل از وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گئی تھی۔

دراصل یہ موضوع، جعلی، مردود اور باطل روایت ہے، اِس میں جہاں کئی راوی مجہول ہیں وہیں اِس کے ایک راوی محمد بن عبد الرحمان کا اپنے دادا اسعد سے سماع بھی ثابت نہیں ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اِس سند میں ایک راوی محمد بن موسیٰ ابو غزیہ ہے، جو سارق الحدیث بھی تھا اور حدیثیں گھڑتا بھی تھا۔ چنانچہ امام ابن حبان لکھتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ وَيُحَدِّثُ بِهِ ، وَيَرْوِي عَنِ الثِّقَاتِ أَشْيَاءَ مَوْضُوعَاتٍ.

”یہ سارق الحدیث لوگوں میں سے تھا اور ایسی حدیثیں روایت بھی کرتا تھا اور ثقہ راویوں کے نام سے موضوع احادیث روایت کرتا تھا“۔ (1)

امام ذہبی لکھتے ہیں:

قَالَ الْبُخَارِيُّ : عِنْدَهُ مَنَاكِيرُ ، وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ كَانَ يَسْرِقُ

(1) کتاب المجروحین لابن حبان ج ۲ ص ۳۰۲، رقم الترجمة ۹۸۵۔

الۡحَدِيۡثَ ، وَيَرۡوِي عَنِ الثِّقَاتِ الۡمَوۡضُوعَاتِ.

''امام بخاری نے کہا: اُس کے ہاں منکر روایات ہیں، ابن حبان نے کہا: وہ سارق الحدیث ہے اور (جعل سازی کر کے) ثقہ راویوں سے جھوٹی حدیثیں روایات کرتا ہے''۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی اِس پر مزید لکھتے ہیں:

''محدث عُقَیلی نے اِس کو اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں ذکر کیا ہے، ابن عدی نے کہا: اس نے بہت سی ایسی روایات ذکر کیں جن کی وجہ سے میں اس کو برا سمجھتا ہوں اور امام دار قطنی نے اِس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے''۔[2]

یہ ہیں وہ روایات جنہیں مفتی مطیع الرحمان رضوی صاحب نے حدیث نبوی خیال کرتے ہوئے نقل کیا ہے، علاوہ ازیں اُنہوں نے جو آثار نقل کیے ہیں اُن میں سے قابل ذکر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس پر ہم اِس سے قبل سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔ حیرت ہے کہ چلے تو تھے مفتی صاحب تفضیلِ صدیقی ثابت کرنے، جس کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی اگر وہ دلیل حدیث ہو تو پھر اُس کا متواتر ہونا ضروری ہوتا ہے لیکن تعجب ہے کہ وہ تفضیل ایسے قطعی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے ضعیف و موضوع روایات لے کر میدان میں کود پڑے۔ مزید حیرت یہ ہے کہ اِس باطل روایت کو فاضل بریلوی نے بھی ایک جارحانہ تمہید کے بعد نقل کر دیا ہے۔[3]

ذرا سوچیے کہ جب اِس قدر علمی قد کاٹھ والے لوگ اپنی کتب میں حساس مسائل کے

(1) میزان الاعتدال ج۶ ص ۳۴۷۔

(2) لسان المیزان ج۷ ص ۵۳۵۔

(3) مطلع القمرین ص ۱۰۲، مطبوعۃ کھاریاں۔

اثبات میں موضوع وباطل روایات بیان کریں اور بعد والے لوگوں میں سے کوئی شخص اُن روایات کا موضوع وباطل ہوناواضح کرے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ ظاہر ہے کہ اُس مشہور علمی قد کاٹھ والی شخصیت کے ایسے اندھے معتقدین جن کے کان اُن کے غیر کی بات سننے سے بہرے ہیں، وہ اُس غریب کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ اللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ.

نواصب وروافض کی طرف سے اُمت کی پریشانی

دراصل سیدنا علی علیہ السلام ہمہ جہت فضائل وخصائص کے حامل تھے لیکن بتصریح بخاری فَلْتَۃٌ (جلد بازی) میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا گیااور پھر اُس پر بتدریج اتفاق بھی ہو گیا حتیٰ کہ سیدنا علی علیہ السلام نے بھی اسلام کے وسیع تر مفاد میں اِس بات کو استبداد قرار دینے کے باوجود نہ صرف یہ کہ مقرر رکھا بلکہ اُنہیں جب بعض دشمنانِ اسلام نے آفر دی کہ اگر وہ خلیفہ بننا چاہیں تو اُن کی حمایت میں گھڑ سواروں سے میدان بھر دیے جائیں گے تو اُنہوں نے برجستہ فرمایا: ”ہمیں دین کی سلامتی دوسری تمام باتوں سے زیادہ محبوب ہے“۔

سو اگرچہ اکثر اور واضح فضائلِ ماثورہ اور منقولہ کی حامل شخصیت کو خلافتِ ظاہرہ سے مؤخر کر دیا گیا اور اِس بات کا خدشہ تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی ایک سوال کے جواب میں ظاہر فرمادیا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ تم علی کو پہلا خلیفہ بناؤ گے، اگر تم نے بنادیا تو اُس کو ہادی اور مھدی پاؤ گے اور وہ تمہیں صراطِ مستقیم پر چلائیں گے۔ بہر حال خلافت میں تاخر اپنی جگہ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانیں اُن کے فضائل وخصائص کے اظہار سے نہ تو خاموش رہ سکتی تھیں اور نہ ہی وہ خاموش رہیں۔ یہی احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ نقل در نقل جب ایک مخصوص دور میں پہنچیں تو اُس دَور کے مفاد پرست لوگوں نے پہلے تو اپنے شاہ کی خوشنودی میں اپنے شاہ کی شان میں زمین وآسمان کے

قلابے ملانا شروع کیے لیکن جب دیکھا کہ علی مرتضیٰ جیسی شخصیت کے ساتھ اُن کے بادشاہ کا مفاضلہ و موازنہ تو بداہۃً ہی جھوٹ لگتا ہے اِس لیے عقل مند لوگوں کو یہ فضائل قابل قبول نہیں ہوں گے تو پھر اُنہوں نے مولیٰ علی علیہ السلام سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل میں احادیث گھڑنا شروع کر دیں۔ چنانچہ جن ابواب میں احادیث گھڑی گئیں اُن پر گفتگو کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْفَضَائِلُ فَلَا يُحْصٰى ، كَمْ وَضَعَ الرَّافِضَةُ فِي فَضْلِ أَهْلِ الْبَيْتِ، وَعَارَضَهُمْ جَهَلَةُ أَهْلِ السُّنَّةِ بِفَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ ، بَلْ وَ بِفَضَائِلِ الشَّيْخَيْنِ .

”رہی فضائل میں موضوع احادیث تو وہ شمار ہی نہیں کی جا سکتیں، روافض نے اہل بیت کی شان میں بہت سی روایات بنائیں اور اُن کے مقابلے میں اہل سنت کے جاہل افراد نے معاویہ کی شان میں بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں روایات بنا ڈالیں“۔(1)

اربابِ عقل و دانش غور فرمائیں کہ اُس دَور کے لوگوں کی کیا غرض تھی کہ اُنہوں نے جھوٹی روایات کا آغاز تو بعض طلقاء کے جعلی فضائل سے کیا لیکن اختتام شیخین رضی اللہ عنہما کے جھوٹے فضائل پر کیا۔ کیا معاویہ اور شیخین رضی اللہ عنہما کے درمیان دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں تھے؟ آیا اِس میں اُن لوگوں کی سیاسی مفاد پرستی کار فرما تھی، مذہبی تعصب کے ہاتھوں مجبور تھے یا پھر اِس کا سبب سیدنا علی علیہ السلام سے بغض تھا؟ جو بھی وجہ تھی اِس کا فیصلہ ہم اہل علم اور اربابِ عقل و فہم قارئین

(1) لسان المیزان ج ۲ ص ۲۰۷۔

کرام پر چھوڑتے ہیں۔

جعلی روایات سے اہل سنت کو زیادہ احتیاط کی ضرورت

فی الجملہ یہ کہ جب اِس قدر جعل سازی ہوتی رہی تو پھر تفضیلِ مرتضیٰ علیہ السلام اور تفضیلِ شیخین رضی اللہ عنہما دونوں کے مدعیان کو چاہیے کہ وہ قدم پھونک پھونک کر رکھیں۔ اِس مسئلہ میں زیادہ احتیاط اہل سنت کو کرنا چاہیے، کیونکہ ہمارے ائمہ اہل سنت اور محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق سیدنا علی علیہ السلام کے فضائل میں احادیثِ صحیحہ، حسنہ اور جیدہ اس قدر آئی ہیں کہ اتنا کسی بھی دوسرے صحابی کی شان میں نہیں آئیں۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب سنی شخص کو سیدنا علی علیہ السلام کے فضائل میں وارد شدہ احادیثِ صحیحہ، حسنہ اور جیدہ کے مقابلہ میں اُسی کثرت سے شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں احادیثِ صحیحہ، جیدہ اور حسنہ نہیں ملتیں تو وہ اعتقادی اور مذہبی محبت کی رَو میں بہہ کر یا دوسرے فرقہ کی ضد میں آکر شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں جھوٹی روایات چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ پھسلنے کا ایسا مقام ہے کہ ہر زمانے میں بڑے بڑے علماء یہاں پھسلتے رہے۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں مولوی اشرف آصف جلالی، علامہ سید ارشد سعید کاظمی، علامہ محمد اشرف سیالوی اور علامہ محمد عبد الرشید رضوی وغیرہ جیسے نامور علماء کے قدم اِس مقام پر پھسل گئے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی کسی مستقل تصنیف میں تو کیا بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں لکھی ہوئی کتاب کی تقریظ میں شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں موضوع و باطل روایات لکھ ماریں۔ اور تو اور جس ہستی کے بارے میں ثانی امام ابو حنیفہ ہونے اور چودھویں صدی کے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ بھی اِس مقام میں پھسلنے سے محفوظ نہ رہ سکی اور اُن سے اُن کی بعض کتب میں شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں متعدد احادیث موضوعہ اور روایاتِ باطلہ درج ہو گئیں۔

ٹھیک ہے کہ ائمہ اہلِ سنت اور محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق سیدنا علی علیہ السلام کے فضائل میں احادیث صحیحہ، جیّدہ اور حسنہ سب سے زیادہ آئی ہیں لیکن اِس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم دوسرے صحابہ کے فضائل میں جعلی احادیث بیان کر کے اپنی آخرت برباد کر دیں؟ ہمیں نہ تو سیدنا علی علیہ السلام کے فضائل میں روافض کی جعلی احادیث کی ضرورت ہے اور نہ ہی فضائل شیخین رضی اللہ عنہما میں نواصب و جاہل اہل سنت کی جعلی احادیث کی حاجت ہے۔

تفضیلِ مرتضیٰ پر ہاتھ صاف کرنے کے اَنوکھے طریقے

خلافتِ راشدہ کے بعد کے حکمران اور اُن اَدوار کے مفاد پرست لوگوں نے سیدنا علی علیہ السلام کے فضائل و خصائص کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ کی شان میں جھوٹی احادیث بنا کر اُن صحابہ کو افضل باور کرانے کی کوشش میں اپنی عاقبت خراب کی تو بعد والے اہل سنت علماء اور اکابر میں سے بعض نے اپنے نظریہ کے تحفظ کی خاطر شانِ مرتضوی میں وارد شدہ احادیثِ صحیحہ، جیّدہ اور حسنہ کی باطل تاویلات کیں، بعض نے اُن احادیث کا مطلقاً انکار کر دیا اور کہا کہ علی کی شان میں فقط دو حدیثیں آئی ہیں، بعض نے اپنی کاریگری کا اظہار کرتے ہوئے کہا: افضلیت کا مدار فضائل منقولہ پر نہیں بلکہ کثرتِ ثواب پر ہے اور بعض نے فضائل و خصائصِ مولیٰ علی علیہ السلام میں وارد شدہ احادیث پر ہاتھ صاف کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے خَلقی، خُلقی اور وہبی اوصاف پر بھی ہاتھ صاف کرنے کے عجیب و غریب طریقے وضع کیے۔

طریقِ نبوت اور طریقِ ولایت کا وضعی طریقہ

بعض اکابر نے مسئلۂ تفضیل میں سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تفضیل کو ثابت کرنے کی کوشش میں اپنی طرف سے یہ قاعدہ گھڑ لیا کہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما طریقِ نبوت پر تھے اِسی لیے وہ افضل

تھے اور اُن کے دور میں جو استحکام رہا اُس کی وجہ بھی یہی ہے، جبکہ حضرت مرتضیٰ ﷛ طریقِ ولایت پر تھے اِسی لیے وہ مفضول تھے اور اُن کے دور میں عدم استحکام کی وجہ بھی یہی ہے۔ یہ بعض اکابر کا محض تخیل ہے، اگرچہ اُنہوں اِس کو اپنا کشف بھی قرار دیا ہے۔ یہ تخیل ہو یا کشف بہر حال غلط ہے، صرف غلط ہی نہیں بلکہ متعدد احادیثِ صحیحہ و حسنہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود و باطل بھی ہے۔ ایسی تمام احادیث خود اُن کی بعض کتب میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً:

۱۔ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ

۲۔ إِنَّ مِنْكُمْ مَنْ يُقَاتِلُ عَلَى تَأْوِيلِ الْقُرْآنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلَى تَنْزِيلِهِ

۳۔ لَأَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ رَجُلًا كَنَفْسِي

۴۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

۵۔ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا

۶۔ إِنَّ اللّٰهَ يُثَبِّتُ لِسَانَكَ وَيَهْدِي قَلْبَكَ

۷۔ وَإِنْ تُؤَمِّرُوا عَلِيًّا تَجِدُوهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَأْخُذُ بِكُمُ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

۸۔ أُمِرْتُ بِقِتَالِ النَّاكِثِينَ وَالْمَارِقِينَ وَالْقَاسِطِينَ

۹۔ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ [أي الخوارج] لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ.

۱۰۔ يَقْتُلُهُمْ [الخوارج] خِيَارُ أُمَّتِي

اِن احادیث کے ترجمہ اور معانی میں غور کر کے بتایئے کہ کیا یہ اور ایسی باقی احادیث صراحتاً اور دلالۃً اِس بات کو واضح نہیں کر رہیں کہ سیدنا علی ﷺ کا ہر عمل اور خصوصاً اُن کی تمام جنگیں طریقِ نبوت کے مطابق تھیں؟

تنزیل پر مصطفیٰ ﷺ اور تاویل پر مرتضیٰ علیہ السلام کی جنگوں کا مطلب

سیدنا علی علیہ السلام نے جتنی جنگیں اہل قبلہ کے خلاف کیں سب کی سب مشن نبوت کی تکمیل کے لیے تھیں اور سو فیصد طریقِ نبوت پر تھیں۔ فرق یہ ہے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ کفار میں دین پھیلا کر تنزیلِ قرآن کی تکمیل فرماتے رہے اور مرتضیٰ کریم علیہ السلام نے اُن لوگوں کے ساتھ جنگیں کیں جنہوں نے مصطفیٰ ﷺ کے دین کا چہرہ بگاڑ دیا تھا۔ ہر چند کہ تاویلِ قرآن کی تکمیل کی اہل اسلام کو بھاری قیمت چکانا پڑ گئی تاہم اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اسلام کا اصلی چہرہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ علامہ مولانا محمد یوسف بنوری کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ اُنہوں نے اپنے الفاظ میں اِس حقیقت کو انتہائی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی کتاب "إکفار الملحدین" کے تعارفی الفاظ میں لکھتے ہیں:

> "مشیتِ الٰہی سے عہد عثمانی میں عہد فاروقی جیسا تدبر و تیقّظ قائم نہ رہ سکا، اس لیے مریض القلب لوگوں نے خصوصاً نام نہاد مسلمان یہودیوں نے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں تا آنکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور اب چاروں طرف سے علی الاعلان فتنوں نے سر اٹھایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان فتنوں کا بازار "حرب و پیکار" کی شکل میں گرم ہونا شروع ہو گیا اور اسلام کو شدید ترین داخلی و خارجی خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت نہ ہوتی تو شاید اسلام ختم ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے حلم و فراست کی برکت سے اسلام کی حفاظت فرمائی۔ جس طرح عہد صدیقی میں فتنۂ ارتداد اور مانعین زکوٰۃ کا فتنہ پوری قوت کے ساتھ رونما ہوا تھا اور اللہ

تعالیٰ نے حزم و عزم صدیقی کی برکت سے اسلام کی حفاظت کی تھی، ٹھیک اسی طرح فتنۂ خوارج وشیعت کی شدت کی وجہ سے خلافت علی مرتضیٰ ﷺ میں زوالِ اسلام کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اسلام تو بچ گیا لیکن "جنگ جمل" اور "جنگ صفین" جیسے دردناک واقعات اور خونچکاں حوادث ضرور رونما ہوئے"۔[1]

اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہر جنگ اِس لیے نہیں ہوتی کہ مدمقابل انسان مر جائے یا اُس کا تخت چلا جائے بلکہ بعض جنگیں اِس لیے بھی ہوتی ہیں کہ مدمقابل شخص کی اصلیت لوگوں پر واضح ہو جائے، حق کا چہرہ عیاں ہو جائے اور اُس شخص کا نظریہ مر جائے۔ یعنی برے کو مارنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اُس کی برائی کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ اُس کی برائی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے سینوں میں پنپتی نہ رہے، اور ایسے راست اقدام سے ہی باطل کے نظریات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ نادان لوگ کہتے ہیں کہ وہ تو جوں کا توں تخت پر بیٹھا ہوا ہے پھر جنگ کرنے کا کیا فائدہ، لیکن دانش مند لوگ سمجھتے ہیں کہ ہر جنگ کسی بندے کو مارنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ بعض جنگیں کسی برے کی اصلیت ظاہر کرنے کے لیے بھی ہوتی ہیں تاکہ لوگوں پر حق و باطل واضح ہو جائے اور اُن کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے کہ اُنہیں اپنے دین، اپنے ایمان اور اپنی آخرت کے لیے کس کے اُسوہ کو اپنانا ہے۔

فَافۡهَمۡ!

فائدہ

یہاں ہم اپنے قارئین کرام کو مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ یہ جاننا چاہیں کہ سیدنا علی علیہ السلام کے دورِ خلافت کی تمام جنگیں طریقِ نبوت کے مطابق اور برحق تھیں تو وہ علماء دیوبند کی اِن کتب کا مطالعہ فرمائیں:

---

(1) تعارف: إکفار الملحدین ص ۳۲۔

۱۔ خلافتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ، علامہ مولانا محمد زاہد صاحب، دار السنۃ، فیصل آباد

۲۔ ناصبیت تحقیق کے بھیس میں، مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب، مکتبہ سید احمد شہید، لاہور

نیز میری کتاب "شرح خصائص علي علیہ السلام" کی حدیث نمبر ۱۵۲ اور اُس کے بعد والی احادیث کا متن اور شرح دیکھنے سے بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ سیدنا علی علیہ السلام کا ہر ہر قدم کتاب و سنت کے عین مطابق تھا۔

تنقیصِ مرتضوی کب، کیوں اور کہاں ہوتی ہے؟

ہمارے علماءِ اہلِ سنت سے ایسے بے ڈھنگے قواعد اکثر اُس وقت صادر ہوتے ہیں جب وہ اثباتِ تفضیلِ شیخین رضی اللہ عنہما کے درپے ہوتے ہیں، اور یہ ایسا مقام ہے جہاں تنقیصِ مرتضوی سے محفوظ رہنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ باقلانی، ابن تیمیہ اور ابن حجر مکی وغیرہ سے تنقیصِ مرتضوی ہوئی تو فقط تفضیلِ شیخین رضی اللہ عنہما کو ثابت کرنے کی کوشش میں ہوئی۔ ابن تیمیہ کی کتاب "منهاج السنة النبوية" پر ہم اپنی کتب میں کئی بار امام سبکی اور حافظ ابن حجر عقلانی رحمۃ اللہ علیہما کا تبصرہ پیش کر چکے ہیں۔ اِدھر ہند و پاک میں جو صاحب ردِّ روافض میں شہرت رکھتے ہیں اُنہیں بھی شیخ ابن تیمیہ کی کتاب سے وحشت محسوس ہوئی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

كَلَامُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ فِي مِنْهَاجِ السُّنَّةِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْكُتُبِ مُوَحِّشٌ جِدًّا فِي بَعْضِ الْمَوَاضِعِ. لَا سِيَّمَا فِي تَفْرِيطِ حَقِّ أَهْلِ الْبَيْتِ.

"ابن تیمیہ کا کلام جو کہ منھاج السنۃ وغیرہ کتابوں میں ہے اور اُس کے بعض کلام سے نہایت وحشت ہوتی ہے، خصوصاً اُن اُمور سے بہت زیادہ وحشت

ہوتی ہے کہ اُس نے اہل بیت کے حق میں تفریط کی ہے"۔[1]

علامہ ابن تیمیہ کے متعلق ایسا جان دار تبصرہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور اُن کے خاص شاگرد علامہ سید احمد رضا بجنوری نے بھی کیا ہے، اور اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ابن تیمیہ کی کتب سے متأثر ہوئے تھے لیکن اُن کے مطالعہ میں ابن تیمیہ کی وہ کتابیں نہیں آئی تھیں جو بعد کو ظاہر ہوئیں۔[2]

لگتا ہے کہ مسئلۂ تفضیل میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علامہ ابن تیمیہ کے کلام سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، کیونکہ اِس مسئلہ میں اُن کا قلم بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ چنانچہ مشہور دیوبندی محقق علامہ عبد الرشید نعمانی صاحب علامہ ابن تیمیہ کی منهاج السنة پر حافظ عسقلانی کا تبصرہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہی صورت "إزالة الخفاء" وغیرہ میں تفضیل کی بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کو پیش آئی ہے"۔[3]

شاہ صاحب کی طرف منسوب "قرة العينين في تفضيل الشيخين" کے نام سے ایک کتاب ہے جس میں ایسی کارروائی نظر آتی ہے۔ تعجب ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ کتاب مکمل ایک صدی بعد کہیں سے دستیاب ہوئی تو اُنہوں نے اس کو "إزالة الخفاء" کا حصہ بنا دیا۔ تاہم چونکہ شاہ صاحب شیخ ابن تیمیہ کی تحریر سے بھی کسی حد تک متأثر ہو گئے تھے اِس لیے "قرة العينين في تفضيل الشيخين"

---

(1) فتاوی عزيزي فارسي ج ۲ ص ۸۰، مطبع مجتبائي دهلي؛ ومترجم اردو ص ۴۴۷، ۴۴۸، مطبوعه ایچ ایم سعید کمپني۔

(2) أنوار الباري شرح صحيح البخاري ج ۱۹، ۱۸، ۱۷ ص ۳۹۹۔

(3) ناصبیت تحقیق کے بھیس میں ص ۳۰۴، ۳۰۳۔

کے علاوہ مقامات پر بھی اُن کی ایسی عبارات ہیں جن کو نواصب اپنے باطل خیالات کی تائید میں لاتے ہیں۔ پہلے آپ علامہ ابن تیمیہ کا وہ ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے جسے ماضی میں بعض نواصب نے استعمال کیا تھا، پھر اُنہی نواصب کا نقل کردہ شاہ صاحب کا کلام بھی ملاحظہ فرمایئے گا۔ شیخ ابن تیمیہ شیعہ کی تردید میں لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الثَّلَاثَةَ اِجْتَمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَيْهِمْ فَحَصَلَ بِهِمْ مَقْصُودُ الْإِمَامَةِ وَقُوْتِلَ بِهِمُ الْكُفَّارُ، وَفُتِحَتْ بِهِمُ الْأَمْصَارُ، وَخِلَافَةُ عَلِيٍّ لَمْ يُقَاتَلْ فِيهَا كُفَّارٌ وَلَا فُتِحَ مِصْرٌ، وَإِنَّمَا كَانَ السَّيْفُ بَيْنَ أَهْلِ الْقِبْلَةِ.

”بے شک خلفاء ثلاثہ پر اُمت جمع ہو گئی تھی تو اُنہیں خلافت کا مقصد حاصل ہو گیا تھا اور اُن کی بدولت کفار کے ساتھ جہاد کیا گیا تھا اور شہر فتح ہوئے تھے، اور علی کی خلافت میں کفار سے جہاد کیا گیا اور نہ ہی کوئی شہر فتح ہوا، بس اہل قبلہ کے درمیان ہی تلوار چلی“۔(1)

شاہ صاحب نے بھی اپنے انداز میں اسی طرح لکھ دیا تو نواصب نے اُس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وھر روز دائرۂ سلطنت اوّلا سیما بعد تحکیم تنگ تر شدن گرفت تاآنکہ در آخر بجز کوفہ وما حول آن برائے ایشاں صافی نمانند۔

”ہر روز اُن کی سلطنت کا دائرہ خصوصاً واقعۂ تحکیم کے بعد تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر میں سوا کوفہ اور اُس کے مضافات کے اُن کے لیے صاف نہ رہا“۔(2)

---

(1) منہاج السنۃ النبویۃ ج ۱ ص ۵۴۶، ۵۴۵۔

(2) إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج ۱ ص ۴۷۹، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

ہر چند کہ شاہ صاحب کا مقصود یہاں نبوی پیش گوئیوں کے من و عن پورا ہونے اور سیدنا علی علیہ السلام کی مظلومیت کو بیان کرنا ہے لیکن چونکہ اُن کا بیان کسی قسم کی تمہید کے بغیر ہے اِس لیے نواصب نے اِس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی بعض کتب میں اِس بات کو سیدنا علی علیہ السلام کی مفضولیت کی دلیل بنایا ہے جبکہ نواصب بدبختوں نے اِس کو سیدنا علی علیہ السلام کی ناکامی کی دلیل بنایا ہے۔ شاہ صاحب پر لازم تھا کہ جب اُنہوں نے سیدنا علی علیہ السلام کو مظلوم تسلیم کیا تھا تو پھر وہ اُن کے ظالم کو بھی آشکار کرتے، کیونکہ کسی ظالم (ظلم کرنے والا) کے بغیر تو کوئی مظلوم نہیں ہوتا، لہٰذا دورِ خلافتِ مرتضوی کے اندر اور اُس سے قبل جو لوگ خرابیٔ حالات کا اصل سبب تھے اُنہیں آشکار کرنا ضروری تھا اور ضروری ہے۔

خلافتِ مرتضوی عین کتاب وسنت کے مطابق

خلافتِ مرتضوی میں اندرونی حالات کی خرابی کو سیدنا علی علیہ السلام کی مفضولیت کی دلیل بنانا کتاب وسنت سے بے خبری کی دلیل ہے، چہ جائیکہ اُن حالات کو اُن کی ناکامی قرار دینا، لہٰذا شاہ صاحب کا شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو طریقِ نبوت پر قرار دے کر اُنہیں افضل کہنا اور سیدنا علی علیہ السلام کے طرزِ خلافت کو طریقِ ولایت پر خیال کر کے اُن کی مفضولیت کی دلیل بنانا خود ساختہ قاعدہ ہے۔ اگر طریق نبوت والی بات ہی حق ہے تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کس طریق پر تھے؟ سوال ہے کہ شیخین کے دورِ خلافت کے فوراً بعد شاہ صاحب کا دھیان سیدنا علی علیہ السلام کی خلافت کی طرف کیوں چلا گیا؟ حالانکہ شاہ صاحب کے نزدیک خلیفۂ سوم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، کیونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی ترتیبِ خلافت بترتیب افضلیت کے بے بنیاد مگر مشہور موقف کے قائل ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"خلفائے اربعہ کی افضلیت بہ ترتیبِ خلافت بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے"۔[1]

شاید اِس لیے شاہ صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طریقِ نبوت اور طریقِ ولایت دونوں میں ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی کمزوریوں کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی روش میں بہ نسبت شیخین کی روش کے کچھ فرق تھا کیونکہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کبھی عزیمت سے رُخصت کی طرف اُتر آیا کرتے تھے اور اُن کے حکّام بھی شیخین کے حکام کے مثل نہ تھے اور رعیت بھی اُن کی ویسی مطیع نہ تھی جیسی حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کی مطیع تھی"۔[2]

کیا خلیفہ ٔ راشد کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی چلاتے رہے؟

ایک طرف تو شاہ صاحب نے یہ لکھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عزیمت سے رُخصت کی طرف اُتر آیا کرتے تھے لیکن دوسری طرف اُنہوں نے کچھ ایسا نقشہ کھینچا ہے جو اُن کے مذکور الصدر کلام کے منافی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی خلیفہ مثل بانسری کے ہے (پس جس طرح) کہ بانسری بجانے والا آواز بلند کرنے کے لیے بانسری کو اپنے منہ سے لگالیتا ہے اور نغمہ سرائی اور اُس کی خاص کیفیت بانسری بجانے والے کی طرف منسوب ہوتی ہے (نہ کہ بانسری کی طرف) اسی طرح رحمتِ الٰہی کے حصے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو عمل میں لانے سے پہلے رفیقِ اعلیٰ کی طرف چلے گئے اور بطورِ سببیت و نیابت کے خلفاء کے ہاتھوں سے وہ کام پورے کیے گئے تو در

(1) إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ج ۱ ص ۲۶۔

(2) إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ج ۱ ص ۵۸۶۔

حقیقت وہ سب کام پیغمبر ﷺ کی طرف منسوب ہیں اور خلفاء بمنزلہ اعضائے پیغمبر کے سمجھے جاتے ہیں نہ کہ کچھ اور۔ پس خلافتِ خاصہ یہ ہے کہ خلیفہ سے وہ کام سرانجام پائیں جو قرآن عظیم اور حدیث قدسی میں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں، اور نیز آنحضرت ﷺ نے اُس خلیفہ کی خلافت کو صراحۃً وکنایۃً بہت مرتبہ ظاہر فرمادیا ہو تاکہ تمام کام (جو خلیفہ کے) ذریعہ سے سرانجام پائیں وہ سب حضرت پیغمبر ﷺ کے کارنامہ میں درج ہوں اور خلفاء نے صرف وسیلہ ہونے کا شرف حاصل کیا ہو نہ کہ کچھ اور"۔(1)

شاہ صاحب ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

"خلفائے راشدین کی) خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت تھا۔ (یوں سمجھو کہ آپ ﷺ بعد نبوت کے تئیس برس اپنی عمر شریف کے اور تئیس برس زمانہ خلافت راشدہ کے کل ترپن [۵۳] برس دنیا میں رہے، فرق صرف یہ تھا کہ) گویا زمانہ نبوت میں تصریحاً زبان مبارک سے فرماتے اور زمانہ خلافت میں ساکت بیٹھے ہوئے ہاتھ سے اور سر سے اشارہ کرتے تھے۔ بعض لوگ (اِن اشارات سے) اصل مقصود سمجھ گئے اور بعض نے سمجھنے میں غلطی کی"۔(2)

ہر چند کہ بظاہر شاہ صاحب کی یہ تقریر بہت لذیذ و نفیس ہے لیکن اِس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کتاب و سنت ہر خلیفہ کے سامنے موجود تھی سو جس کو جتنا قرآنی فہم، معرفتِ سنت اور توفیقِ ایزدی حاصل تھی اُتنا ہی اُس نے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اگر شاہ صاحب کی

---

(1) إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج ۱ ص ۴۱۔

(2) إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ج ۱ ص ۱۰۱۔

بانسری والی مثال کو برحق سمجھا جائے تو پھر عزیمت سے رُخصت کی طرف اُتر آنا حضور ﷺ کے کھاتے میں جائے گا۔ حَکم اور مروان بن حکم ملعونین کو طائف سے واپس مدینہ بلانا اور اُن کا یہاں آکر فساد بپا کرنا بھی نبوی کھاتے میں شمار ہو گا۔ بعض کبار صحابہ کو بلا جرم مارنا اور مدینہ بدر کرنا بھی نبوی کھاتے میں جائے گا، طلقاء اور نالائقوں کو گورنر بنانا بھی آپ ﷺ کے کارناموں میں شمار ہو گا اور ایسے تمام کاموں کو قرآن اور حدیثِ قدسی کے مطابق ماننا ہو گا۔

صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی اچھے یا برے معاملہ میں کوئی پیش گوئی منقول ہو اور پھر وہ کسی شخص یا کسی خلیفہ کے دور میں عملاً رونپذیر ہو تو وہ اُس شخص یا خلیفہ کے نامۂ عمل میں درج ہو گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی عمل کو معین و مشخص طور پر بیان کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ عمل فلاں شخص سے صادر ہو گا خواہ لوگ اُس شخص کو خلیفہ منتخب کریں یا نہ کریں بہر حال اُس سے صادر ہونے والے عمل کو نبوی پیش گوئی کے مطابق سمجھا جائے گا۔ پھر اگر وہ عمل اچھا ہو گا تو نبوی کارناموں میں درج ہو گا ورنہ نہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں پیش گوئی فرمائی گئی کہ جس طرح میں نے نزولِ قرآن کی تکمیل کی خاطر جہاد کیا ہے اِسی طرح تم میں سے ایک شخص تاویلِ قرآن پر جہاد کرے گا اور پھر اُس شخص کو معین بھی کر دیا تو یقیناً اُس شخص کا عمل نبوی کارناموں میں بھی درج ہو گا اور خود اُسے بھی اُس کا اجر ملے گا۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو حکماً فرمایا ہو کہ مستقبل میں فلاں کام کرنا۔ پھر اُس شخص نے وہ کام کر دیا تو اُس کا عمل نبوی کارناموں میں بھی درج ہو گا۔ مثلاً ناکثین، قاسطین اور مارقین کے ساتھ جہاد کرنا۔ اسی طرح سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا وہ لشکر جسے نبی کریم ﷺ نے روانہ فرمایا تھا۔ بعد از وصالِ نبوی ﷺ اُسے واپس بلانے کی رائے دی گئی مگر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسے واپس نہ بلایا تو یہ حُسنِ عمل نبوی کارناموں میں بھی شمار ہو گا اور سیدنا

ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نامہ عمل میں بھی درج ہو گا۔

اسی طرح اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل میں کسی برے عمل کے ظاہر ہونے کی پیش گوئی فرمائی اور اُس برے عمل کو معین و مشخص بھی فرمادیا تو وہ برا عمل جس شخص یا اشخاص سے صادر ہو گا تو اُسے نبوی کھاتے میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ اُس کا ذمہ دار فقط وہ شخص یا اشخاص ہوں گے جو اُس برے عمل کے مرتکب ہوں گے۔ مثلاً سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قتل کیے جانے کی پیش گوئی بھی فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اُنہیں باغی گروہ قتل کرے گا، لہٰذا باغی کی بغاوت کا کبیرہ گناہ نبوی کھاتے میں نہیں سمجھا جائے گا۔

فی الجملہ یہ کہ شاہ صاحب کا خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے تمام اُمور کو مطلقاً نبوی کھاتے میں ڈالنا درست نہیں، البتہ اگر وہ اِس معاملہ کو نبوی پیش گوئیوں کے ساتھ مقید اً بیان فرماتے تو درست ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف تو شاہ صاحب اور کچھ دوسرے لوگ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے استحکام کو طریقِ نبوت قرار دیتے ہوئے اُن کی افضلیت کا قول کرتے ہیں اور خلافتِ مرتضوی کو طریق ولایت پر محمول سمجھتے ہوئے اُن کی مفضولیت کی دلیل سمجھتے ہیں اور دوسری طرف چاروں خلفاء کی خلافت کو عملِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں، اِس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ جس خلیفہ کا عمل کتاب و سنت اور نبوی پیش گوئیوں کے مطابق ہے اُسی کا عمل دوسرے کے عمل سے افضل ہے۔

کیا فتنہ کی ابتدا خلافتِ مرتضوی سے ہوئی؟

جہاں اکثر نواصب ملعون یہ بکواس کرتے رہتے ہیں کہ فتنوں کی ابتدا یا فتنوں کا سبب خلافتِ مرتضیٰ ہے وہیں شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے مفضلین (تفضیلی) بھی مولیٰ علی علیہ السلام کو مفضول

دِکھلانے کی خاطر اِس قسم کی مغالطہ آفرینی کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مبدا ایں فتنہ خلافتِ مرتضیٰ است۔

"اِس فتنہ کی ابتدا حضرت مرتضیٰ کی خلافت سے ہے"۔(1)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توکسی اور سیاق وسباق میں یہ الفاظ لکھے ہیں لیکن بعض قلبی امراض میں مبتلا لوگ اِس قسم کے جملے اُچک کربات کا بتنگڑ بنادیتے ہیں، تاہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ اُن کا لکھا ہوا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ فتنہ کا منصوبہ تو خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بھی قبل تیار ہو چکا تھا، اسی لیے تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کرتے تھے:

يَا أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! تَنَاصَحُوْا، فَإِنَّكُمْ إِنْ لَا تَفْعَلُوْا غَلَبَكُمْ عَلَيْهَا يَعْنِي الْخِلَافَةَ، مِثْلُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ.

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ! باہم اتحاد رکھو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خلافت کے معاملہ میں عمرو بن العاص اور معاویہ بن ابو سفیان تم پر غالب آجائیں گے"۔(2)

نیز وہ پچھتایا کرتے تھے کہ اُنہوں نے بعض طلقاء کو گورنر کیوں رکھا۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسرے محدثین لکھتے ہیں:

وَتَطَاوَلَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِلشُّوْرٰى، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: اِطْمَئِنَّ كَمَا

---

(1) إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء ج ١ ص ٥٩٢۔

(2) كتاب الفتن لنعيم بن حماد ص ١٢٨؛ تاریخ دمشق ج ٤٦ ص ١٧٥؛ مختصر تاریخ دمشق ج ١٩ ص ٢٤٩۔

وَضَعَكَ اللّٰهُ، وَاللّٰهِ لَا جَعَلْتُ فِيهَا حَمَلَ السَّلَاحَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. وَقَالَ مَرَّةً : إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَصْلَحُ لِلطُّلَقَاءِ وَلَا لِأَبْنَاءِ الطُّلَقَاءِ، وَلَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا جَمَعْتُ لِيَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ وِلَايَةَ الشَّامِ.

"عمرو بن العاص نے شوریٰ (میں شمولیت) کی آرزو کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں فرمایا: وہیں رہو، جہاں اللہ جل جلالہ نے تمہیں رکھا ہے۔ بخدا! میں اس معاملہ میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کروں گا جس نے رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائے تھے، نیز فرمایا: طلقاء اور طلقاء کی اولاد کارِ حکومت کے لائق نہیں، اور اگر میں موجودہ صورتِ حال کو پہلے سے جان لیتا تو یزید بن ابو سفیان اور معاویہ بن ابو سفیان کو شام کی حکومت نہ دیتا"۔ (1)

حیرت ہے کہ جب وہ صحابہ کو معاویہ اور عمرو بن العاص سے چوکنا رہنے کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے اور معاویہ کو شام کا گورنر بنانے پر ندامت کا اظہار بھی کرتے تھے تو پھر اُسے معزول کیوں نہ کیا؟ شاید قدرت نے یہ مشکل مرحلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ک لیے بچایا ہوا تھا، کیونکہ اُنہی کے لیے احادیث میں آیا ہے کہ وہ تاویلِ قرآن پر قتال کریں گے۔

نیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کیسے تحفظات اور خدشات ہوں گے، اِس کو بھی خدا ہی بہتر جانتا ہے، کیونکہ وہی ذات کسی کے سینے میں مخفی امور کو ذات ہی جانتی ہے، تاہم بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے سنا کہ کچھ لوگ اُن کی وفات کے بعد خلافت کے متمنی ہیں تو مکۃ

---

(1) فتح الملهم ج۴ ص۱۱۸؛ إكمال إكمال المعلم ج۲ ص۴۷۴؛ مكمل إكمال الإكمال ج۲ ص۴۷۴؛ الكوكب الوهاج ج۸ ص۲۰۷۔

المکرمہ میں ہی ایک ایسا خطبہ دینا چاہا کہ ویسا خطبہ اُنہوں نے اپنی خلافت کے دور میں کبھی نہیں دیا تھا مگر اُنہیں بعض حضرات نے اِس لیے روک دیا کہ یہاں شور ہے اور طرح طرح کے لوگ ہیں، آپ کی گفتگو کو آپ کے مقصد سے ہٹا کر پیش کیا جائے گا، لہٰذا آپ اپنے اِس خطبہ کو مدینہ منورہ پہنچنے تک موقوف رکھیں۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو واقعی ایک طویل اور سخت خطبہ دیا۔ اُس میں ایک بات یہ بھی تھی:

فَالْخِلَافَةُ شُورٰى بَيْنَ هٰؤُلَاءِ السِّتَّةِ الَّذِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ. وَإِنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ أَقْوَامًا يَطْعَنُونَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ، أَنَا ضَرَبْتُهُمْ بِيَدِي هٰذِهٖ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ أَعْدَاءُ اللّٰهِ الْكَفَرَةُ الضُّلَّالُ.

"شورائے خلافت اُن چھ افراد میں رہے گی جن سے رسول اللہ ﷺ بوقتِ وصال راضی تھے، اور میں جانتا ہوں کہ کچھ ایسے لوگ اِس معاملہ میں اعتراض کرتے ہیں جن کو میں نے اپنے اِس ہاتھ سے اسلام کے بارے میں مارا تھا، پس اگر اُنہوں نے ایسا کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن کافر و گمراہ ہوں گے"۔[1]

اِس جملہ ''أَنَا ضَرَبْتُهُمْ بِيَدِي هٰذِهٖ عَلَى الْإِسْلَامِ'' (جن کو میں نے اپنے اِس ہاتھ سے اسلام کے بارے میں مارا تھا) کی توضیح میں شارحین لکھتے ہیں:

أَيْ حَارَبْتُهُمْ، وَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى أَنْ يَّدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ، وَالْمُرَادُ أَنَّهُمْ لَيْسُوا مِنَ السَّابِقِيْنَ الْأَوَّلِيْنَ إِلَيْهِ، وَلَا مِمَّنْ رَسَخَ قَدَمُهٗ فِيْهِ.

---

(1) مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب نهى من أكل ثوما وبصلا أو كراثا ونحوه، ص ۲۵۴ ح ۵۶۷۔

"یعنی میں نے اُن سے جنگ کی اور جہاد کیا تا کہ وہ اسلام میں داخل ہوں، مراد یہ ہے کہ نہ تو وہ لوگ سابقین اولین میں سے ہیں اور نہ ہی اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے قدم اسلام میں مضبوط ہو چکے ہیں"۔(1)

اندازہ فرمایئے کہ اِسلام میں بعد میں داخل ہوئے اور ایمان میں بھی مضبوط نہیں مگر خلافت کے معاملہ میں ٹانگ اڑانے میں سب سے تیز ہیں۔ دنیا میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو لوگ مشکل وقت میں شریکِ عمل نہیں ہوتے وہی اعلیٰ مناصب کے لیے آگے آگے ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اِس موقع پر یہ بھی اظہار فرمایا تھا کہ اب وہ بعض علاقوں میں جا کر وہاں کے لوگوں کی شکایات کا ازالہ خود کریں گے۔ افسوس کہ اُن کے خطاب کے بعد بمشکل چار دن ہی گزرے تھے کہ اُنہیں شہید کر دیا گیا۔(2)

یہاں یہ بات بطورِ خاص ملحوظ خاطر رکھیے گا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ثقفی شخص کے غلام نے قتل کیا تھا اور پھر وہ ثقفی شخص آگے چل کر بعض طلقاء کا دوست بن گیا تھا اور اُسے بعض طلقاء نے اپنے دورِ حکومت میں کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اگر آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طلقاء کے متعلق مذکورہ بالا دو قولوں کے ساتھ ساتھ حسبِ ذیل حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مد نظر رکھ لیں تو نہ صرف یہ کہ نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہوگی بلکہ صحیحین کی وہ حدیث بھی اپنے مکمل مفہوم کے ساتھ سمجھ آجائے گی جس میں ہے کہ تم میرے بعد دنیا کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو گے اور ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ یہاں ثقفیوں اور طلقاء کی دوستی کے متعلق یہ نبوی پیش گوئی مد نظر رکھیے۔ سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(1) البحر المحيط الثجاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج ١٢ ص ٤٩٠۔

(2) محض الصواب في مناقب عمر بن الخطاب ص ٨٠٨، ٨٠٣۔

الْمُهَاجِرُونَ وَالأَنْصَارُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ ، وَالطُّلَقَاءُ مِنْ قُرَيْشٍ، وَالْعُتَقَاءُ مِنْ ثَقِيفٍ. بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ.

"مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم دنیااور آخرت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور قریش کے طلقاءاور ثقیف کے عتقاء دنیااور آخرت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں"۔[1]

بات ذرا لمبی ہوگئی لیکن تفہیمِ حقیقت کے لیے تفصیل ضروری ہوتی ہے۔اب آپ کو یہ بات سمجھ آگئی ہوگی کہ فتنے کا منصوبہ شہادتِ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قبل طے ہو چکا تھااور اُسے عملی جامہ بھی پہنایا گیا۔جب اتنی بات سمجھ آگئی تو اب یہ بھی جان لیجئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فتنوں کے درمیان ایک باب قرار دیا تھااور فرمایا تھا کہ اس باب کو توڑا جائے گا، جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔[2]

خود اندازہ کیجئے کہ جو باب فتنوں کے لیے رکاوٹ ہو جب اُسے توڑ دیا جائے تو پھر فتنوں کے اُمڈ کر آنے کا عالم کیا ہو گا؟ بعض احادیث میں اِن فتنوں کی کثرت کو ''كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ'' (بارش کے قطروں کی مانند) فرمایا گیا ہے۔[3]

---

(1) مسند أحمد ج ۴ ص ۳۶۴ وط: ج ۶ ص ۵۱۳ ح ۱۹۴۲۷ ؛ صحیح ابن حبان ج ۱۶ ص ۲۵۰ ح ۷۲۶۰ ؛ المستدرک ج ۴ ص ۸۰ ؛ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۱۳، ۳۱۴ ح ۲۳۱۰، ۲۳۱۱ وص ۳۴۳ ح ۲۴۳۸ ؛ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۔

(2) بخاري، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلاۃ کفارۃ، ص ۸۷ ح ۵۲۵۔

(3) بخاري، کتاب فضائل المدینة، باب آطام المدینة ص ۲۵۰ ح ۱۸۷۸۔

لٰہذا کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، متقدمین سے ہو یا متاخرین سے جو بھی مطلقاً یہ کہے کہ فتنوں کا آغاز خلافتِ مرتضوی سے ہوا وہ یا تو کتاب وسنت کے حقائق سے بے خبر ہے یا پھر خبیث قسم کا ناصبی اور خارجی ہے۔ جہلاء کی نگاہ میں سیدنا علی علیہ السلام تو فقط اِس لیے موردِ الزام ٹھہرے کہ وہ عزیمت پر قائم رہتے ہوئے پہلے سے بچھائے ہوئے کانٹوں کو صاف کرتے رہے حتیٰ کہ اِسی تگ ودو میں مشغول تھے کہ اُن پر قاتلانہ حملہ ہو گیا تو اُنہوں نے بہ آوازِ بلند فرمایا ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' (ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا) اُنہوں نے یہ نعرہ کیوں لگایا؟ اِس لیے کہ اُن کی تمام تر جدوجہد کتاب وسنت کی بالادستی کے لیے تھی اور اُن کا قدم سرِ مُو بھی جادۂ حق سے نہیں ہٹا تھا بلکہ احادیث کے مطابق وہ جدھر کا رُخ کرتے حق اُدھر ہو جاتا۔ سو جن لوگوں نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے دورِ استحکام کی وجہ سے اُن کی افضلیت کا قول کیا یا کرتے ہیں، اُنہیں اگر نگاہِ بصیرت حاصل ہوتی تو اُن پر از خود واضح ہو جاتا کہ اپنوں کا مقابلہ غیروں کے مقابلہ سے زیادہ کٹھن ہوتا ہے، لٰہذا جو شخص حق کی بالا دستی کی خاطر اپنوں سے نبرد آزما رہے اور سرِ مو بھی عدل وانصاف کے خلاف نہ چلے تو اُس کی حکومت اُس شخص کی حکومت سے افضل ہے جس کو اپنوں کے فتنوں سے واسطہ نہ پڑا ہو۔

جتنا رُتبہ زیادہ اُتنا مشکلات زیادہ

خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو فتنوں کی ابتدا کا سبب خلافتِ مرتضوی ہے اور نہ ہی اُن کے دور سے فتنوں کا آغاز ہوا بلکہ اُنہیں مسلمان کہلانے والے لوگوں کے پیدا کردہ فتنوں کے دور میں خلافت ملی، جس کو اُنہوں نے اپنے مخصوص اور قابلِ رشک فہم کی مدد سے مکمل کتاب وسنت کے مطابق چلانا چاہا، جس کو حدیث نبوی میں تاویلِ قرآن فرمایا گیا ہے تو اُن کے سامنے مشکلات سینہ تان کر کھڑی ہو گئیں۔ یہ قانونِ الٰہی ہے کہ جس کا رتبہ سوا ہوتا ہے تو اُس کی مشکل بھی سوا ہوتی ہے، یعنی سیدنا علی علیہ السلام کو اُن کے دور میں جو مشکلات پیش آئیں وہ اُن کی افضلیت کے باعث تھیں۔ علامہ سید

ابو الحسن علی ندوی نے اِس حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں ادا کیا ہے:

"حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، اور کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا، اس کی حکمت اللہ ہی بہتر جانتا ہے، شاید یہ زکوٰۃ تھی اُن خصوصیات، کارناموں اور عبقریت کی جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علی ؓ کو نوازا تھا"۔[1]

ذرا غور تو فرمایئے کہ ایک شخص کو سابقین خلفاء کرام ؓ نے گورنر منتخب فرمایا اور سیدنا علی علیہ السلام نے خلافت سنبھالتے ہی اُس کی معزولی کا آرڈر جاری فرمادیا تو اُس نے بغاوت شروع کر دی۔ اب بتایئے اُس کی تقرری کا فیصلہ درست تھا یا کسی قسم کے ظاہری عذر کے بغیر اُس کی معزولی کا آرڈر کرنا درست تھا؟ ظاہر ہے کہ جو حضرات اُس کی تقرری پر اپنی عمر کے آخری ایام میں نادم ہوئے تھے اُن کی ندامت اُن کی تقرری کے فیصلہ کے غیر صائب ہونے کی شہادت فراہم کر رہی ہے۔ نیز اُن کا صحابہ کرام ؓ کو یوں متنبہ کرتے رہنا:

"اے صحابیو! باہم اتحاد رکھنا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خلافت کے معاملہ میں عمرو بن العاص اور معاویہ بن ابو سفیان تم پر غالب آجائیں گے"۔[2]

بھی اُسی ندامت کو ظاہر کرتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لانے والوں اور طلقاء کو مناصب پر مقرر کرنا مقرر کرنے والوں کو خطرناک لگنا شروع ہو گیا تھا۔ یہ خطرہ محض اقتدارِ دنیوی کے لیے نہیں تھا بلکہ اسلام کی اصلی اقدار کو بھی خطرہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت جلد قدیم صحابہ کرام ؓ کی زبانوں پر یہ الفاظ جاری ہو گئے تھے کہ ہمیں نماز کی اُٹھک بیٹھک کے علاوہ اسلام

---

(1) المرتضیٰ اردو ص ۲۵۹۔

(2) کتاب الفتن لنعیم بن حماد ص ۱۲۸؛ تاریخ دمشق ج ۴۶ ص ۱۷۵؛ مختصر تاریخ دمشق ج ۱۹ ص ۲۴۹۔

کی کوئی اور چیز نظر نہیں آتی۔

اِس سے سیدنا علی علیہ السلام کی بے مثال فہم، فراست اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اگر اُن لوگوں کی معزولی کا حکم نہ فرماتے تو خلقِ خدا پر اُن کی اصلیت ظاہر نہ ہوتی اور وہ مسلسل کسی قسم کے اختلاف و تنازع کے بغیر حکومت کرتے رہتے تو اب پوری دنیا پر فقط اُموی دین ہوتا اور لوگوں کو اصلی دین کے خدوخال تک نہ ملتے۔ یہاں میں ایک مرتبہ پھر علامہ محمد یوسف بنوری کے سنہری الفاظ کا مخصوص حصہ دھرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ:

"خلافت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں زوالِ اسلام کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اسلام تو بچ گیا لیکن "جنگِ جمل" اور "جنگِ صفین" جیسے دردناک واقعات اور خونچکاں حوادث ضرور رونما ہوئے"۔(1)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام آخر اِس قدر مشکل قدم اُٹھانے اور مہنگا سودا کرنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ جواباً عرض ہے کہ اُن کے علاوہ کوئی دوسرا اِس قدر مشکل قدم اُٹھا ہی نہیں سکتا تھا، کیوں؟ اِس لیے کہ جو دور اندیشی، قرآن فہمی، معاملہ فہمی اور علمی رسوخ اُنہیں بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا تھا وہ کسی دوسرے کے حصہ میں آیا ہی نہیں تھا۔ چنانچہ سلفی مصنف علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی لکھتے ہیں:

هٰذَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ـ علیہ السلام ـ اِخْتُصَّ مِنْ بَيْنِ الصَّحَابَةِ وَالْقَرَابَةِ بِالْعِلْمِ الَّذِي لَمْ يُمَاثَلْ فِيهِ ، وَ لَمْ يُشَارَكْ وَلَمْ يُشَابَهْ فِيهِ ، وَلَمْ يُقَارَبْ ، بِحَيْثُ إِنَّهُ لَمْ يُعْلَمْ ـ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ـ نَظِيرٌ لَهُ

---

(1) تعارف: إكفار الملحدين ص ۳۲۔

فِي عِلْمِهِ، الَّذِي حَيَّرَ الْعُقُولَ، وَأَسْكَتَ الْوَاصِفِينَ، إِلَى أَنْ قَالَ... إِنَّمَا هِيَ مِنَحٌ رَبَّانِيَّةٌ، وَمَوَاهِبُ لَدُنِّيَّةٌ، وَلِكَثْرَةِ عِلْمِهِ عليه السلام أُتُّهِمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم أَخْبَرَهُ مِنَ الشَّرِيعَةِ بِمَا أَخْفَاهُ عَنِ النَّاسِ، فَسَأَلَهُ رَجُلٌ: مَا الَّذِي أَسَرَّ إِلَيْكَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم؟ فَغَضِبَ، وَقَالَ: وَاللهِ مَا أَسَرَّ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم شَيْئًا كَتَمَهُ عَنِ النَّاسِ، وَإِنَّمَا عِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ، وَشَيْءٌ مِنَ السُّنَّةِ ذَكَرَهُ عليه السلام، أَوْفَهْمٌ أُوتِيَهُ رَجُلٌ.... فَقَدْ أَوْضَحَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عليه السلام فِي كَلَامِهِ هٰذَا أَنَّ فَضْلَهُ فِي ذٰلِكَ عَلَى الْقَرَابَةِ وَالصَّحَابَةِ وَمَنْ عَدَا الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ مِنَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ، إِنَّمَا كَانَ بِالْفَهْمِ الَّذِي آتَاهُ اللهُ، وَأَمَّا الْقُرْآنُ الَّذِي كَانَ مَعَهُ عليه السلام وَالْأَخْبَارُ النَّبَوِيَّةُ فَإِنَّهُ يُمْكِنُ غَيْرُهُ مَعْرِفَةَ ذٰلِكَ، وَلٰكِنْ مَا يُمْكِنُ غَيْرُهُ أَنْ يَفْهَمَ مِنْ ذٰلِكَ مِثْلَ فَهْمِهِ، وَلَا يَسْتَنْبِطُ مِنْهُ مِثْلَ اِسْتِنْبَاطِهِ.

”یہ امیر المومنین (سیدنا علی) علیہ السلام ہیں جو صحابہ واہل بیت کے مابین علم میں اس قدر مخصوص تھے کہ اُس میں اُن کا کوئی مدمقابل، کوئی شریک، کوئی مشابہ اور کوئی قریب بھی نہیں تھا، علم میں جو اُن کی حیثیت تھی انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اُس کی نظیر نہیں جانی گئی، اُن کے علمی مقام نے عقلوں کو حیران اور بیان کرنے والوں کو گم سم کر دیا تھا... یہ محض ربانی عطائیں اور فیوضات

الٰہیہ تھیں۔ اُن کے علم کی کثرت کی وجہ سے اُن پر شک کیا جانے لگا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں شریعت کے کچھ ایسے اُمور بتلائے ہیں جو دوسروں سے مخفی رکھے گئے۔ چنانچہ ایک شخص نے اُن سے سوال کیا: آپ کو رسول اللہ ﷺ نے مخفی طور پر کیا کیا بتایا؟ اس پر اُنہوں نے غضب ناک ہو کر فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا جسے دوسرے لوگوں سے چھپایا ہو، ہمارے پاس فقط اللہ ﷻ کی کتاب، رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ احادیث یا وہ فہم ہے جو کسی شخص کو عطا کی جاتی ہے۔... پس امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اِس کلام میں واضح فرمادیا ہے کہ اہل بیت اور صحابہ پر اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ تمام لوگوں پر اُن کی فضیلت کا سبب وہ مخصوص فہم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں عطا فرمائی تھی۔ باقی رہا قرآن مجید اور احادیث نبویہ تو ممکن ہے کہ دوسروں کو بھی اُن کی معرفت حاصل ہو لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا شخص اُس طرح سمجھ سکے جس طرح اُنہوں نے سمجھا اور اُس طرح استنباط کر سکے جس طرح اُنہوں نے کیا"۔ (1)

اِس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی علیہ السلام اپنی مخصوص فہم کی بدولت کتاب و سنت کی روشنی میں اہل قبلہ کے ساتھ تاویل قرآن کی تکمیل میں مصروفِ پیکار رہے، یہی وجہ ہے کہ جس سمت وہ رُخ فرماتے گئے حق اُدھر ہوتا چلا گیا۔ کلمہ گو لوگوں کے خلاف اِس عزم و تیقّن کے ساتھ قدم اُٹھانا اُن

(1) العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃأبی القاسم ﷺ ج ا ص ۲۴۱، وط: مؤسسۃ الرسالۃ ج ا ص ۱۷۱۔

کے علاوہ کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی، کیونکہ جو علمی رسوخ اُنہیں عطا تھا وہ کسی دوسرے کو نہیں ملا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن الوزیر یمانی ہی دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

أَلَا تَرَى أَنَّ أَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَكَثِيْرًا مِّنَ الصَّحَابَةِ كَانُوا مُجْتَهِدِيْنَ. وَلَمْ يَكُونُوا فِي الرَّسُوْخِ فِي الْعِلْمِ كَأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ.

"کیا آپ غور نہیں کرتے کہ حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور صحابہ کرام ﷺ میں سے بہت حضرات مجتہدین تھے، لیکن اُنہیں امیر المومنین کی طرح علم میں رسوخ حاصل نہیں تھا"۔(1)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام کو اُن کے بے نظیر و بے پایاں علمی رسوخ نے مشکل فیصلوں پر اُبھارا تو اُس کے نتیجے میں وہ خود بھی سخت ترین شدائد و مصائب میں مبتلا ہوئے اور اُن کے متبعین و محبین بھی۔ علی میاں ندوی نے بالکل بجا فرمایا کہ اُن پر جو مشکلات آئی تھیں وہ اُن کی عبقریت کی زکات تھی۔ احادیث مبارکہ میں تصریح ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد جو جتنا افضل ہو اُس کی اتنا زیادہ آزمائش ہوتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! سب سے زیادہ آزمائش کن پر آتی ہے؟ فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام پر، پھر صالحین عظام پر، پھر (درجہ بہ درجہ) افضل، پھر کم افضل لوگوں پر۔ ہر شخص کو اُس کے دین کے مطابق آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے، پس اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اُس کی آزمائش میں اضافہ کیا جاتا ہے اور اگر اس کے دین میں

(1) العواصم والقواصم ج۸ ص ۲۶۵؛ وط: ج۵ ص ۵۸۔

کمزوری ہو تو اُس پر تخفیف کی جاتی ہے، اور آزمائش مسلسل بندے کے ساتھ رہتی ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا"۔[1]

اس حدیث شریف میں ''الأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ'' کے الفاظ کی تشریح میں امام مناوی لکھتے ہیں:

أَيِ الْأَشْرَفُ فَالْأَشْرَفُ وَالْأَعْلٰى فَالْأَعْلٰى. لِأَنَّ الْبَلَاءَ فِي مُقَابَلَةِ النِّعْمَةِ. فَمَنْ كَانَتْ نِعْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَكْثَرُ فَبَلَاءُهٗ أَشَدُّ.

"پہلے برگزیدہ پھر اُس سے کم درجے کا، پہلے اعلیٰ پھر اُس سے کم درجے کا، کیونکہ آزمائش نعمت کے مقابلہ میں ہوتی ہے، سو جس پر انعامِ الٰہی زیادہ ہو تو اُس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے"۔[2]

دوسری حدیث میں ہے:

أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً فِي الدُّنْيَا نَبِيٌّ أَوْ صَفِيٌّ.

"دنیا میں آزمائش کے لحاظ سے سب بڑھ کر نبی یا صفی ہوتا ہے"۔[3]

---

(1) مسندأحمد ج ۱ ص ۱۷۲ ح ۱۴۸۲ وص ۱۷۴ ح ۱۴۹۴، وص ۱۸۰ ح ۱۵۵۵ ص ۱۸۵ ح ۱۶۰۷؛ سنن الترمذي ص ۵۴۷ ح ۲۳۹۸؛ سنن ابن ماجه ج ۴ ص ۳۶۹ ح ۴۰۲۳؛ سنن الدارمي ج ۲ ص ۲۵۲ ح ۲۷۸۳؛ مسند أبي داود الطيالسي ح ۲۱۵، وط: ج ۱ ص ۱۱۷ ح ۲۱۱؛ مسند أبی یعلیٰ ج ۱ ص ۳۴۳ ح ۸۲۶؛ السنن الكبرىٰ للنسائي ج ۷ ص ۴۶ ح ۷۴۳۹؛ مسند البزار ج ۳ ص ۳۵۳ ح ۱۱۵۴؛ صحيح ابن حبان ج ۴ ص ۲۵۳ ح ۲۹۰۹، ۲۹۱۰؛ المستدرک ج ۱ ص ۴۰ ح ۱۲۷؛ السنن الكبرىٰ للبيهقي ج ۳ ص ۳۷۳ ح ۶۵۳۴۔

(2) فيض القدير للمناوي ج ۲ ص ۱۰۲۲، مكتبة نزار۔

(3) التاريخ الكبير للبخاري ج ۸ ص ۱۲ [علمية] الجامع الصغير للسيوطي ص ۸۱ ح ۱۰۵۵؛ جمع الجوامع للسيوطي ج ۱ ص ۲۱۴ ح ۳۰۷۳۔

یوں تو اکثر صالحین پر شدائد و مصائب کا نزول ہوتا ہے لیکن سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو تو اس سلسلے میں نامزد کر دیا گیا۔ چنانچہ حدیثِ ھٰذا میں تو نبی یا صفی پر شدائد اُترنے کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں سیدنا علی علیہ السلام کو صراحتاً ''صَفِيّ'' فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

أَمَّا أَنْتَ يَا عَلِيُّ فَصَفِيِّيْ وَ أَمِيْنِيْ .

''اے علی! البتہ تم میرے صفی اور امین ہو''۔ (1)

سیدنا آدم علیہ السلام کو صَفِيُّ اللّٰہ فرمایا گیا، غور فرمایئے کہ اُن پر کس قدر مصائب و شدائد آئے؟

معلوم ہوا کہ سیدنا علی علیہ السلام کی خلافت فتنوں کا سبب نہیں تھی بلکہ قدرت کی طرف سے اُنہیں اُن کی افضلیت اور اشرفیت کی بدولت ایسے دور میں خلیفہ منتخب کیا گیا جب خیمہ اسلام میں پناہ گزین اور متأخرین لوگوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی وجہ سے حالات اِس قدر سنگین ہو گئے تھے کہ حدیث شریف کے مطابق فتنے بارش کی طرح نازل ہو رہے تھے۔ ایسے سنگین حالات میں مردِ خدا علی المرتضیٰ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی قرآن فہمی اور رسوخِ علمی کی بدولت اُن فتنوں کا مقابلہ کیا، خفیہ فتنہ گروں کی بغاوت کو آشکار کر دیا اور اُن کی اصلیت کو دنیا کے سامنے عیاں کر کے دینِ اسلام کے چہرے پر پڑے غبار کو صاف کر دیا اور آخر میں اپنے دین و ایمان کی سلامتی پر ''فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' کا نعرہ بلند فرماتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں جا کر لبیک عرض کیا۔ جَزَى

---

(1) كتاب السنة لابن أبي عاصم ج ۲ ص ۸۹۱ ح ۱۳۶۵، وط: ص ۵۹۹ ح ۱۳۳۰؛ خصائص علي ح ۷۰؛ السنن الكبرىٰ للنسائي ج ۷ ص ۴۳۴ ح ۸۴۰۴؛ شرح مشكل الآثار ج ۸ ص ۹۴، ۹۳ ح ۳۰۸۲؛ مسند البزار ج ۳ ص ۱۰۵ ح ۸۹۱؛ كشف الأستار ج ۳ ص ۲۲۰ ح ۲۶۰۸۔

اللّٰهُ عَنَّا سَيِّدَنَا عَلِيًّا علیہ السلام مَا هُوَ أَهْلُهُ.

"مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ" سے استدلال

راقم الحروف پر لگائے جانے والے فتویٰ میں مفتی عبدالعلیم سیالوی صاحب نے یہ قولِ مرتضوی بھی نقل کیا تھا:

"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں ناقل ہیں "عن محمد بن الحنفية قال قلت لابي اى الناس خير بعد النبي ﷺ قال ابو بكر قال قلت ثم من قال عمر و خشيت ان يقول عثمان قلت ثم انت قال ما انا الا رجل من المسلمين "(حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) سے عرض کیا۔ سرکار دوعالم ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے۔ فرمایا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے خوف ہوا کہ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے لیں تو میں نے عرض کیا: پھر آپ؟ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے (ازراہ تواضع) فرمایا: نہیں میں تو مسلمان میں سے ایک شخص ہوں۔"

(بخاری، جلد ۱، ص: ۵۱۸ وزراۃ تعلیم، اسلام آباد)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مفتی عبدالعلیم سیالوی صاحب نے قوسین میں "ازراہ تواضع" کے جو الفاظ لکھے ہیں یہی حقیقت ہے، کیونکہ کسی بھی عظیم ہستی کے ایسے الفاظ کو حقیقی معنیٰ پر نہیں سمجھا جا سکتا، ورنہ خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی افضلیت کے پہلے منکر شمار ہوں گے، کیونکہ اُنہوں نے خلافت سنبھالتے ہی جو پہلا خطبہ دیا تھا اُس میں حمد وصلاۃ کے بعد یہ الفاظ بھی ارشاد

فرماتے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ: فَإِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ ، فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي ، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي.

"لوگو! مجھے تم پر مقرر کیا گیا ہے اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں، سو اگر میں اچھا چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر میں برا چلوں تو مجھے سیدھا کر دینا"۔ (1)

جس طرح اس جملے کو ظاہر معنیٰ پر نہیں رکھا جاسکتا، اسی طرح سیدنا علی علیہ السلام کے مذکورہ بالا الفاظ کے معنیٰ کو بھی ظاہر پر نہیں رکھا جاسکتا۔ اُنہوں نے اپنے فرزند کو جو کچھ ارشاد فرمایا وہ محض تواضعاً تھا، ورنہ متعدد صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے تھے، اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی بطور تحدیثِ نعمت اپنے اسلامی اور ایمانی مرتبے کے بیان میں اپنی افضلیت کا اظہار ہو جاتا تھا، جیسا کہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

أَنَا الصِّدِّيقُ الْأَكْبَرُ.

"میں صدیق اکبر ہوں"۔ (2)

امام بوصیری نے فرمایا: "هذا إسناد صحيح" (یہ سند صحیح ہے)۔ (3)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اُن کے اول المسلمین ہونے کی وجہ سے ہے، جیسا کہ امام ابن

---

(1) السيرة النبوية لابن إسحاق ص ۷۱۸؛ السيرة النبوية لابن هشام ج ۴ ص ۳۱۲؛ الفصل في الملل والنحل لابن حزم ج ۴ ص ۲۰۹؛ تاريخ الخلفاء للسيوطي ص ۱۵۳؛ الاكتفاء من مغازي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم والثلاثة الخلفاء، لأبي الربيع الأندلسي ج ۲ ص ۴۴۶۔

(2) سنن ابن ماجه ج ۱ ص ۸۵ ح ۱۲۰۔

(3) زوائد ابن ماجه ص ۱۶؛ مصباح الزجاجة ج ۱ ص ۱۶۰۔

عساکر کے ہاں اس کی تصریح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی حقیقت کو خاتونِ جنت سیدتنا فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کے سامنے رکھا تھا اور اُنہیں تسلی دیتے ہوئے تین امور میں سیدنا علی علیہ السلام کی افضلیت کو یوں بیان فرمایا تھا:

أَمَا تَرْضَيْنَ أَنِّي زَوَّجْتُكِ أَقْدَمَ أُمَّتِي سِلْمًا وَ أَكْثَرَهُمْ عِلْمًا وَأَعْظَمَهُمْ حِلْمًا؟

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو میری امت میں اسلام کے لحاظ سے سب پر مقدم، علم کے لحاظ سے سب سے برتر اور بُردباری کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہے؟"۔[1]

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: "یہ حدیث امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس میں ایک راوی خالد بن طہمان ہے۔ امام ابو حاتم وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ (لائقِ اعتماد) ہیں"۔[2]

شیخ حمزہ احمد الزین اور شیخ محمد حسین سلیم اسد الدارانی نے لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔[3]

شیخ حسین سلیم اسد الدارانی نے اِس سے قبل ایک حدیث کی تحقیق میں خالد بن طہمان کے متعلق جرح وتعدیل کے تمام اقوال درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

---

(1) مسند أحمد ج۵ ص ۲۶ وج ۶ ص ۴۹۴ ح ۲۰۵۷۳؛ المعجم الكبير ج ۱ ص ۵۱ ح ۱۵۶ وط: ج ۱ ص ۵۷ ح ۱۵۴، وط: ج ۲۰ ص ۲۲۹؛ المصنف لابن أبي شيبة ج ۶ ص ۳۷۶ ح ۳۲۱۲۲؛ الأحاد والمثاني ج ۱ ص ۱۴۲ ح ۱۶۹۔

(2) مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۲۳، دار الفكر۔

(3) مسند أحمد بتحقيق حمزة أحمد الزين ج ۱۵ ص ۱۷۴ ح ۲۰۱۸۵؛ مجمع الزوائد ج ۱۸ ص ۲۰۰ ح ۱۴۵۹۷۔

"خلاصہ یہ ہے کہ وہ حسن الحدیث ہیں"۔[1]

تحدیثِ نعمت کے طور پر سیدنا علی علیہ السلام کے بیان فرمودہ ایسے اقوال ہماری کتاب "شرح خصائص علي رضی اللہ عنہ" کی حدیث [۱۱۱] سے لے کر [۱۱۸] تک کے متن و شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض مفتیان کی تُک بندی

بعض مفتیانِ ہند نے لکھا ہے:

"محققین فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام قبول کیے ہوں تو یہ اُس وقت کی بات ہو گی جب ایمان لانا آپ پر فرض نہیں تھا۔ اُس وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال رہی ہو گی"۔[2]

پہلے تو ذرا مفتی جی کے اُسلوب میں غور فرمائیے:

"محققین فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام قبول کیے ہوں تو"

"کیے ہوں تو" کے الفاظ سے معاملہ کو شک کی نذر کر دیا، حالانکہ سیدنا علی علیہ السلام کی سبقتِ اسلامی پر بیسیوں احادیث صحیحہ اور حسنہ موجود ہیں۔

پھر لکھا "یہ اُس وقت کی بات ہو گی" اِن الفاظ سے بھی سیدنا علی علیہ السلام کے اول المسلمین ہونے کی عظمت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی۔

باقی رہا مفتی جی کا یہ جملہ "جب ایمان لانا آپ پر فرض نہیں تھا" تو یہ تو انتہائی بیہودہ جملہ ہے اور قرآن سنت کے خلاف ہے، تفصیل نیچے آ رہی ہے۔ مفتی جی! ایسا انداز محققین کا نہیں بلکہ

---

(1) مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۷۳۔

(2) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ص ۲۵۸۔

زائغین کا ہوتا ہے، اور در حقیقت یہ کسی محقق کا قول ہے ہی نہیں بلکہ جناب کا زیغ ہے۔

قارئین کرام! اندازہ فرمایئے جس اولیتِ ایمان کو مولیٰ علی علیہ السلام ساری زندگی تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان فرماتے رہے اور جسے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کے سامنے سیدنا علی علیہ السلام کی افضلیت کے طور پر بیان فرمایا اور اسم تفضیل کا لفظ ''أَقْدَمُ أُمَّتِيْ سِلْمًا'' استعمال فرمایا۔ ایک اُمتی اُس افضلیت کو گھٹانے کی کس قدر ناپاک جسارت کر رہا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے سامنے محققین کے قول کی کیا حیثیت ہے؟ ہمارا اپنی تحریر میں متانت و سنجیدگی کو قائم رکھنے کا عزم اپنی جگہ لیکن یہاں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مفتی مذکور نے محققین کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ انتہائی لغو و بیہودہ بات کی ہے؟

مسلکی تعصب میں ایسے دل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ جب سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالَمِ شیر خوارگی میں رمضان المبارک میں اپنی والدہ کا دودھ پینا ترک کر دیا تھا۔ کیا اُن کی اُس فضیلت کا فقط اِس لیے انکار کر دیا جائے کہ اُس وقت اُن پر ایمان لانا، اسلام لانا اور ماں کا دودھ ترک کرنا فرض نہیں تھا؟

بتایئے! جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں اپنی والدہ کی عصمت کی شہادت دی تھی، اسی طرح جس نومولود بچے نے حضرت جریج رحمۃ اللہ علیہ کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی اور اِسی طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کی عصمت کی جس بچے نے گواہی دی تھی، کیا اُن سب کی گواہی کی عظمت کو فقط اِس لیے لائق اعتنا نہ سمجھا جائے کہ اُنہوں نے اُس وقت گواہی دی تھی جب اُن پر گواہی دینا فرض نہیں تھا؟ اگر آج مفتی کی اِن محققانہ خرافات و بکواسات پر خاموشی اختیار کی جائے تو کل کلاں وہ یہ کہہ دے گا کہ حسنین کریمین علیہما السلام کو اگر جنت کی سرداری پانچ چھ سال کی عمر میں عطا فرمائی گئی ہو تو یہ اُس وقت کی بات ہو گی جب اُن پر ایمان لانا اور کسی قسم کی عبادت کرنا فرض

نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ ایسے اعتقادی اور مذہبی تعصب سے محفوظ رکھے جو کتاب وسنت کے انکار پر یا پھر اُن کی باطل تاویلات وتلبیسات پر اُبھارے۔ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلٰی دِيْنِكَ وَعَلٰی طَاعَتِكَ۔

"ترتیب خلاف ہی ترتیب افضلیت" کا اعادہ

ہمارے خلاف جاری کردہ فتویٰ میں مفتی صاحب نے ایک مرتبہ پھر "ترتیب خلاف ہی ترتیب افضلیت" کے دعویٰ کا اعادہ کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اہل سنت کے نزدیک ترتیب خلاف ہی ترتیب افضلیت بھی ہے۔ جس کے بارے علم کلام کی کثیر کتب میں عبارت وتصریحات موجود ہیں۔ ان میں سے چند حوالے ملاحظہ ہوں۔ امام احناف شیخ عمر النسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وأفضل البشر بعد نبينا أبوبكرالصديق ثم عمرالفاروق ثم عثمان ذو النورين ثم علي ﷺ وخلافتهم على هذا الترتيب"

ہمارے نبی ﷺ کے بعد انسانوں میں سب سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین پھر سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ ہیں۔ ان کی خلافت بھی اسی ترتیب پر ہے۔ (متن عقیدہ النسفیہ مع شرح عقائد، ص ۲۲۱۔ ۲۲۲، مکتبہ امدادیہ ملتان)"۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ "ترتیب خلافت ہی ترتیبِ افضلیت"۔ اس جملہ پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے اور واضح کیا جا چکا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یقیناً امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا متن ایسا ہی ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے نقل کیا ہے لیکن اس پر اتفاق واجماع نہیں ہے۔ امام نسفی کی کتاب

"العقائد" کا متن انتہائی مختصر ہے، اُس میں دلائل کے ذکر کے بغیر عقائد کو یوں جمع کر دیا گیا ہے جیسا کہ بچوں کے لیے نماز مترجم۔ اُن کی کتاب "العقائد" کا متن فقط ڈھائی صفحوں پر مشتمل ہے جو کہ "شرح العقائد للتفتازانی" مطبوع مکتبۃ الحسن، لاہور کے آخر میں لگا ہوا ہے۔ اس قدر مختصر متن میں ہر ہر مسئلہ کو دلائل و تحقیق کے ساتھ لکھنے کی کہاں گنجائش ہوتی ہے؟ پھر یہ محض اُن کا شخصی قول ہے کوئی اجماعِ امت نہیں کہ اُسے ماننا لازم ہو اور اُس سے اختلاف کرنا خرقِ اجماع کے زمرہ میں آئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ سے مفتی صاحب نے جو ترتیب نقل کی ہے اُس پر نہ کبھی پہلے اجماع تھا اور نہ ہی بعد میں ہوا، اس لیے نہ صرف یہ کہ اس سے اختلاف ممکن ہے بلکہ اہل علم نے اس سے اختلاف کیا بھی ہے۔ چنانچہ اُن کے بعد جس نے بھی اُن کے متن "العقائد للنسفي" کی شرح کی ہے تو اُس نے اختلاف ضرور کیا ہے۔ چنانچہ اس متن کے مشہور ترین شارح علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لفظ "ثُمَّ عَلِيٌّ" کے بعد لکھتے ہیں:

عَلٰى هٰذَا وَجَدْنَا السَّلَفَ ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَوْلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ دَلِيْلٌ عَلٰى ذٰلِكَ لَمَا حَكَمُوا بِذٰلِكَ ، وَ أَمَّا نَحْنُ فَقَدْ وَجَدْنَا دَلَائِلَ الْجَانِبَيْنِ مُتَعَارَضَةٌ ، وَلَمْ نَجِدْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْأَعْمَالِ ، أَوْ يَكُوْنُ التَّوَقُّفُ فِيْهِ مُخِلًّا بِشَيْءٍ مِنَ الْوَاجِبَاتِ.

"اسی پر ہم نے اسلاف کو پایا ہے، اور ظاہر ہے کہ اگر اُن کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ یہ فیصلہ نہ کرتے، البتہ ہم نے جانبین کے دلائل کو باہم متعارض پایا ہے، اور ہم نے اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا جس کا تعلق اعمال میں سے کسی چیز سے ہو، یا اُس میں توقف کرنا کسی واجب چیز میں خلل کا موجب ہو"۔ (1)

---

(1) شرح العقائد للتفتازاني ص ۱۵۰۔

پہلے یہ کہنا کہ "اگر اُن کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ یہ فیصلہ نہ کرتے" پھر ساتھ ہی یہ کہنا ''فَقَدْ وَجَدْنَا دَلَائِلَ الْجَانِبَيْنِ مُتَعَارِضَةً ''(ہم نے جانبین کے دلائل کو باہم متعارض پایا ہے) کیا قطعی مسائل کی بنیاد ایسے اندازوں اور حُسنِ ظن وغیرہ پر ہوتی ہے؟ جن دلائل کی بنا پر اسلاف نے تفضیل کا حکم کیا تھا وہ دلائل کہاں مر گئے؟ اُنہیں زمین نگل گئی یا آسماں کھا گیا؟ نیز جب علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک جانبین کے دلائل متعارض تھے تو بعد والوں پر کوئی وحی نازل ہوئی کہ وہ تعارض ختم ہو گیا اور مسئلہ قطعی ہو گیا؟

علامہ پرھاروی ''وَجَدْنَا السَّلَفَ ''(ہم نے اسلاف کو پایا) کی تشریح میں لکھتے ہیں:

هُمُ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُوْنَ وَأَتْبَاعُهُمْ . وَالْمُرَادُ أَكْثَرُهُمْ.

"وہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہیں، اور مراد اُن کے اکثر ہیں ﷺ"۔[1]

اور اکثر سے اجماعِ امت نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ موصوف کو ''وَ أَمَّا نَحْنُ فَقَدْ وَجَدْنَا . . . '' کے تحت لکھنا پڑا ہے:

يُرِيْدُ إِنَّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ ظَنِّيَّةٌ.

"اس سے اُنہوں نے اس مسئلہ کا ظنی ہونا مراد لیا ہے"۔[2]

جب مسئلہ ظنی ہے تو پھر اس میں کلام کی گنجائش ہے اور جس مسئلہ میں کلام کی گنجائش ہو وہ اجتہادی اور اختلافی ہوتا ہے اجماعی اور قطعی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر تا حال یہ مسئلہ بحث و مباحثہ کے میدان سے نکل کر اجماع کے دائرہ میں بند نہیں ہوا۔ فتدبروا!

---

(1) النبراس ص ۳۰۱، وط: ص ۴۸۹۔

(2) النبراس ص ۳۰۱، وط: ص ۴۸۹۔

عصرِ حاضر کے مفتیان آگ بگولا کیوں؟

جب صاحب نبراس جیسا آدمی اِس مسئلہ کو ظنی تسلیم کر رہا ہے اور صاحب شرح العقائد علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ اِس میں دلائل کو متعارض ماننے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ رہے ہیں:

لَمْ نَجِدْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْأَعْمَالِ ، أَوْيَكُونُ التَّوَقُّفُ فِيْهِ مُخِلًّا بِشَيْءٍ مِّنَ الْوَاجِبَاتِ.

"ہم نے اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا جس کا تعلق اعمال میں سے کسی چیز سے ہو، یا اُس میں توقف کرنا کسی واجب چیز میں خلل کا موجب ہو"۔ (1)

تو پھر ہمارے دور کے وہ مفتیان والاشان اِس قدر کیوں آگ بگولا ہیں جو اِس مسئلہ میں توقف کرنے والے کو بھی خارج از اہل سنت قرار دے رہے ہیں؟ چنانچہ بعض مفتیانِ پاکستان لکھتے ہیں:

"جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کو یا اہل بیت اطہار میں سے کسی کو خواہ جگر گوشۂ رسول فاطمہ بتول یا جنت کے نوجوان کے سردار حضراتِ حسنین کریمین کو ابو بکر صدیق یا عمر فاروق سے افضل مانے یا اُس میں توقف کرے، وہ گمراہ، بد مذہب اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اس کی بیعت بھی جائز نہیں، اگر کوئی پیر اِس عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے تو اس سے بیعت توڑنا واجب ہے"۔ (2)

اِس فتویٰ پر ۲۶ مفتیان کی تائید ہے اور ستائیسویں بقلم خود ہیں۔ اِن میں سے کون سا ایسا مفتی ہے

---

(1) شرح العقائد للتفتازاني ص ۱۵۰۔

(2) افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، علمائے اهل سنت کا متفقه فتویٰ للمفتی منیب ص ۲۔

جس پر دلائل کا تعارض واضح ہو گیا اور تفضیل کی قطعیت نازل ہو گئی ؟اِس سے قطع نظر کہ ہم اس بات سے پردہ اُٹھائیں کہ کسی قسم کے فتویٰ پر تصدیق یا کسی تحریر پر تقریظ کیسے لی جاتی ہے، اگر تسلیم کر لیا جائے کہ واقعۃً سنجیدہ طور پر یہ ستائیس مفتی اِس مسئلہ پر متفق ہیں تو کیا کراچی کے اِن ستائیس مفتیوں کا اتفاق اجماعِ امت کی حیثیت رکھتا ہے ؟اگر نہیں تو پھر قطعیت کیسی ؟اور جب قطعیت نہیں تو پھر اتنی شدت کیسی ؟ماضی قریب میں بعض ہندی علماء کرام نے بعض مسائل میں جو تحکم شروع کیا حالیہ ایام میں وہی تحکم مفتیانِ پاکستان چلا رہے ہیں ورنہ اِس مسئلہ کی قطعیت پر کبھی بھی اجماع واتفاق نہیں ہوا۔ حد ہو گئی کہ اِس مسئلہ میں توقف کرنے والے کو بھی خارج از اہل سنت قرار دے دیا اور وہ بھی کسی تنظیم کے نوزائیدہ مفتی نے نہیں بلکہ جہاندیدہ اور بزرگ مفتی نے! مسائلِ ظنیہ میں آخر ایسی دھکے بازی پر معمر اور بزرگ مفتی کیوں اُتر آئے ؟ہے کوئی بھیدی جو اِس راز سے پردہ اُٹھائے ؟

مفتی صاحب کی بے احتیاطی

آئندہ پیراگراف میں مفتی سیالوی صاحب نے امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کا جو مذہب نقل کیا ہے، اُس میں وہ دامنِ احتیاط کو قابو میں نہیں رکھ سکے۔ وہ کیسے ؟اس کی وضاحت حسبِ ذیل پیراگراف کے بعد آ رہی ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

> "حامل صلاحیات اجتہادیہ امام ابن الھمام الحنفی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ''الاصل الثامن فضل الصحابۃ الاربعۃ علی حسب ترتیبھم فی الخلافۃ ۔۔ ۔۔ فھذا علی نفسہ مصرح بان ابابکر افضل الناس (آٹھواں قاعدہ یہ ہے کہ اصحاب اربعہ رضی اللہ عنہم کی باہمی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو ان کی خلافت کی ہے... یہ بنفس نفیس حضرت علی رضی اللہ عنہ صراحت فرما رہے ہیں کہ حضرت ابو بکر

صدیق ﷛ سب سے افضل ہیں)۔ (المسائرہ، ص :۲۵۷۔۲۵۹، النوریہ الرضویہ لاہور)"۔

اس عدم احتیاط کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مفتی صاحب نے امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو بیچ بیچ سے لیا ہے، اگر وہ بالترتیب عبارت کو چلاتے تو اُن کے موقف میں وہ دم نہ رہتا جو اُن کا مطلوب ہے۔ ہر چند کہ کسی کتاب سے نقل کرتے وقت بعض غیر ضروری جملوں کو حذف کرنا مروج ہے اور جرم نہیں ہے، لیکن ایسے جملوں کو حذف کرنا جو لکھاری کے مطلوب کے خلاف ہوں، دیانت کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے ''علی حسب ترتیبھم فی الخلافۃ'' کے بعد جو ''فھذا عَلِيٌّ نفسه مصرِّح'' کے الفاظ نقل کیے ہیں، اِن دونوں کے مابین [۱۲] سطریں محذوف ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنی اِس تلخیص کو امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب باور کرانے کی کوشش کی ہے اور اپنے مطلوب میں زور پیدا کرنے کی خاطر ہی امام ابن الہمام کے حق میں ''حامل صلاحیاتِ اجتھادیہ" وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں، جو اپنی جگہ ایک حقیقت ہے مگر افسوس کہ جو کچھ مفتی صاحب نے نقل کیا وہ "حامل صلاحیاتِ اجتھادیہ" کا موقف و مذہب نہیں ہے، کیونکہ امام ابن الہمام نے اپنی اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ السُّنَّةِ بَيْنَ عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ ، فَتَوَقَّفَ بَعْضُهُمْ ، وَجَزَمَ آخَرُونَ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ ، وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَفْضِيلِ عُثْمَانَ.

''اہل سنت نے سیدنا علی و عثمان کے مابین مسئلہ ٔافضلیت میں اختلاف کیا ہے، پس بعض نے توقف کیا اور دوسرے حضرات نے تفضیلِ علی کا یقین کیا اور اکثر تفضیلِ عثمان پر ہیں ﷡"۔ (1)

---

(1) المسایرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ ص ۲۶۹، ۲۶۸۔

جب اختلاف پایا جاتا ہے اور تین تین موقف موجود ہیں تو پھر اجماع اور قطعیت کہاں رہی؟ خیال رہے کہ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کو شیعہ سنی اختلاف نہیں کہا بلکہ ''واختلف أهل السنة'' کے الفاظ سے واضح کیا کہ یہ اہل سنت کے مابین اختلاف ہے، لہٰذا خود انصاف فرمائیے کہ کیا اسی کو ''ترتیبِ افضلیت بترتیبِ خلافت'' پر اتفاق کہتے ہیں؟

ناقص عبارات سے اجماع کا دعویٰ

ہر چند کہ کتبِ اسلاف میں محض لفظ ''أجمع المسلمون، أجمع أهل السنة، أجمعت الأمة، أجمعت الأئمة'' اور ''اتفق أهل السنة'' وغیرہ کا پایا جانا کسی مسئلہ کو اجماعی اور قطعی نہیں بنا دیتا لیکن افسوس یہ ہے کہ مسئلہ تفضیل میں ایسے الفاظ کی نقل میں بھی ہمارے معاصر علماء سیاق وسباق سے ہٹا کر اپنے مطلب کا جملہ اُچک لیتے ہیں اور قاری کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ اجماعی اور قطعی مسئلہ ہے، حالانکہ نقل کردہ مقام کو مع سیاق وسباق دیکھا جائے تو وہاں کئی مختلف اقوال ملتے ہیں جس سے قطعیت کا دعویٰ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ مثلاً مفتی رضوی ہندی لکھتے ہیں:

''المفہم للامام القرطبی (م۶۵۶ھ) ج۳ ص۱۰۵۹ میں ہے:

المقطوع بفضله وافضليته بعد رسول الله ﷺ عند اهل السنة وهو الذى يقطع به من الكتاب والسنة ابوبكر الصديق: ولم يختلف فى ذلك أحد من السلف ولا الخلف.

رسول اللہ ﷺ کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں قطعی طور پر حضرت صدیق اکبر افضل ہیں۔ ائمہ سلف وخلف میں سے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے''۔[1]

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ۷۹، ۷۸۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ کرنا ہی درست نہیں ہے کہ اِس مسئلہ میں ائمہ سلف و خلف کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم اِس سے قبل علامہ باقلانی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں کہ خود صحابہ کرام ﷺ کے مابین اِس مسئلہ میں اختلاف تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مفتی مطیع الرحمان صاحب اپنے مطلب کی عبارت تک رُک گئے، اگر وہ آگے بڑھتے تو اُن پر اختلاف ظاہر ہو جاتا۔ امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے چل کر لکھا ہے:

وَقَدْ اِخْتَلَفَ أَئِمَّةُ أَهْلِ السُّنَّةِ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ ﷺ فَالْجُمْهُورُ مِنْهُمْ عَلٰى تَقْدِيمِ عُثْمَانَ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ تَوَقَّفَ فِي ذٰلِكَ وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ رَجَعَ إِلٰى مَا عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ، وَهُوَ الْأَصَحُّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، وَالْمَسْأَلَةُ اِجْتِهَادِيَّةٌ لَاقَطْعِيَّةٌ، وَمُسْتَنَدُهَا الْكُلِّيُّ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْأَرْبَعَةَ: هُمُ الَّذِينَ اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِخِلَافَةِ نَبِيِّهٖ، وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَمَرَاتِبُهُمْ عِنْدَهُ بِحَسْبِ تَرْتِيْبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ.

''بلاشبہ ائمہ اہل سنت نے حضرت علی و عثمان ﷺ کے مابین اختلاف کیا ہے: پس اُن میں جمہور تقدیم عثمان ﷺ پر ہیں اور امام مالک سے اِس میں توقف روایت کیا گیا ہے، اور اُن سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ وہ جمہور کے موقف پر پلٹ آئے تھے اور ان شاء اللہ یہی زیادہ صحیح ہے، اور مسئلہ اجتہادی ہے قطعی نہیں۔ اِس پورے مسئلہ کی مکمل دلیل یہ ہے کہ اِن چاروں حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خلافت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا تھا تو اُن کے درجات بھی اُس کے نزدیک اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق

ہوں گے"۔[1]

خود غور کیجئے کتنے اقوال ہیں؟

امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا کہ "ائمہ اہل سنت نے حضرت علی وعثمان رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کیا ہے" اُس دعوائے اجماع کے خلاف ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ پہلے حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ اگر صحابہ کا اِس ترتیب پر اجماع تھا تو پھر صحابہ کے مقابلہ میں بعد والے اہل سنت کی کیا حیثیت ہے کہ وہ سیدنا علی علیہ السلام کو حضرت عثمان پر تقدیم دیں؟

نیز اگر اِس قولِ ابن عمر کو مسئلہ تفضیل کے ساتھ ہی مقید سمجھا جائے تو پھر یہ قرآن مجید کی نص کے بھی خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں سابقون کو مطلقاً بعد والوں سے افضل فرمایا گیا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے والد پر کم وبیش چھ برس سبقت رکھتے ہیں اور سیدنا علی علیہ السلام تو ماسوا سیدہ خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے اِن سب پر سبقت رکھتے ہیں۔

امام ابو العباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا " فَمَرَاتِبُهُمْ عِنْدَهُ بِحَسَبِ تَرْتِيبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ " (تو اُن کے درجات بھی اُس کے نزدیک اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہوں گے) بھی قطعاً غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتادیا ہے ﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلسَّٰبِقُونَ ۝١٠ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلْمُقَرَّبُونَ ۝١١﴾۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ترتیب وغیر ترتیب وغیرہ متعدد اقوال مذکور ہیں تو پھر ایک آدھ جملہ نقل کر کے رضوی مفتیان کرام زبردستی اجماع اور قطعیت کیوں بنانا چاہتے ہیں؟

---

(1) المفهم، باب فضائل أبي بكر الصديق، ج٦ ص ٢٣٨۔

نووی سے دعوائے اجماع کی حقیقت

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"امام علّام ابوزکریا محی الملۃ والدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں "اتفق اھل السنة علی ان افضلھم ابوبکرثم عمر" ترجمہ: سنیوں نے اتفاق کیا کہ افضل صحابہ ابوبکر ہیں پھر عمر ۱۲"۔[1]

مفتی مطیع الرحمان رضوی ہندی صاحب نے بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے ذکر کے بغیر۔[2]

لیکن اِن دونوں حضرات نے نووی کی عبارت سے فقط اپنا پسندیدہ جملہ اُچک لیا ہے حالانکہ نووی نے اِس مسئلہ میں نو دس اقوال ذکر کیے ہیں اور پھر اِس کی قطعیت وعدم قطعیت کی بحث بھی چھیڑی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْمَازِرِيُّ : إِخْتَلَفَ النَّاسُ فِي تَفْضِيلِ بَعْضِ الصَّحَابَةِ عَلٰى بَعْضٍ ، فَقَالَتْ طَائِفَةٌ : لَا نُفَاضِلُ بَلْ نُمْسِكُ عَنْ ذٰلِكَ ،وَ قَالَ الْجُمْهُورُ بِالتَّفْضِيلِ ، ثُمَّ إِخْتَلَفُوا فَقَالَ أَهْلُ السُّنَّةِ : أَفْضَلُهُمْ أَبُوبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ ، وَ قَالَ الْخَطَّابِيَّةُ : أَفْضَلُهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ، وَقَالَتِ الرَّاوَنْدِيَّةُ : أَفْضَلُهُمُ الْعَبَّاسُ ، وَقَالَتِ : الشِّيْعَةُ عَلِيٌّ. وَاِتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى أَنَّ أَفْضَلَهُمْ أَبُوبَكْرٍ ، ثُمَّ عُمَرُ ، قَالَ

(1) مطلع القمرین ص ۱۶۰۔

(2) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ص ۷۹۔

جَمْهُورُهُمْ : ثُمَّ عُثْمَانُ ، ثُمَّ عَلِيٌّ ، وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ : بِتَقْدِيمِ عَلِيٍّ عَلَى عُثْمَانَ ، وَالصَّحِيحُ الْمَشْهُورُ: تَقْدِيمُ عُثْمَانَ : قَالَ أَبُو مَنْصُورٍ الْبَغْدَادِيُّ : أَصْحَابُنَا مُجْمِعُونَ عَلَى أَنَّ أَفْضَلَهُمُ الْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَذْكُورِ.

”امام ابو عبد اللہ مازری فرماتے ہیں: لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ پس ایک گروہ نے کہا ہے: ہم ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے بلکہ توقف کرتے ہیں اور جمہور نے تفضیل کا قول کیا ہے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ پس اہل سنت نے کہا ہے: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں، خطابیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تفضیل کا قول کیا ہے، راوندیہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے ہیں اور شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔ اہل سنت کا حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اتفاق ہے۔ جمہور اہل سنت حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہما کو افضل سمجھتے ہیں اور کوفہ کے بعض اہل سنت حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں اور صحیح و مشہور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم ہے۔ ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کا خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی مذکورہ ترتیب کے مطابق افضلیت پر اجماع ہے“۔ (1)

علامہ نووی مزید لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي أَنَّ التَّفْضِيلَ الْمَذْكُورَ قَطْعِيٌّ أَمْ لَا ، وَهَلْ هُوَ

(1) صحیح مسلم بشرح النووي، کتاب فضائل الصحابة ب، ج ۱۵ ص ۲۱۲۔

فِي الظَّاهِرِ وَ الْبَاطِنِ أَمْ فِي الظَّاهِرِ خَاصَّةً . وَ مِمَّنْ قَالَ بِالْقَطْعِ : أَبُوالْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَقَالَ : وَ هُمْ فِي فَضْلٍ عَلٰى تَرْتِيْبِهِمْ فِي الْإِمَامَةِ . وَ مِمَّنْ قَالَ بِأَنَّهُ اِجْتِهَادِيٌّ ظَنِّيٌّ : أَبُوبَكْرٍ الْبَاقِلَانِيُّ. اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ فِي أَنَّ التَّفْضِيلَ هَلْ هُوَ فِي الظَّاهِرِ . أَمْ فِي الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ جَمِيعًا؟.

”علماء میں اختلاف ہے کہ مذکورہ تفضیل قطعی ہے یا نہیں، اور کیا وہ ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں ہے یا ظاہر کے ساتھ خاص ہے۔ جن لوگوں نے قطعی کہا ہے اُن میں ابو الحسن اشعری ہیں، اُنہوں نے کہا ہے کہ اُن کی فضیلت اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے، اور جنہوں نے اجتہادی ظنی کہا ہے اُن میں ابو بکر باقلانی ہیں۔ علماء کا اختلاف ہے کہ آیا تفضیل ظاہر میں ہے یا ظاہر و باطن دونوں میں ہے؟“۔(1)

اِس قدر اقوال میں سے باقی سب کو چھوڑ اگر صرف دو قول ہی لیے جائیں تو اجماع کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے:

۱۔ نووی نے کہا: اہل سنت کا حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اتفاق ہے۔

۲۔ ابو منصور بغدادی نے کہا: ہمارے اصحاب کا خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی مذکورہ ترتیب کے مطابق افضلیت پر اجماع ہے۔

بتائیے! اِن دونوں اجماعوں میں سے کس اجماع پر اجماع پر کیا جائے؟

راقم الحروف پھر کہتا ہے کہ اِن میں سے دونوں قول درست نہیں۔ اِس لیے کہ حضرت

(1) صحيح مسلم بشرح النووي، كتاب فضائل الصحابة، ج ۱۵ ص ۲۱۳، ۲۱۲۔

ابو بکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فضیلت میں لانا قرآن مجید کے خلاف ہے، کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کئی سال بعد اسلام لائے اور پھر اِن تینوں کو فضیلت میں سیدنا علی علیہ السلام پر مقدم کہنا بھی قرآن و سنت دونوں کے خلاف ہے، کیونکہ وہ ایمان، اسلام اور نماز میں سیدہ خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے علاوہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مقدم ہیں۔

مفاضلہ کس کس کے درمیان؟

امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''وَاخْتَلَفَ أَهْلُ السُّنَّةِ بَيْنَ عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ'' (اہل سنت نے سیدنا علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان مسئلہ تفضیل میں اختلاف کیا ہے) یہ بات فقط اُنہوں نے ہی نہیں لکھی بلکہ یہ دوسری بہت سی کتابوں میں بھی مذکور ہے، لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ افضلیت کا معاملہ فقط سیدنا ابو بکر صدیق اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ہے، چنانچہ متعدد اکابر صحابہ، جملہ بنو ہاشم اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتے تھے، جیسا کہ ہم اِس سے قبل باحوالہ نقل کر چکے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بھی یہ اعتراف آچکا ہے کہ اُنہوں نے متعدد مقامات پر لکھا ہے کہ اُمت کا اجماع یا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ہے یا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر۔ علاوہ ازیں اکثر محققین کی کتب میں بھی سیدنا علی و ابو بکر رضی اللہ عنہما کے مابین تفاضل پر بات کی گئی ہے۔ اِسی حقیقت کو

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۴۶۳ھ نے یوں نقل کیا ہے:

وَاخْتَلَفَ السَّلَفُ أَيْضًا فِي تَفْضِيلِ عَلِيٍّ وَأَبِي بَكْرٍ.

''اسلاف کرام کا سیدنا علی و ابو بکر رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں بھی اختلاف ہے''۔ (1)

---

(1) الاستیعاب ج ۲ ص ۵۷۔

اُن سے قبل امام خطابی متوفیٰ ۳۸۸ھ کی عبارت سے بھی یہی حقیقت آشکار ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

كَانَ بَعْضُ مَشَايِخِنَا يَقُولُ : أَبُوبَكْرٍ خَيْرٌ وَعَلِيٌّ أَفْضَلُ.

"ہمارے بعض مشائخ فرمایا کرتے تھے: ابو بکر بہتر ہیں اور علی افضل ہیں رضی اللہ عنہما"۔[1]

علامہ ابن حزم ظاہری نے بھی متعدد اقوال نقل کیے ہیں کہ کون سا صحابی یا تابعی کس صحابی کو سب سے افضل سمجھتا تھا، اور اُن کی عبارت میں جو زوردار مفاضلہ نظر آتا ہے وہ فقط سیدنا علی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہما کے درمیان ہے۔[2]

علامہ ابن حجر مکی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی اسلاف کرام سے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اختلاف ہے۔[3]

لہٰذا یہ لکھنا درست نہیں ہے کہ اختلاف فقط ختنین (سیدنا علی و عثمان رضی اللہ عنہما) کی افضلیت میں ہے اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اجماع ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شیخین کریمین رضی اللہ عنہما یا کسی بھی صحابی کی افضلیت پر اجماع نہیں ہوا۔ اگر دورِ صحابہ میں اجماع ہو چکا ہوتا تو یہ مسئلہ کتاب و سنتِ متواترہ کی تصریحات کی طرح قطعی ہو جاتا۔ چونکہ اجماع پہلے یا بعد میں کبھی ہوا ہی نہیں اس لیے یہ مسئلہ آج تک ظنیت کی حد کو عبور نہیں کر سکا۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

در صواعق می گوید کہ ما اہل سنت وجماعت می گویم کہ مسئلہ

---

(1) معالم السنن شرح سنن أبي داود ج ۴ ص ۲۸۰، وط: ج ۴ ص ۳۰۳۔

(2) الفصل فی الملل والنحل ج ۴ ص ۱۸۱۔

(3) الصواعق المحرقة ص ۵۸، وط: ۱۸۱؛ تکمیل الإیمان ص ۱۵۱، ۱۵۰۔

افضلیت بدیں ترتیب ظنی است۔

”صواعق محرقہ کے فاضل مصنف نے فیصلہ دیا ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ ترتیب خلافت سے افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے“۔[1]

مفتی صاحب نے جس ''المسایرۃ'' کا ناقص حوالہ دیا ہے اُس کی شروح میں بھی اس مسئلہ کو اختلافی اور ظنی تسلیم کیا گیا ہے اور متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ دیکھیے[2]

عصر حاضر میں اس مسئلہ کی عدم قطعیت پر مستقل ایک کتاب لکھی گئی ہے، جس کا نام: ”غایۃ التبجیل وترک القطع فی التفضیل“ ہے۔ یہ کتاب ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء میں متحدہ عرب امارات سے شائع ہوئی۔ خیال رہے کہ مراکش، یمن، شام، مصر اور دوسرے ممالک میں اب تک اہل سنت کی اکثریت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی قائل ہے، حتیٰ کہ وہاں کے اہل حدیث بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔

اجماعِ اُمہ یا اجماعِ صوفیہ؟

حیرت ہے کہ بعض لکھاریوں نے اجماعِ امت کی بجائے فقط اجماع صوفیہ کو بطور حجت پیش کر دیا۔ چنانچہ مفتی عبد العلیم سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

”حجۃ المتاخرین علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اجمع الصوفیة علی تقدیم ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی

---

(1) تکمیل الإیمان فارسی ص ۱۵۶، ومترجم اردو بحواشي اعلی حضرت علیہ الرحمۃ ص ۱۶۶۔

(2) المسامرۃ لابن أبي شریف ص ۲۶۹؛ حاشیة علی المسایرۃ لابن قطلوبغاص ۲۶۹، دار الکتب العلمیة، بیروت، وط: ص ۱۵۷، ۱۵۶۔

رضی اللہ عنہ۔(صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اجماع ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب (امت) پر مقدم پھر عمر پھر عثمان ذوالنورین پھر مولا علی رضی اللہ عنہ"۔(نبراس علی شرح العقائد، ص:۴۹۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ فقط صوفیہ کرام کا اجماع، اجماعِ امت نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ ہے کہ صوفیہ کرام کا اتفاق اِس ترتیب سے خلافت کی حقانیت پر تو ہے مگر افضلیت پر نہیں۔اس پر باحوالہ گفتگو آئندہ پیراگراف کے تحت آرہی ہے۔

مفتی صاحب کی غلط فہمی

اوپر کا پیراگراف علامہ عبدالعزیز پرہاروی مظفر گڑھی (جنوبی پنجاب) کی کتاب "النبراس" سے ہے، جبکہ حسبِ ذیل پیراگراف مفتی سیالوی صاحب نے علامہ برخوردار ملتانی کے حاشیہ سے لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اس اجماع میں سید الصوفیہ الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی، الشیخ نظامی، الشیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال مراد ہیں (کما صرح المحشی الملتانی)

راقم الحروف عرض کرتا ہے: افسوس کہ حضرت مفتی عبدالعلیم سیالوی صاحب زید عمرہ سے علامہ برخوردار ملتانی کی یہ عبارت بوجہ ضعیف العمری پڑھی نہیں جاسکی، مگر تف ہے اُن نام نہاد نوجوان مفتیوں پر جنہوں نے استاذ الاساتذہ کو اس فتویٰ کے لیے استعمال تو خوب کیا مگر اُن کی مدد نہیں کی۔ مفتی صاحب نے علامہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ کی عبارت کا اردو میں جو مفہوم نقل کیا ہے، اُس کے عربی الفاظ اس کے بالکل برعکس ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے علامہ برخوردار ملتانی رحمہ اللہ حاشیہ میں دوسرے نمبر پر لکھتے ہیں:

قَوْلُهٗ: أَجْمَعَ الصُّوفِيَّةُ عَلٰى تَقْدِيْمِ الخ... لَعَلَّ الْمُرَادَ بِالتَّقْدِيْمِ قَدَامَةُ الزَّمَانِيَّةِ. كَمَا صَرَّحَ بِهٖ سَيِّدُ الصُّوفِيَّةِ الشَّيْخُ مُحَيُّ الدِّيْنِ [ابْنِ] عَرَبِي، وَالْأَقْوَالُ الشَّيْخُ نِظَامِيِّ وَالشِّهَابُ السَّهْرَوَرْدِيِّ مُكَذِّبَةٌ لِهٰذَا الْإِجْمَاعِ.

"پرہاروی کا قول: صوفیہ کرام کا تقدیم پر، الخ... شاید تقدیم سے مراد تقدیم زمانی ہے، جیسا کہ سید الصوفیہ شیخ محی الدین ابن عربی نے تصریح فرمائی ہے، اور شیخ نظامی اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اِس اجماع کی تکذیب کرتے ہیں"۔(1)

علامہ پرہاروی کا بے بنیاد دعویٰ

علامہ برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے، واقعی کوئی اجماع نہیں ہوا۔ بھلا جب صحابہ اور اہل بیت کرام ﷺ کا اس افضلیت پر اجماع نہیں ہوا تو پھر بعد کے لوگوں کے اجماع کی کیا حیثیت ہے؟ مفتی صاحب نے جس صاحب کو حجۃ المتأخرین بنا دیا ہے، اُن کے حجۃ المتأخرین ہونے کی حالت یہ ہے کہ اُنہوں نے صوفیہ کے اجماع کا دعویٰ کر دیا، جبکہ حدیث میں فقط اجماعِ امت کو حجت قرار دیا گیا ہے، کسی ایک گروہ کے اتفاق کو اجماع نہیں کہا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں فقط اہل بیت کرام علیہم السلام کے اجماع کو بھی اجماع نہیں مانا جاتا، پھر فقط صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اجماع کی بات کرنا کہاں کی سنیت ہے؟

نیز علامہ پرہاروی کی جو عبارت مفتی صاحب نے نقل فرمائی ہے، وہ امام ابو بکر محمد بن

(1) حاشية ملا برخوردار ملتاني على النبراس ص ۲۹۴۔

اسحاق بخاری کلاباذی متوفّیٰ ۳۸۰ھ کی کتاب "التعرف لمذهب أهل التصوف" سے منقول ہے۔ اصل کتاب دیکھی جائے تو وہاں افضلیت کی بات نہیں ہو رہی بلکہ خلافت کی بات ہو رہی ہے۔ چنانچہ امام کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَرَأَوا الْخِلَافَةَ حَقًّا، وَأَنَّهَا فِي قُرَيْشٍ، وَأَجْمَعُوا عَلىٰ تَقْدِيمِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رضی اللہ عنہم۔

"اور وہ خلافت کو حق سمجھتے ہیں اور اُس کا قریش میں ہونا حق سمجھتے ہیں، اور اُنہوں نے سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی تقدیم پر اجماع کیا ہے"۔(1)

چونکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے منکرین اُن کی خلافت کو کالعدم سمجھتے ہیں اور اپنی اذان میں مولیٰ علی علیہ السلام کے حق میں "وَخَلِيفَتُهُ بِلَا فَصْلٍ" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اسی لیے امام کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت میں صوفیہ کرام کے مذہب کی وضاحت فرمائی ہے، تاہم امام کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ کا ذاتی میلان سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی طرف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنی اِسی کتاب کے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فَقَدْ وَرَدَ الْخَبَرُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ لَمْ يَفْضُلْكُمْ بِكَثْرَةِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ، وَلٰكِنْ فَضَلَكُمْ بِشَيْءٍ وُقِّرَ فِي صَدْرِهِ أَوْ فِي قَلْبِهِ.

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ وہ تم سے صوم وصلاۃ کی کثرت کی وجہ سے افضل نہیں، لیکن اُن کی تم پر فضیلت

(1) کتاب التعرف ص ۳۳۔

اُس چیز کی وجہ سے ہے جو اُن کے سینے یا قلب میں رکھی گئی"۔[1]

لیکن افسوس کہ یہ حدیث نبوی نہیں بلکہ بکر بن عبد اللہ المزنی کا قول ہے، اسے بہت سے صوفیہ نے حدیث گمان کیا ہے مگر اصول حدیث کے ماہرین کے نزدیک یہ حدیث نبوی نہیں ہے، جیسا کہ ہم اِس سے قبل باحوالہ لکھ چکے ہیں۔ سو جس بنیاد پر امام کلاباذی کے عقیدے کی عمارت قائم تھی جب وہ بنیاد ہی منہدم ہو گئی تو عمارت کیونکر قائم رہ سکتی ہے؟

نوٹ

امام کلاباذی نے اپنی ایک اور کتاب میں مشہور حدیث "يا علي إن لك كنزا في الجنة وإنك ذو قرنيها" کی روشنی میں جنت کے اندر سیدنا علی ﷺ کی ایسی بادشاہی کا ذکر کیا ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوگی۔ اس حدیث کی مکمل تشریح کے لیے ہماری کتاب "شرح أسنى المطالب في مناقب علي بن أبي طالب" الطبعة الثانية ص ۱۹۸ تا ۲۰۱ ملاحظہ فرمائیے۔

مظفر گڑھی کی تردید ملتانی سے

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ پرہاروی صاحب نے جو امام کلاباذی کی کتاب "التعرف لمذهب أهل التصوف" سے نقل کیا ہے اُس کا تعلق افضلیت سے نہیں بلکہ خلافت کی ترتیب کی حقانیت سے ہے، اور مفتی صاحب نے محشی ملتانی سے جو نقل کیا ہے، وہ گڈمڈ ہونے کی وجہ سے اُن سے پڑھا ہی نہیں گیا۔ محشی یعنی علامہ برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ پرہاروی کی تائید نہیں کی بلکہ اُن کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اشارۃً جو مختصر تردید فرمائی ہے، یہاں ہم اُس کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے اُن کا یہ قول لیتے ہیں "لعل المراد بالتقديم

(1) کتاب التعرف ص ۵۱۔

قدامة الزمانية''(شاید تقدیم سے مراد تقدیم زمانی ہے"۔اس کی حقانیت شیخ اکبر کے اُس کلام سے عیاں ہوتی ہے جس کا اختصار امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں پیش کیا ہے:

وَ كَانَ الشَّيْخُ مُحيُّ الدِّيْنِ ﷺ يَقُولُ: تَقْدِيمُ أَبِي بَكْرٍ فِي الْفَضْلِ عَلَى عُمَرَ قَطْعِيٌّ، وَ تَقْدِيمُ عُمَرَ عَلَى غَيْرِهِ ظَنِّيٌّ ، قَالَ: وَالَّذِي أَطْلَعَنَا اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ مِنْ طَرِيقِ كَشْفِنَا أَنَّ تَقَدُّمِ شَخْصٍ بِالْإِمَامَةِ عَلَى آخَرٍ إِنَّمَا هُوَ تَقَدُّمٌ بِالزَّمَانِ، وَ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ التَّقَدُّمُ بِالْفَضْلِ ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ قَدْ أَمَرَنَا بِاِتِّبَاعِ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِكَوْنِهِ أَحَقَّ بِهَا مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَإِنَّمَا هُوَ لِتَقَدُّمِهِ بِالزَّمَانِ ، فَإِنَّ لِلزَّمَانِ حُكْمًا فِي التَّقَدُّمِ مِنْ حَيْثُ هُوَ زَمَانٍ، لَا مِنْ حَيْثُ الْمَرْتَبَةِ.

"شیخ محی الدین ﷺ فرمایا کرتے تھے: حضرت ابو بکر ﷺ کی حضرت عمر ﷺ پر تقدیم قطعی ہے اور حضرت عمر ﷺ کی تقدیم دوسروں پر ظنی ہے۔ فرمایا: ہمیں کشفی طور پر اللہ تعالیٰ نے جو آگاہی بخشی ہے وہ یہ ہے کہ امامت میں ایک شخص کا تقدم دوسرے شخص پر محض زمانہ کے تقدم کے باعث ہے، اور اس سے فضیلت میں مقدم ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم فرمایا ہے لیکن اس کا سبب یہ نہیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ سے افضل ہیں، یہ حکم صرف تقدمِ زمانی کے باعث ہے۔ پس زمانہ کے لیے بھی تقدم کا حکم حاصل ہوتا ہے، زمانہ کی جہت سے نہ کہ مرتبہ کی جہت سے"۔[1]

(1) الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۷۶ وط: ص ۴۴۲؛ الکبریت الأحمر بهامشه ج ۲ ص ۹ وط: ص ۳۵۲۔

امام شعرانی کا ایک ناجائز اضافہ

اس عبارت کی ابتدا میں امام شعرانی کا شیخ اکبر کی طرف یہ قول منسوب کرنا کہ وہ فرمایا کرتے تھے ''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تقدیم قطعی ہے''۔ انتہائی سنگین زیادتی ہے۔ شیخ کے کلام میں ہرگز ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے قطعیت کا مفہوم اخذ ہوتا ہو۔ چنانچہ شیخ اکبر باب نمبر تین سو تین [۳۰۳] میں اس موضوع پر کلام کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَبَقَ عِلْمُهُ بِأَنْ يَّجْعَلَهُ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ ، وَكَذٰلِكَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا وَالْحَسَنَ ، وَلَوْ تَقَدَّمَ غَيْرَ أَبِي بَكْرٍ لَمَاتَ أَبُوبَكْرٍ فِي خِلَافَةِ مَنْ تَقَدَّمَهُ، وَ لَا بُدَّ فِي عِلْمِ اللّٰهِ أَنْ يَّكُونَ خَلِيْفَةً . فَتَقَدَّمَهُمْ بِالزَّمَانِ بِأَنَّهُ أَوَّلُهُمْ لُحُوقًا بِالْآخِرَةِ . فَكَانَ سَبَبُ هٰذَا التَّرْتِيْبِ فِي الْخِلَافَةِ تَرْتِيْبُ أَعْمَارِهِمْ. فَلَا بُدَّ أَنْ يَّتَأَخَّرَ عَنْهَا مَنْ يَتَأَخَّرَ مَفَارِقَتَهُ لِلدُّنْيَا لِيَلِي الْجَمِيْعَ ذٰلِكَ الْمَنْصَبُ. وَفَضْلُ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ مَصْرُوفٌ إِلَى اللّٰهِ هُوَ الْعَالِمُ بِمَنَازِلِهِمْ عِنْدَهُ.

''بے شک اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اُن (انبیاء کرام علیہم السلام) کو زمین پر خلیفہ بنائے گا اور اسی طرح حضرات عمر، عثمان، علی اور حسن رضی اللہ عنہم کو بھی، اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے قبل کوئی اور شخص خلیفہ ہو جاتا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُس کے دورِ خلافت میں ہی بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جاتے، اور علم الٰہی میں اُن کا خلافت میں تقدم لازم تھا کیونکہ وہ پہلے آخرت میں جانے والے تھے، پس اُن

کی خلافت کی یہ ترتیب اُن کی عمروں کی ترتیب کے مطابق تھی، پس ضروری تھا کہ جو دنیا چھوڑنے میں متأخر ہو وہ خلافت میں بھی متأخر ہو، تاکہ یہ منصب سب کو ملے، اور اُن میں سے بعض کی بعض پر فضیلت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہی ذات اپنے ہاں اُن کے مراتب کو جانتی ہے"۔[1]

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع کی حکمت میں لکھتے ہیں:

الَّذِي أَمَرَنَا اللّٰهُ أَنْ نَتَّبِعَ مِلَّتَهُ لِتَقَدُّمِهِ فِيهَا لَا لِأَنَّهُ أَحَقُّ بِهَا مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ. فَلِلزَّمَانِ حُكْمٌ فِي التَّقَدُّمِ لَا فِي الْمَرْتَبَةِ كَالْخِلَافَةِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِي كَانَ مِنْ حِكْمَةِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ أَنَّهُ أَعْطَاهَا أَبَابَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ عَلِيًّا بِحَسْبِ أَعْمَارِهِمْ. وَكُلٌّ لَهَا أَهْلٌ فِي وَقْتِ أَهْلِيَّةِ الَّذِي قَبْلَهُ. وَلَا بُدَّ مِنْ وِلَايَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَخَلْعِ الْمُتَأَخِّرِ لَوْ تَقَدَّمَ لَا بُدَّ مِنْهُ. حَتّٰى يَلِي مَنْ لَّا بُدَّ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ فِي سَابِقِ عِلْمِهِ مِنَ الْوِلَايَةِ فَرَتَّبَ اللّٰهُ الْخِلَافَةَ تَرْتِيبَ الزَّمَانِ لِلْأَعْمَارِ حَتّٰى لَا يَقَعُ خَلْعٌ مَعَ الْإِسْتِحْقَاقِ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ مُتَقَدِّمٍ وَ مُتَأَخِّرٍ. وَمَا عَلِمَ الصَّحَابَةُ ذٰلِكَ إِلَّا بِالْمَوْتِ. وَمَعَ هٰذَا الْبَيَانِ الْإِلٰهِيِّ فَبَقِيَ أَهْلُ الْأَهْوَاءِ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ مَعَ إِبَانَةِ الصُّبْحِ لِذِي عَيْنَيْنِ بِلِسَانٍ وَ شَفَتَيْنِ. نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعِصْمَةَ

(1) الفتوحات المکیۃ ج۵ ص ۲۹، وط: ج۵ ص ۲۴۔

مِنَ الْأَهْوَاءِ.

"اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں اُن کی ملت کی اتباع کا حکم فرمایا ہے تو اُن کے زمانے کے تقدم کی وجہ سے فرمایا ہے، نہ کہ اس لیے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ سے زیادہ حقدار تھے، پس زمانہ کی وجہ سے تقدم کا حکم ہے نہ کہ مرتبہ کی وجہ سے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ اُس نے حضرت ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم کو خلافت عطا فرمائی، اُن کی عمروں کے مطابق، اور اُن میں سے ہر ایک اپنے سے پہلے خلیفہ کی خلافت کے وقت میں خلافت کا اہل تھا، اور خلافت ہر ایک کے لیے ضروری تھی، اگر (وفات کے لحاظ سے) متأخر کو پہلے خلیفہ بنادیا جاتا تو (وفات کے لحاظ سے) مقدم شخص خلافت سے رہ جاتا، جبکہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں اُس کی خلافت ناگزیر تھی، پس اللہ تعالیٰ نے خلافت کو عمروں کی زمانی ترتیب کے مطابق کردیا تاکہ اُن میں سے کوئی بھی استحقاق کے باوجود تقدم و تأخر کے باعث خلافت سے رہ نہ جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکمت کو نہ جانا مگر خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کے انتقال سے، پس اس بیانِ الٰہی کے باوجود ہواپرست لوگ اس میدان میں مغزماری کر رہے ہیں، حالانکہ دو آنکھیں، زبان اور ہونٹ رکھنے والے شخص پر صبح کے اجالے کی طرح معاملہ واضح ہے۔ ہم خواہش پرستی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں"۔(1)

قطعیت و ظنیت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ ہی نہیں، چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا گفتگو کی طرح

(1) الفتوحات المکیۃ ج۷ ص ۴۹۸ و ط: ج۷ ص ۴۰۴۔

اسم الٰہی ''الآخِر'' کے تحت بھی گفتگو فرمائی ہے، اور اُس کے آخر میں اپنا نظریہ یوں بیان کیا ہے:

فَمَا قَدَمَ مَنْ قَدَمَ مِنْهُمْ لِكَوْنِهِ أَكْثَرَ أَهْلِيَّةً مِنَ الْمُتَأَخِّرِ مِنْهُمْ فِي نَظَرِيْ . وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''اُن خلفاء میں سے جو پہلے خلیفہ ہوا میری نگاہ میں وہ بعد والے خلیفہ سے زیادہ اہلیت کی وجہ سے مقدم نہیں ہوا، واللہ اعلم''۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ امام شعرانی نے شیخ اکبر کی طرف افضلیتِ صدیقی کی قطعیت کو منسوب کر کے شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ پر ظلم کیا ہے۔ کسی مصنف کی کتاب کی تلخیص یا تشریح کرتے ہوئے اُس سے موافقت یا مخالفت کرنے کا حق تو ہر ایک کو ہے مگر اپنی بات اُس کی طرف منسوب کرنے کا کسی کو کوئی اختیار نہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کا موقف

مفتی صاحب کی عبارت میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی آیا ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں اُنہوں نے انتہائی لچک اور نرمی سے کام لیا، قطعیت سے اجتناب کیا، لوگوں کو بھی اس مسئلہ میں شدت سے اجتناب کی نصیحت فرمائی، تفضیل سے امساک کا حکم فرمایا اور آخر میں نصیحت آمیز انداز میں فرمایا:

وَيَكْفِيكَ فِي الْعَقِيدَةِ السَّلِيمَةِ أَنْ تَعْتَقِدَ صِحَّةَ خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ ﷺ.

''عقیدہ کی سلامتی کے لیے تمہیں اتنا کافی ہے کہ تم سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان

---

(1) الفتوحات المکیۃ ج۸ ص ۲۴، وط: ج۸ ص ۲۱۔

اور علی ؓ کی خلافت کی صحت کا عقیدہ رکھو"۔ (1)

اور یہ وہی بات ہے جو "التعرف لمذهب أهل التصوف" کے حوالے سے بیان ہو چکی ہے۔ نیز یہاں ایک اور مشہور ترین صوفی کا موقف بھی جانتے چلیے۔ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۸۲۵ھ لکھتے ہیں:

"ایک مسئلہ جو زیادہ طول پکڑ گیا ہے وہ صحابہ کرامؓ کی افضلیت کا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عند اللہ جس صحابی کو فضلیت حاصل ہے کسی کو اس کا علم نہیں ہے، بس ہر شخص اپنے اپنے دلائل پیش کرتا ہے لیکن دلائل سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا"۔ (2)

ملا برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ شیخ نظامی کا قول قطعیت کے دعویٰ کی تکذیب کرتا ہے، یقیناً علامہ برخوردار ملتانی کا یہ قول بھی اسی طرح صحیح ہو گا جس طرح اُن کا قول شیخ اکبر اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں صحیح ثابت ہوا، لیکن شیخ نظامی کون تھے؟ مجھے اُن کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں، ورنہ میں اُن کی کتاب کی طرف بھی رجوع کرتا۔

امام الائمہ امام ابو حنیفہ ؓ کے دو قول

جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور کے مفتی عبد العلیم سیالوی صاحب میرے خلاف اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:

"امام الائمہ امام ابو حنیفہ ؓ کا ارشاد گرامی ہے "وأفضل الناس بعد

---

(1) أعلام الهدیٰ للسهروردي ص ۵۳۔

(2) شرح جوامع الكلم ص ۱۹۸۔

النبيين ابوبكر الصديق،ثم عمر بن الخطاب الفاروق ،ثم عثمان بن عفان ذوالنورين ، ثم علی بن ابی الطالب المرتضی رضوان اللہ علیہم اجمعین، عابدین، ثابتین علی الحق و مع الحق نتولا ھم جمیعا.(تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔یہ سب عبادت کرنے والے حق پر اور حق کے ساتھ ثابت رہے ہم ان سب سے محبت کرتے ہیں"۔(متن الفقہ الاکبر مع شرح العلی القاری، ص:٦ مکتبہ رحمانیہ لاہور)"۔

جناب! اس ترتیب سے یہ ایک قول تو ہے مگر اس پر کوئی اجماع نہیں ہوا۔امام صاحب سے اس ترتیب کے برعکس بھی قول منقول ہے۔چنانچہ یہی ملا علی قاری اور امام ابن عبد البر لکھتے ہیں:

وَ رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ رضی اللہ عنہ تَفْضِيلُ عَلِيٍّ عَلَى عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ.

"امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کا قول روایت کیا گیا ہے۔[1]

اگر کوئی صاحب اعتراض کریں کہ یہ قول تو "رُوِيَ" سے ہے جو ضعف پر دلالت کرتا ہے تواُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ مفتی سیالوی کا نقل کردہ مذکورہ بالا قول بھی توبلاسند ہے۔

امام اعظم کے مقابلہ میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول

امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فقہ میں جس صحابی پر سب سے زیادہ اعتماد کیا ہے وہ مولا علی علیہ السلام

(1) شرح الفقۃ الأکبر ص ۲۰۳، ۱۸۷؛ الانتقاء لابن عبدالبر ص ۳۱۴، ۳۱۵۔

کے شاگرد سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷜ ہیں، اور وہ سیدنا علی ﷜ کو تمام اہل مدینہ سے افضل سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا عبد الله، قال: حدثني جدي، قثنا أبو قطن، قثنا شعبة، عن أبي إسحاق، عن عبد الله بن يزيد، عن علقمة، عن عبد الله وهو ابن مسعود. قال: كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّ أَفْضَلَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ.

"سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷜ فرماتے ہیں: "ہم بیان کیا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں افضل علی بن ابی طالب ہیں ﷜"۔(1)

"فضائل الصحابة" کے محقق شیخ وصی اللہ بن محمد عباس نے لکھا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(2)

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک شخص یحییٰ بن سکن ہے، حافظ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے اور صالح جزرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں"۔(3)

---

(1) فضائل الصحابة ج۲ ص ۸۰۲ ح ۱۰۹۷؛ مسند البزار ج۵ ص۵۵ ح۱۶۱۲؛ كشف الأستار ج۳ ص ۱۹۵ ح ۲۵۵۰؛ مختصر زوائد البزار للعسقلاني ج ۲ ص ۳۱۱ ح ۱۹۲۰؛ فتح الباري ج۷ ص ۷۱ ۴؛ الرياض النضرة ج ۴ ص ۱۵۶۔

(2) فضائل الصحابة ج ۲ ص ۸۰۱۔

(3) مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۱۶ وط: ج ۹ ص ۱۵۲ ح ۱۴۶۸۰۔

امام ذہبی نے ان کے بارے میں ایک مقام پر لکھا ہے:

ضَعَّفَهٗ صَالِحٌ جَزْرَةٌ، وَ قَبِلَهٗ غَيْرُهٗ.

"صالح جزرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے اور دوسروں نے قبول کیا ہے"۔[1]

مسند البزار میں حدیث ''مَنْ سَدَّ فُرْجَةً'' کی سند میں یہی راوی یحییٰ بن السکن ہے اور اُس سند کو امام منذری اور حافظ ہیثمی دونوں نے حسن کہا ہے۔[2]

اس سب کے باوجود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں یہ راوی ہی نہیں ہے، لہٰذا حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حکم "مسند البزار" کی سند پر تو لگ سکتا ہے مگر "فضائل الصحابۃ" کی سند پر نہیں لگ سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہے تو پھر اس کو تائید نبوی ﷺ بھی حاصل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اُن کی پسند کو اپنی پسند کا درجہ دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ.

"میں نے اپنی امت کے لیے وہ پسند کر لیا جسے امت کے لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پسند کر لیا"۔[3]

---

(1) المغني في الضعفاء ج ۲ ص ۴۰۲، رقم الترجمۃ ۶۹۷۵۔

(2) مسند البزار ج ۱۰ ص ۱۶۰، ۱۵۹ ح ۴۲۳۲؛ الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۹۱؛ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۰۔

(3) المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۳۱۷ وط: ج ۴ ص ۳۷۸، ح ۵۴۳۸؛ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۷۵؛ المطالب العالیۃ ج ۴ ص ۱۱۳ ح ۴۱۰۱؛ إتحاف الخیرۃ المھرۃ ج ۱ ص ۱۲۲ =

اس حدیث کی ایک سند کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اُن کے حکم کو مقرر رکھا ہے۔

یہاں یہ خیال رہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال ۳۲ھ میں مدینہ مقدسہ میں ہوا، وہ دورِ فاروقی میں کوفہ بھیجے گئے تھے، لہٰذا ماضی استمراری کے ساتھ اُن کے الفاظ ''کُنَّا نَتَحَدَّثُ'' (ہم کہا کرتے تھے) توجہ طلب ہیں کہ وہ کب، کہاں اور کن لوگوں کے سامنے کہا کرتے تھے؟ عقلاً جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ اُنہوں نے کوفہ کے لوگوں کو فرمایا ہوگا، فقط عقلاً ہی نہیں بلکہ نقلاً بھی یہی حقیقت ہے، کیونکہ اس حدیث کے مرکزی راوی سیدنا علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ تابعی اور کوفی ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے لوگوں کے سامنے یہ بات فرمائی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے کس سابقہ دور کی بات دہرائی ہوگی؟ تو یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دورِ فاروقی میں مدینہ معظمہ سے کوفہ بھیجے گئے تھے، لہٰذا اگر حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دورِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں اُن سے اس بات کا وقوع تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بہر حال دورِ فاروقی میں تو اس قول کی صحت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور یہ کم و بیش سیدنا علی علیہ السلام کی خلافت سے بیس بائیس برس قبل کا قول ہو سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلافت دوسرے حضرات کی تھی مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک تمام اہلِ مدینہ سے افضل سیدنا علی علیہ السلام تھے، اور اس کو وہ بیان بھی کرتے تھے۔ لہٰذا اس سے بداہۃً ثابت ہوا کہ اُن کے نزدیک ترتیب افضلیت ترتیب خلافت کے مطابق لازم نہیں تھی۔

پھر اُنہوں نے ''کُنَّا نَتَحَدَّثُ'' (ہم کہا کرتے تھے) جمع متکلم کا صیغہ استعمال فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں منفرد نہیں بلکہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اُن کے ہم نوا

= ح ۹۹؛ مجمع البحرین ج۳ ص ۴۲۵، ح۳۸۳۳؛ المعجم الأوسط ج۷ ص ۷۰، ۶۹؛ کشف الأستار ج۳ ص ۲۴۹؛ الجامع الصغیر ح۴۴۵۸۔

تھے، اور ہم اس سے قبل متعدد صحابہ کرام ﷺ کے اسماء مبارکہ نقل کر چکے ہیں اور علامہ ابن حزم کے حوالہ سے بیس صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں آچکا ہے کہ وہ تفضیلِ مرتضوی کے قائلین تھے اور امام باقلانی کے حوالے سے لکھا جاچکا ہے کہ کثیر صحابہ کرام ﷺ میں تفضیلِ مرتضوی مشہور تھی۔

یقینا امام اعظم امام الائمہ ﷺ تھے مگر...

بلاشبہ سیدنا نعمان بن ثابت المعروف امام اعظم ابو حنیفہ ﷺ تمام لاحقین (بعد والے) فقہاء کرام و محدثین عظام ﷺ کے استاذ ہیں[1] مگر وہ سابقین کے تو امام نہیں تھے۔ ابھی ابھی جن صحابہ کرام ﷺ کے نام گزرے ہیں، کیا امام اعظم اُن کے بھی امام تھے؟ آئندہ سطور میں سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا دوٹوک انداز میں ارشاد آرہا ہے کہ وہ سیدنا علی علیہ السلام کو تمام اولین و آخرین سے افضل سمجھتے تھے۔ فی الجملہ یہ کہ مفتی صاحب کا امام اعظم ابو حنیفہ ﷺ کو امام الائمہ لکھنا بالکل حق ہے، لیکن یہاں جس مقصد کے لیے اُنہوں نے ''إمام الأئمة'' لکھا ہے، اس سے اُن کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا الا یہ کہ اُن کے نزدیک امام اعظم ابو حنیفہ ﷺ اوّلین کے بھی امام ہوں۔

کیا امام حسن اور دوسرے صحابہ ﷺ رافضی تھے؟

مفتی عبد العلیم سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

''حافظ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں ''والحاصل أن

---

(1) اس کی مفصل تحقیق کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری حفظہ اللہ تعالیٰ کی تین جلدوں پر مشتمل کتاب ''إمام أبو حنيفة إمام الأئمة فی الحديث'' کا مطالعہ بہت ہی مفید ثابت ہو گا۔ اس کتاب کی تخریج، تحقیق اور جدید ابواب بندی راقم الحروف نے کی ہے۔

أفضل الناس بعد الأنبياء أبوبكرالصديق ﷺ ---فهوأفضل الاولياء من ا لاولين والاخرين وقد حكى الا جماع على ذلك ولاعبرة بمخالفة الروافض هنالك'' خلاصہ کلام: بے شک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پہلوں اور بعد والے تمام اولیاء کرام سے بھی افضل ہیں۔ اس پر اجماع (امت) منقول ہے اور رافضیوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں "۔ (شرح علی قاری علی الفقہ الاکبر، ص ۶۱ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

مفتی منیب صاحب کی طرف سے جو متفقہ فتویٰ جاری ہوا ہے اُس کے صفحہ نمبر ۲، اور ۳ پر بھی اسی طرح گل افشانی فرمائی گئی ہے، حتیٰ کہ تفضیل کے مسئلہ میں توقف کرنے والے کو بدمذہب اور خارج از اہل سنت اور رافضی لکھا گیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اے جماعتِ علماء! کیوں حق کو چھپاتے ہو؟ اگر عوام کو معلوم نہیں تو کیا تم بھی بے خبر ہو کہ روافض کن لوگوں کو کہا جاتا ہے؟ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ روافض شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے منکرین کو کہا جاتا ہے، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل کے قائلین کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جیسا کہ ہم متعدد حوالہ جات کے ساتھ نقل کر چکے ہیں۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کا قول تو ابھی ابھی گزرا ہے۔ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عقیدہ تھا، اُنہوں نے چالیس ہجری میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے اوّلین خطبہ خلافت میں ارشاد فرمایا تھا:

لَقَدْ كَانَ فِيْكُمْ بِالْأَمْسِ رَجُلٌ مَا سَبَقَهُ الْأَوَّلُوْنَ وَلَا يُدْرِكُهُ الْآخِرُوْنَ.

"کل تم میں ایک ایسا شخص تھا جس کے مرتبہ کو اوّلین پہنچے اور نہ آخرین پہنچیں گے"۔[1]

ہر چند کہ ہر ایسی حدیث اور اثر کی تحقیق کے درپے ہونا عبث ہے، اِس لیے کہ بعض ہندی علماء نے حکم صادر فرمایا ہے کہ تفضیلِ صدیقی قطعی ہے اور اُس کے خلاف اگر صحیح حدیث بھی آجائے تو اُس کی تاویل کی جائے ورنہ اُس کو مسترد کر دیا جائے، تاہم جن لوگوں کو احادیث و آثار کا لحاظ ہے اُن کے لیے ہم اِس حدیث کا مختصر حکم پیش کر رہے ہیں۔

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: امام احمد نے یہ حدیث اختصاراً روایت کی ہے اور اُن کی سند، مسند البزار کی بعض اسناد اور طبرانی کی سند حسن ہے۔[2]

دکتور علی محمد الصلابي اور "فضائل الصحابة" کے محقق شیخ وصی اللہ نے لکھا ہے: اس کی سند صحیح ہے۔[3]

دکتور سعود بن ناصر کے نزدیک ابن سعد کی سند حسن ہے اور مسند ابی یعلیٰ کی سند حسن لغیرہ ہے۔[4]

---

(1) السنن الكبرى للنسائي ج٧ص ٤١٦ ح٨٣٥٤وط: ج ٥ص ١١٢ ح ٨٤٠٨؛ صحيح ابن حبان ج ١٥ ص ٣٨٣ ح٦٩٣٦ وط: ج ٩ ص ٤٥ ح٦٨٩٧؛ مسند أهل البيت للأحمدص ٢٨، ٢٧ ح ٣، ٢؛ مسندأحمدج ١ص ١٩٩ ح١٧٢٠، ١٧١٩؛ الزهد للأحمد ص ١٩٥ ح ٧٠٩؛ فضائل الصحابة ج ١ص ٦٧٤ ح ٩٢٢ وج ٢ص ٧٣٧ ح١٠١٣؛ مسند أبي يعلى ج ١٢ ص ١٢٥ ح٦٧٥٨۔

(2) مجمع الزوائدج ٩ص ١٤٦ ح١٤٧٩٨۔

(3) أسمى المطالب للصلاّبي ص ٩٦٥؛ خامس الخلفاء الراشدين أمير المؤمنين الحسن بن علي بن أبي طالب، للصلاّبي ص ١٧٢؛ فضائل الصحابة ج ١ ص ٦٧٤ وج ٢ ص ٧٣٧۔

(4) تحقيق: المطالب العالية ج١٨ ص ٢٤٣، ٢٤٢۔

امام سندھی، شیخ احمد شاکر، شیخ محمد عوامہ اور شعیب الأرنؤوط نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔(1)

حدیث پر حکم لگانے میں متشدد شیخ احمد میرین بلوشی اور دکتور دانی بن منیر نے بھی اس کو شواھد کے ساتھ حسن قرار دیا ہے۔(2)

معلوم ہوا کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ افضلیتِ مرتضوی ﷺ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزم ظاہری اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

كَانَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُفَضِّلَانِ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عَلَىٰ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَعُمَرَ.

”سیدنا عمار بن یاسر اور امام حسن بن علی سیدنا علی بن ابی طالب کو سیدنا ابو بکر اور عمر ﷺ پر فضیلت دیتے تھے“۔(3)

بتلایئے! کیا یہ سب حضرات رافضی، بدعتی، خارج از اہل سنت اور مستحقینِ عذاب تھے؟

جس ہستی کے ردّ عمل میں رافضی گروپ وجود میں آیا اُن کا اپنا موقف؟

قارئین کرام کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ سیدنا علی ﷺ کو سب صحابہ کرام ﷺ سے افضل سمجھنا رفض تو کیا معروف اصطلاح کے مطابق تشیع بھی نہیں، کیونکہ افضلیتِ مرتضوی

---

(1) حاشية: مسند أحمد للسندهي ج ۲ ص ۹۷، مسند أحمد بتحقيق أحمد شاكر ج ۲ ص ۳۴۴؛ تحقيق: المصنف لابن أبي شيبة ج ۱۷ ص ۱۲۴؛ مسند أحمد بتحقيق الأرنؤوط ج ۳ ص ۲۴۶، ۲۴۷۔

(2) خصائص علي بتحقيق البلوشي ص ۴۶، وبتحقيق الداني ص ۳۴۔

(3) الفصل لابن حزم ج ۴ ص ۲۰۹۔

کثیر صحابہ کرام اور اہل بیت کرام علیہم السلام کا موقف تھا اور وہ شیعہ تھے اور نہ ہی رافضی، البتہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے اظہارِ براءت یعنی اُن کی فضیلت تو کیا اُنہیں ماننے سے ہی انکار کرنا رفض ہے۔ اِس لیے کہ جن لوگوں کے لیے لفظِ رفض بطورِ اصطلاح شروع ہوا تھا اُنہوں نے سیدنا زید بن علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے براءت کا اظہار فرمائیں۔ امام زید بن زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تھا: وہ میرے جد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر تھے، میں اُنہیں کیوں چھوڑوں؟ اس پر اُن لوگوں نے کہا تھا: ''نَحْنُ نَرْفُضُكَ'' (ہم آپ کو چھوڑ دیں گے) امام پاک نے فرمایا: بصد شوق۔ اس پر اُنہوں نے سیدنا زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا تھا تو رافضی قرار پائے تھے۔ چنانچہ لغت کے مشہور امام علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی اور دوسرے حضرات نے اِس لفظ کے لغوی معنی کے ساتھ ساتھ رافضیوں کی اصل وجہ تسمیہ اور تاریخ بھی بیان کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَالرَّوَافِضُ : كُلُّ جُنْدٍ تَرَكُوا قَائِدَهُمْ . وَالرَّافِضَةُ : الْفِرْقَةُ مِنْهُمْ ، وَفِرْقَةٌ مِنَ الشِّيْعَةِ بَايَعُوا زَيْدَ بْنَ عَلِيٍّ ، ثُمَّ قَالُوا لَهُ : تَبَرَّأْ مِنَ الشَّيْخَيْنِ ،فَأَبَىٰ وَ قَالَ : كَانَا وَزِيْرَيْ جَدِّيْ ، فَتَرَكُوهُ وَ رَفَضُوهُ، وَارْفَضُّوا عَنْهُ . وَالنِّسْبَةُ :رَافِضِيٌّ.

”ہر وہ لشکر جو اپنے قائد کو چھوڑ دے تو وہ روافض ہیں۔ رافضہ اُن میں سے ایک فرقہ ہے، اور شیعہ کا ایک فرقہ ہے جنہوں نے امام زید بن امام زین العابدین علیہ السلام کی بیعت تھی پھر اُنہوں نے اُن سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے براءت کا اظہار فرمائیں تو امام نے انکار کرتے ہوئے فرمایا تھا: وہ دونوں میرے جد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر تھے۔ اِس پر اُنہوں نے امام کو چھوڑ دیا تھا اور

اُن سے الگ ہو گئے تھے۔ رفض سے منسوب کو رافضی کہتے ہیں"۔(1)(2)

ایک طرف سیدنا زید بن علی کی شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ محبت و تعظیم تھی، جبکہ دوسری طرف اُن کا مسئلہ تفضیل میں عقیدہ یہ تھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَفْضَلَ الصَّحَابَةِ.

"سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ تھے"۔(3)

لہٰذا جو شخص سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرح شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی

---

(1) القاموس المحيط ص ٨٣٠؛لسان العرب ج٥ ص ٢١٧؛تاج العروس ج١٠ ص ٦٢ ؛لغات الحديث ج٢ ص ١٣٣؛ المنتظم لابن الجوزي ج٧ ص ٢١٠، ٢١١۔

(2) یہاں یہ خیال ضرور رہے کہ اُس وقت جن لوگوں نے امام زید کو چھوڑا نہیں تھا بلکہ امام کی پیروی کی تھی اور جنگ میں اُن کا ساتھ دیا تھا وہ روافض نہیں بلکہ زیدیہ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ امام ذہبی اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں: "فَمِنْ ثَمَّ قِيلَ لَهُمُ الرَّافِضَةُ . وَأَمَّا الزَّيْدِيَّةُ فَقَالُوا بِقَوْلِهِ وَحَارَبُوا مَعَهُ. ("پس اِسی وجہ سے اُنہیں رافضی کہا گیا، اور رہے زیدیہ تو اُنہوں نے امام کے قول کی موافقت کی تھی اور اُن کی معیت میں جنگ بھی کی تھی"۔(سير أعلام النبلاء للذهبي ج٥ ص ٣٩٠؛تاريخ دمشق ج١٩ ص ٤٦٤؛البداية والنهاية ج١٠ ص ١٧٨؛ كتاب البدء والتاريخ للمطهر بن طاهر المقدسي ج٦ ص ٥٠؛الإمام زيد لأبي زهرة ص ٦٢)

جو لوگ زیدیہ اور روافض یا زیدیہ اور شیعہ کو گڈمڈ کر دیتے ہیں اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ زیدیہ وہ ہیں جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی خلافت کو برحق سمجھتے ہیں، اُن سے براءت کا اظہار نہیں کرتے اور اُن کی مکمل تعظیم کرتے ہیں، جبکہ روافض شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی تعظیم کرتے ہیں اور نہ ہی اُنہیں تسلیم کرتے ہیں۔ زیدیہ مذہب، اُن کی فقہ، اُن کی کتبِ تفسیر اور اُن کی کتبِ حدیث کا اِسی طرح ذخیرہ موجود ہے جس طرح دوسرے مذاہبِ اسلامیہ کا موجود ہے اور آج بھی بعض ممالکِ اسلامیہ کی اکثریت اُن کی پیروکار ہے۔

(3) الملل والنحل للشهرستاني ص ١٨٠؛الإمام زيد لأبي زهرة ص ٨٣۔

عظمتوں کا معترف ہو اور اُنہیں وزرائے مصطفی ﷺ سمجھتا ہو، اُسے رافضی کہنے سے پہلے سو بار غور وفکر کر لینا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنا ہی بیڑا غرق ہو جائے۔ خوب ذہن نشین رہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا زید بن علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے، اُن کے حامی تھے اور اُن ہی کی حمایت کی پاداش میں جیل میں شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:

وَكَانَ أَبُوحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَيْعَتِهِ ، وَمِنْ جُمْلَةِ شِيْعَتِهِ حَتّٰى رَفَعَ الْأَمْرُ إِلَى الْمَنْصُوْرِ ، فَحَبَسَهُ حَبْسَ الْأَبَدِ حَتّٰى مَاتَ فِي الْحَبْسِ.

"اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اُن کی بیعت پر تھے اور اُن کے پیروکاروں میں سے تھے، یہاں تک کہ یہ بات منصور تک پہنچی تو اُس نے اُنہیں تاحیات قید کر دیا حتیٰ کہ وہ قید ہی میں شہید ہو گئے"۔[1]

بعض مؤرخین کا باطل قول

حافظ ابن کثیر نے سیدنا امام زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے حالات میں اُن کی اور روافض قرار پانے والے لوگوں کی مکمل گفتگو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

فَلِهٰذَا سُمُّوا الرَّافِضَةَ يَوْمَئِذٍ ، وَمَنْ تَابَعَهُ مِنَ النَّاسِ عَلٰى قَوْلِهِ سُمُّوا الزَّيْدِيَّةَ، وَ غَالِبُ أَهْلِ الْكُوفَةِ مِنْهُمْ رَافِضَةٌ ، وَغَالِبُ أَهْلِ مَكَّةَ إِلَى الْيَوْمِ عَلٰى مَذْهَبِ الزَّيْدِيَّةِ ، وَفِي مَذْهَبِهِمْ حَقٌّ وَهُوَ تَعْدِيْلُ الشَّيْخَيْنِ ، وَبَاطِلٌ وَ هُوَ اِعْتِقَادُ تَقْدِيْمِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا ، وَلَيْسَ عَلِيٌّ مُقَدَّمًا عَلَيْهِمَا.

---

(1) الملل والنحل للشهرستاني ج ۱ ص ۱۵۸۔

”پس اس وجہ سے وہ اسی دن رافضیت سے موسوم ہوئے، لوگوں میں سے جنہوں نے اس قول پر اُن کی پیروی کی وہ زیدیہ کہلائے، اُن میں سے اہل کوفہ کی غالب اکثریت رافضی ہے، اور اہل مکہ کی غالب اکثریت آج تک مذہب زیدیہ پر قائم ہے، اور اُن کے مذہب میں ایک بات حق ہے اور وہ ہے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو عادل کہنا، اور دوسری بات باطل ہے اور وہ ہے اُن کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر (فضیلت میں) مقدم سمجھنا“۔[1]

حافظ ابن کثیر کا تعدیل شیخین کریمین کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھنے کے مذہب کو باطل کہنا ہی باطل و مردود ہے۔ اکثر نام نہاد سنی بلا دلیل ایسے باطل اقوال سے ہراساں کرتے اور مذہبی رعب ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی ناپاک اور سنگین جرأت ہے، کیا اِن لوگوں کے اِس باطل قول پر اعتماد کر کے اُن بیسیوں صحابہ، جملہ بنو ہاشم، اہل کساء علیہم السلام اور سینکڑوں تابعین عظام رضی اللہ عنہم جن کا ذکر کچھ پہلے آ چکا ہے، اور کچھ آگے آ رہا ہے، کو مذہبِ باطل پر سمجھ لیا جائے، اور حافظ ابن کثیر متوفّیٰ ۷۷۴ھ تک اہل مکہ کی غالب اکثریت کو بھی باطل پر سمجھا جائے؟ حافظ ابن کثیر نے جو تفضیل مرتضوی کو باطل مذہب کہا، یہ امام زید بن علی اور اُن کے جملہ آباء و اجداد رضی اللہ عنہم کا مذہب تھا اور وہ مذہب عند اللہ باطل نہیں تھا۔ سیدنا امام زید بن علی علیہ السلام کا سیدنا علی علیہ السلام کو افضل الصحابہ سمجھنا کوئی ڈھکا چھپا مذہب نہیں تھا لیکن اِس کے باوجود سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اُن کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے تھے اور اُن کے پیروکاروں میں سے تھے، جیسا کہ ہم ابھی ابھی لکھ چکے ہیں اور امام صاحب کی وفات بھی جیل کے اندر اِسی عقیدہ پر ہوئی تو کیا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر سمجھا جائے؟

---

(1) البداية والنهاية ج ۱۰ ص ۱۷۸، مطبوعة قطر۔

حافظ ابن کثیر شافعی، اُن کے شیخ علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے استاذ بھائی علامہ ابن قیم حنبلی مبشرات ومنامات کے نہ صرف یہ کہ قائلین میں سے تھے بلکہ اُنہوں نے اپنے ممدوحین کی شان میں مبشرات وخواب ذکر بھی کیے ہیں۔ یہاں ہم حافظ ابن کثیر اور اُن کی طرح تفضیل مرتضوی کو مذہبِ باطل قرار دینے والوں کے سامنے سیدنا زید بن علی علیہ السلام کا وہ مقام ومرتبہ بیان کرنا چاہتے ہیں جس کی گواہی اُن لوگوں نے دی جو اُن کے ہم عصر تھے، یعنی ایک سو بائیس [۱۲۲] ہجری کے اسلاف کرام، کیونکہ اسی سال سیدنا زید بن علی علیہ السلام شہید ہوئے تھے۔

مولیٰ علی علیہ السلام کو افضل الصحابہ سمجھنے والوں کا عند اللہ رُتبہ

اس تفضیلی مگر شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی خلافت کو برحق تسلیم کرنے والے امام کا عند اللہ رتبہ کیا تھا؟ ذرا غور سے پڑھیے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بعض مسائل میں مشہور اُموی اور ظالم بادشاہ ہشام بن عبد الملک کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اگر ہشام سے ثبوت ہوتا بھی تو اُس کا قول وفعل کیا حجت تھا، وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام باقر کے بھائی سیدنا امام زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کو شہید کرایا، سولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کہ نعش مبارک کو دفن نہ ہونے دیا، برسوں سولی پر رہی، جب ہشام مر گیا تو نعش مبارک دفن ہوئی، ان برسوں میں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے تھے، قریب تھا کہ بے ستری ہو، اللہ عزوجل نے مکڑی کو حکم فرمایا کہ اُس نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ بجائے تہبند ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض صالحین نے دیکھا کہ امام مظلوم زید

شہید ﷺ کی سولی سے پشتِ اقدس لگائے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں: یہ کچھ کیا جاتا ہے میرے بیٹوں کے ساتھ؟ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم"۔(1)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

ذَكَرَ أَبُو بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ وَجَمَاعَةٌ مِنَ الْأَخْبَارِيِّينَ أَنَّ زَيْدًا أَقَامَ مَصْلُوبًا خَمْسَ سِنِينَ عُرْيَانًا. فَلَمْ يَرَ أَحَدٌ لَهُ عَوْرَةً سِتْرًا مِنَ اللّٰهِ ﷻ لَهُ.

"امام ابو بکر بن عیاش اور مورخین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا زید ﷺ پانچ سال تک برہنہ حالت میں سولی پر لٹکے رہے، لیکن کوئی شخص اُنہیں برہنہ نہ دیکھ سکا، اُن کی عظمت کی خاطر اللہ ﷻ کی جانب سے حجاب حائل ہو گیا تھا"۔(2)

امام ابن عساکر لکھتے ہیں:

"سیدنا زید بن علی علیہ السلام کی سولی کے تختہ کا رُخ دریائے فرات کی طرف کیا گیا، صبح ہوئی تو تختے کا رُخ قبلہ کی جانب ہو گیا تھا اور ایسا کئی بار ہوا"۔(3)

(1) فتاوی رضویہ ج۵ ص ۴۱۰؛تهذيب الكمال ج۱۰ ص۷۸؛تاريخ دمشق ۱۹ ص ۴۷۹، ۴۸۰؛مختصر تاريخ دمشق ج۹ص ۱۵۹؛تاريخ الإسلام للذهبي ج۸ ص ۱۰۶؛ سير أعلام النبلاء ج۵ص ۳۹۰؛تذهيب تهذيب الكمال للذهبي ج۳ص۳۵۷؛الوافي بالوفيات للصفدي ج ۱۵ ص ۲۲؛مقاتل الطالبين ص ۱۳۹ ؛تهذيب التهذيب ج ۲ ص ۵۵۵ ؛بغية الطلب لابن العديم ج ۹ ص ۴۰۳۴۔

(2) وفيات الأعيان ج۶ ص ۱۱۱۔

(3) تاريخ دمشق لابن عساكر ج ۱۹ ص ۴۷۹؛مختصر تاريخ دمشق ج ۹ ص ۱۵۹۔

اللہ ﷻ کی بارگاہ میں اُن کی اسی عظمت کے پیشِ نظر اُس دَور کے صلحاء اور عبادت گزار لوگ اُن کی سولی کے مقام کے پاس آکر عبادت و دعا کرنے لگے۔ چنانچہ امام ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كَانَ مِنْ أَفَاضِلِ أَهْلِ الْبَيْتِ وَعُبَّادِهِمْ، قُتِلَ بِالْكُوفَةِ سَنَةَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ وَمِائَةٍ، وَصُلِبَ عَلَى خَشَبَةٍ، فَكَانَ الْعُبَّادُ يَأْوُونَ إِلَى خَشَبَتِهِ بِاللَّيْلِ يَتَعَبَّدُونَ عِنْدَهَا، وَيَبْقَى ذٰلِكَ الرَّسْمُ عِنْدَهُمْ بَعْدَ أَنْ حَدَرَ عَنْهَا، حَتَّى قَلَّ مَنْ قَصَدَهَا لِحَاجَةٍ فَدَعَا اللّٰهَ عِنْدَ مَوْضِعِ الْخَشَبَةِ إِلَّا اسْتُجِيبَ لَهُ.

”وہ اہل بیت کے برگزیدہ علماء اور عبادت گزاروں میں سے تھے، اُنہیں کوفہ میں ۱۲۲ھ میں شہید کرکے سولی پر لٹکا گیا تو عبادت گزار لوگ اُن کے تختۂ دار کے قریب آکر عبادت کرنے لگے، اور یہ دستور اُن کے جسم اقدس کو وہاں سے ہٹائے جانے کے بعد بھی قائم رہا، حتی کہ جب بھی کسی کو کوئی حاجت پیش آتی تو وہ سولی کے مقام پر آکر دعا مانگتا تو اس کی دعا قبول ہو جاتی“۔(1)

اِس قدر قدیم ائمہ اہل سنت کی عبارات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ حافظ ابن کثیر کا سیدنا امام زید علیہ السلام کے تفضیلِ مرتضوی کے قول پر اعتراض کرنا لغو، مردود اور باطل ہے۔

امام زید بن علی علیہما السلام بعض مفتیان کے فتویٰ کی زد میں

ایک طرف فرزندِ امام زین العابدین، اُستاذ امام اعظم ابو حنیفہ سیدنا امام زید بن علی علیہما السلام کے متعلق اسلاف کرام کے مذکورہ بالا فرامین رکھئے اور دوسری طرف مفتی منیب صاحب کی یہ تحریر رکھئے:

(1) مشاهير علماء الأمصار لابن حبان ص ۶۳، ۶۲، وط: ص ۱۸ رقم الترجمة ۴۲۵۔

"افضلیتِ صدیقِ اکبر ؓ پر اہل سنت و جماعت کا اجماع و اتفاق ہے، جسے تسلیم کیے بغیر کوئی شخص ہر گز ہر گز اہل سنت و جماعت سے نہیں ہو سکتا، اگر چہ وہ اپنے آپ کو سنی کہتا پھرے، اس کے کہنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ اس عقیدے کا منکر رافضی، بد دین، مستحق عذابِ نار ہے"۔(1)

اِس کو کیا کہیے گا کہ مفتی صاحب آج جن تفضیلِ مرتضوی کے قائلین پر جہنمی ہونے کا فتویٰ ٹھوک رہے ہیں وہ تیرہ سو سال قبل جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور اہل اسلام اُن کے وسیلے سے دارین کی خیر بھی پا رہے ہیں۔ مفتی صاحب! آپ یا جن کے الفاظ آپ نے نقل کیے ہیں آپ دونوں کے کہنے سے کچھ نہیں بنے گا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ورق سیاہ کرنے سے بہت پہلے سیدنا زید بن علی علیہ السلام ایسے تفضیلی کو اپنے انعام و اکرام سے نواز چکا ہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وسیلہ ایک تفضیلی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ چچا جن کے وسیلہ سے فاروقِ اعظم ؓ بارش مانگتے تھے، اُن کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

فَأَمَّا الْعَبَّاسُ فَمَاتَ وَعَلِيٌّ عِنْدَهُ أَفْضَلُ الصَّحَابَةِ.

"سیدنا عباس ؓ کا وصال اس حال میں ہوا کہ سیدنا علی ؓ اُن کے نزدیک افضل الصحابہ تھے"۔(2)

کیا افضلیتِ مرتضوی کا قول رافضیت ہے؟

---

(1) افضلیت صدیق اکبر ؓ، علمائے اہل سنت کا متفقہ فتویٰ، للمفتي منیب ص ۳۔

(2) تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۹۲۔

اس سے قبل سیدنا سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، خباب بن ارت، جابر بن عبد اللہ، ابو سعید خدری اور زید بن ارقم کے اسماء گزر چکے ہیں اور اب سیدنا عباس بن عبد المطلب سیدنا ابن مسعود، امام حسن، سیدنا عمار بن یاسر اور سیدنا زید بن علی ﷺ کے اسماء مبارکہ تفضیل مرتضوی کے قائلین میں آئے ہیں۔ شیخ ابو زہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ ایسے متعدد صحابہ کرام ﷺ کے اسماء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَيَظْهَرُ أَنَّ الشِّيْعَةَ لَيْسُوا وَحْدَهُمُ الَّذِيْنَ كَانُوا يَرَوْنَ تَفْضِيلَ عَلِيٍّ ﷺ عَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ، بَلْ إِنَّ بَعضَ السَّابِقِيْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ كَانَ يَرٰى ذٰلِكَ.

"اس سے ظاہر ہوا کہ فقط شیعہ ہی تمام صحابہ کرام ﷺ پر سیدنا علی علیہ السلام کی تفضیل کے قائل نہیں بلکہ سابقین صحابہ کرام ﷺ میں سے بھی بعض یہی رائے رکھتے تھے"۔

اس کے بعد انہوں نے مذکور الصدر اسماءِ صحابہ کے علاوہ یہ اسماء بھی لکھے ہیں:

"ابی بن کعب، حذیفہ بن یمان، خزیمہ بن ثابت، بریدہ بن حصیب، ابو ایوب، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابو الہیثم انصاری، ابو الطفیل عامر بن واثلہ۔

پھر لکھا ہے:

وَالْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَبَنُوهُ، وَبَنُو هَاشِمٍ كَافَّةً.

"سیدنا عباس بن عبد المطلب اور اُن کی پوری اولاد اور تمام کے تمام بنو ہاشم"۔[1]

---

(1) الإمام أبو حنيفة لأبي زهرة مصري ص ١٢٣، ١٢٢۔

یہ سب وہ حضرات ہیں جو بالترتیب خلفاء ثلاثہ ﷺ کی خلافت کی حقانیت کے قائل تھے مگر سیدنا علی ﷺ کو تمام صحابہ سے افضل کہتے اور سمجھتے تھے۔ فرمایئے! کیا یہ سب رافضی تھے؟ اگر نہیں تھے تو پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے دعویٰ ''وَ قَدْ حَکَی الْإِ جْمَاعَ عَلٰی ذٰلِکَ'' کی کیا حیثیت باقی رہ گئی؟ البتہ یہ ایسا اجماع ہو سکتا ہے جیسا کہ صاحب ھدایہ نے امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھا:

وَعَلَیْہِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ.

''اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے''۔(1)

ظاہر ہے کہ یہ دعوائے اجماع درست نہیں ہے، کیونکہ کثیر روایات میں منقول ہے کہ بہت سے صحابہ کرام ﷺ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھا کرتے تھے اور پڑھنے کا حکم کرتے تھے۔ مثلاً حضرات عمر، علی، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، عبد اللہ بن مسعود، ابن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عمرو، ابو ھریرہ، ام المومنین عائشہ، ابو سعید خدری، جابر بن عبد اللہ، ابو الدرداء، انس بن مالک، عمران بن حصین اور عبد اللہ بن مغفل وغیرھم ﷺ۔ یہ سترہ [۱۷] صحابہ کرام ہیں جن کی روایات کو ہم نے فقط ایک کتاب میں دیکھا ہے۔ اگر تحقیق کی جائے تو مزید اسماء و روایات بھی ضرور ملیں گی۔ ایسی ہی روایات کے پیشِ نظر غیر احناف کے ہاں امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس پر باقاعدہ فقہی مذاہب ہیں اور اُن کے پیروکار موجود ہیں لیکن حیرت ہے کہ اِس کے باوجود صاحبِ ھدایہ نے فاتحہ خلف الامام کی نفی پر دعوائے اجماع کر دیا۔

خود حنفی حضرات نے امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس دعویٰ سے اختلاف کیا ہے اور کہا

---

(1) الهداية شرح بداية المبتدي ج ۱ ص ۵۶؛ فتح القدير في شرح الهداية ج ۱ ص ۳۴۶۔

ہے کہ اَسّی [۸۰] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قراءت خلف الامام کرتے تھے، لہٰذا اکثرت کو اجماع کہہ دیا گیا۔

سو جس طرح امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۸۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فاتحہ خلف الامام کے قائلین ہونے کے باوجود قراءت خلف الامام کی نفی پر اجماع کا دعویٰ کر دیا ہے اسی طرح تفضیل صدیق کے قائلین بھی اُن کی تفضیل کی قطعیت پر اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں اور یہ پروا نہیں کرتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت، خلقِ کثیر، بیسیوں صحابہ واہل بیت کرام رضی اللہ عنہم تفضیلِ مرتضوی کے قائل تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کا فاتحہ خلف الامام کی نفی پر دعوائے اجماع خلافِ واقعہ ہے اسی طرح اُن تفضیلیوں کا دعویٰ بھی خلافِ واقعہ ہے جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل پر اجماع کے مدعی ہیں۔

ملا علی قاری نے جس اجماع کی حکایت کی ہے وہ بھی ایسا ہی ہے، چنانچہ آگے چل کر اُنہوں نے خود ہی ایسے اجماع کی تردید کر دی ہے۔ وہ ایک مقام میں لکھتے ہیں:

وَتَفْضِيلُ أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ رضي الله عنهما مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ بَيْنَ أَهْلِ السُّنَّةِ ، وَهٰذَا التَّرْتِيبُ بَيْنَ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رضي الله عنهما ، هُوَ مَا عَلَيْهِ أَكْثَرُ أَهْلِ السُّنَّةِ.

”سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تفضیل پر اہل سنت کے مابین اتفاق ہے، اور اکثر اہل سنت کے مطابق یہی ترتیب عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے مابین بھی ہے“۔(1)

اس عبارت میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی و عثمان رضی اللہ عنہما کی ترتیبی تفضیل کو اکثر اہل سنت کا مذہب کہا ہے جبکہ سیدنا ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کی ترتیبی تفضیل کو تمام اہل سنت کا مذہب کہا ہے، اور یہ دونوں قول درست نہیں ہیں۔ پہلا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ بیس سے زائد صحابہ اور

(1) شرح الفقه الأكبر ص ۱۸۷، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

تمام بنو ہاشم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل نہیں تھے۔ دوسرا قول اس لیے درست نہیں ہے کہ اہل سنت کے درمیان مسئلۂ تفضیل فقط سیدنا ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما کے مابین چلتا ہے، جیسا کہ امام رزای رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے، لہٰذا یہ اجماع کیونکر ہوا؟

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مقام پر بھی بعض اکابر کی جانب سے دعوائے اجماع نقل کیا اور پھر خود ہی اس کی تردید فرما دی۔ وہ لکھتے ہیں:

فَقَالَ أَبُومَنْصُورِ الْبَغْدَادِيُّ مِنْ أَكَابِرِ أَئِمَّةِ الشَّافِعِيَّةِ : أَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى أَنَّ أَفْضَلَ الصَّحَابَةِ أَبُو بَكْرٍ فَعُمَرُ فَعُثْمَانُ فَعَلِيٌّ.

"اکابر ائمہ شافعیہ میں سے ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں: اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام میں افضل سیدنا ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں"۔[1]

اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَعَلَّهُ أَرَادَ بِالْإِجْمَاعِ إِجْمَاعَ أَكْثَرِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ ، لِأَنَّ الْإِخْتِلَافَ وَاقِعٌ بَيْنَ عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ رضی اللہ عنہما .

"شاید امام ابو منصور نے اجماع سے اکثر اہل سنت و جماعت کا اجماع مراد لیا ہے، کیونکہ سیدنا علی و عثمان رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اختلاف واقع ہے"۔[2]

(1) شرح الفقه الأكبر ص ١٨٧، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

(2) شرح الفقه الأكبر ص ٣٤٤۔

ملا علی قاری نے ایک اور مقام پر خلفاء اربعہ ﷺ کی خلافتِ بیعت پر کلام کے ضمن میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تفضیل کو ظنی کہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ثُمَّ وَقَعَ الۡاِتِّفَاقُ عَلٰى خِلَافَةِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ. لٰكِنۡ تَفۡضِيلُهُ فِي زَعۡمِي ظَنِّيٌّ إِلَّا أَنَّهُ قَوِيٌّ لَمۡ يَخۡتَلِفۡ فِيهِ سُنِّيٌّ .

"پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہوا، لیکن میرے خیال میں اُن کی تفضیل ظنی ہے مگر قوی ہے، کسی سنی نے اُس میں اختلاف نہیں کیا"۔[1]

تعجب ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی کہہ دیا کہ کسی سنی نے اختلاف نہیں کیا، جبکہ موصوف اپنی بعض کتب میں بقلمِ خود مسئلہ افضلیت میں مختلف مذاہب نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَهٰذَا الۡاِخۡتِلَافُ بَيۡنَ هٰذِهِ الطَّوَائِفِ الۡإِسۡلَامِيَّةِ دَلِيلٌ صَرِيحٌ عَلٰى أَنَّ مَسۡئَلَةَ التَّفۡضِيلِ لَيۡسَتۡ مِنَ الۡأُمُورِ الۡقَطۡعِيَّةِ ، لِأَنَّ الۡأَحَادِيثَ الۡمَرۡوِيَّةَ ـ مَعَ كَوۡنِهَا ظَنِّيَّةٌ ـ مُعۡتَرِضَةٌ مَانِعَةٌ مِنۡ كَوۡنِهَا مِنَ الۡأُمُورِ الۡيَقِينِيَّةِ.

"پس اسلامی طبقات کے مابین یہ اختلاف اس بات کی صریح دلیل ہے کہ مسئلہ تفضیل امورِ قطعیہ میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلے میں واردشدہ احادیث ظنی ہونے کے ساتھ ساتھ باہم متعارض بھی ہیں اوراس مسئلہ کے امورِ یقینیہ میں سے ہونے کے منافی بھی"۔[2]

(1) شرح الفقه الأكبر ص ١٩٠

(2) شم العوارض في ذم الروافض للعلي القاري ص ٦٣۔

جب اس قدر مختلف اقوال موجود ہیں تو پھر اجماع کہاں، اور جب اجماع نہیں تو قطعیت کہاں؟ لہٰذا حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی یا کوئی بھی شخص اپنی کتاب میں ''أجمع أهل السنة'' اور ''أجمعت الأمة'' وغیرہ جتنا چاہے لکھتا رہے لیکن محض کسی کے لفظِ ''إجماع'' لکھ دینے سے اجماع نہیں ہوگا۔ جس طرح امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کے ''وَعَلَيْهِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ'' لکھ دینے سے فاتحہ خلف الامام کی نفی پر اجماع نہیں ہوا اِسی طرح فاضلِ بریلوی کے لفظ اجماع لکھ دینے سے اجماع نہیں ہوا۔ مفتی منیب صاحب نے کراچی میں بیٹھ کر چار اسلاف ہندی علماء کا اور چھبیس کراچی کے خطباء وعلماء کا جو اجماع بنادیا ہے اُس سے بھی مت گھبرائیے، کیونکہ یہ اجماعِ صحابہ ہے اور نہ ہی اجماعِ امت بلکہ یہ اُن کا گھریلو اجتماع اور اجماع ہے۔

جب صحابہ کرام ﷺ (جو فقہی مذاہب، جعفریہ، زیدیہ، حنفیہ، شافعیہ، حنبلیہ، مالکیہ سے بھی پہلے تھے اور تدوین عقائد سے بھی پہلے تھے) کا کسی بھی صحابی کی افضلیت پر اجماع نہیں ہوا تو بعد میں کب اور کیسے ہوگیا؟

اس تفصیل سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا سیدنا ابو بکر ﷺ کی تفضیل کے قطعی ہونے کا وہ دعویٰ بھی ہوا میں تحلیل ہوگیا جو گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

اجماع کے غبارے سے ہوا نکل گئی

مفتی رضوی ہندی صاحب اپنی پوری کتاب میں تفضیلِ صدیقی کی قطعیت اور اجماع کی مدھانی چلاتے رہے ہیں لیکن آخر میں جا کر اُن کے دعوائے اجماع کے غبارے سے بھی ہوا نکل گئی۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''یہ تو صحیح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے، کیوں کہ ضروریاتِ دین کے ثبوت کے

لیے دلیل قطعی بالمعنی الاخص ہونے کے ساتھ ساتھ بدیہی ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے منکر کی تکفیر ہوتی ہے۔ مگر قطعی بالمعنی الاخص کی نفی سے خاص قطعی جسے قطعی بالمعنی الاعم کہتے ہیں اور جس سے ثابت شدہ حکم ضروریاتِ اہل سنت میں سے ہوتا ہے اور انکار کرنے والا گم راہ و بددین قرار پاتا ہے، کی نفی نہیں ہوتی ہے"۔[1]

موصوف ایک اور مقام میں لکھتے ہیں:

"حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت مطلقہ مسلمانوں کا جمہوری اور اہل سنت کا اجماعی مسلک ہے، جو ضروریاتِ اہل سنت میں داخل ہے۔ اِس لیے جو اِس کا منکر ہوگا وہ اہل سنت سے خارج قرار پائے گا"۔[2]

میں صدقے جاؤں تمہاری مذہبی دہشت گردی پر! پہلی سطر میں لکھا کہ "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے"۔ ارے میاں! جب یہ مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے تو اب تک مغزماری کیوں کرتے رہے؟

لیکن بات دراصل یہ ہے کہ اگر وہ یہاں تک رُک جاتے تو پھر اُنہیں مذہبی اجارہ داری اور نام نہاد عقیدہ کی چودھراہٹ ہاتھ سے نکلتی نظر آرہی تھی اِس لیے اُنہوں نے فوراً پینترا بدلا اور نیچے لکھ دیا کہ "یہ ضروریاتِ اہل سنت میں سے ہے"۔ یعنی عقیدہ نہ ہوا موم کی ناک ہوئی، کبھی اس کو اجماعِ امت کا نام دے دو اور کبھی ضروریاتِ اہل سنت کا ٹائٹل دے دو، جس طرح چاہو موم کی ناک ہے موڑتے جاؤ۔ آخر فتوے لگانے اور مذہبی منافرت پھیلانے کی گنجائش کو بھی تو باقی رکھنا

---

(1) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ۲۰۹۔

(2) انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟ ۲۶۷۔

ہوتا ہے، لہٰذا اجماعِ صحابہ اور اجماعِ اُمت ثابت نہ ہو تو ضروریاتِ اہلِ سنت کا ڈنڈا ہی کافی ہے۔

کتبِ عقائد و فتاویٰ سے قبل کے لوگوں پر کیا حکم ہو گا؟

اہل علم حضرات ایک بات بتائیں! وہ یہ کہ یہ بالمعنی الاخص اور بالمعنیٰ الاعم کی موشگافیاں اور ضروریاتِ اہلِ سنت کی اصطلاحیں وغیرہ تو سب بعد کی ایجاد ہیں تو کیا اِس لفظی گورکھ دھندے سے قبل سیدنا عباس بن عبد المطلب، سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابن عباس، سیدنا حذیفہ بن یمان، سیدنا عمار بن یاسر﷛ اور سیدینا حسنین کریمین﷩ اور دوسرے کثیر صحابہ واہل بیت﷡ جو سیدنا علی﷣ کی افضلیت کے قائل تھے، کیا وہ بھی ضال و مضل اور گمراہ تھے؟ کیونکہ وہ سب تو بالمعنی الاخص اور بالمعنیٰ الاعم سے پہلے کے لوگ تھے، اشعریت اور ماتریدیت سے بھی پہلے کے لوگ تھے اور حنفیت، شافعیت، مالکیت اور حنبلیت سے بھی پہلے کے لوگ تھے، سو کیا اُن پر ضلالت، غوایت، رافضیت، ضال، مضل اور خارج از اہل سنت وغیرہ کسی قسم کا فتویٰ لاگو ہو گا؟

مفتی صاحب کا غیظ و غضب

بہت افسوس ہے کہ مجھ غریب پر فتویٰ داغنے والے مفتی صاحب زید عمرہ کے حلم و حوصلے پر اُن کا غیض و غضب غالب آ گیا۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر غضب ناک ہو کر لکھتے ہیں:

> "اس عقیدہ (بعد الانبیاء علیہم السلام افضل البشر ابو بکر صدیق﷜) کا منکر تفضیلی رافضی بدعتی ضال مضل ہے۔ ایسے شخص کی بیعت، امامت و خطابت جائز نہیں اور اس کے علاوہ کسی بھی دینی منصب کا اہل نہ ہے"۔ (فتویٰ از جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور)

اسی طرح کا غیض و غضب آپ ابھی ابھی مفتی منیب صاحب کا بھی تفضیلِ مرتضوی کے تمام قائلین کے خلاف ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

قارئین کرام! مسئلہ تفضیل کی بحث کے آخر میں یہ مفتی صاحب کے ذاتی الفاظ ہیں۔ اس میں اُنہوں نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہ ماننے والے کو چار تمغوں سے نوازا ہے:

۱۔ رافضی (یعنی شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی عظمتوں اور اُن کی خلافت کی حقانیت کا منکر)

۲۔ بدعتی۔ (حدیث پاک کے مطابق بدعتی وہ ہے جو دین میں ایسی چیز نکالے جو دین کے منافی ہو)

۳۔ ضال (گمراہ)

۴۔ مُضِلّ (گمراہ کن)

یہ فقیر پہلے لکھ چکا ہے کہ سیدنا ابن مسعود، سیدنا عباس بن عبد المطلب، اُن کی کل اولاد، امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین، تمام بنو ہاشم، حذیفہ بن یمان، خزیمہ بن ثابت، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، خباب بن الارت، جابر بن عبد اللہ، ابوسعید خدری، زید بن ارقم، ابی بن کعب، عثمان بن حنیف، سہل بن حنیف، بریدہ بن حُصَیب، ابو ایوب انصاری، ابو الہیثم بن التیہان انصاری، ابو الطفیل عامر بن واثلہ، سیدنا زید بن علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے حضرات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے۔ کیا یہ سب رافضی، بدعتی، ضال اور مضل تھے اور کیا اُن کے پیچھے نماز نہیں ہوتی تھی؟ آیا میرے اور مفتی صاحب کے امام (امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ) کی سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازیں مسترد ہو گئی ہوں گی؟ اور کیا امام اعظم ابو حنیفہ ایک تفضیلی (سیدنا زید بن علی رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے بعد منصبِ امامت کے اہل رہے ہوں گے یا نہیں؟

بہر حال ہمارے چودھویں پندرھویں صدی کے مفتیان دبنگ لوگ ہیں، وہ مجھ ایسے غریب اور تفضیلِ مرتضوی کے دیگر قائلین کو سبق سکھانے کے لیے اس قدر صحابہ، اہل بیت

کرام اور تابعین عظام ﷺ کو رافضی اور بدعتی کہہ سکتے ہیں، لیکن اسلاف کرام ہمارے مفتیان کی طرح دبنگ نہیں تھے بلکہ وہ بیچارے کمزور لوگ تھے اِس لیے اُن سے ایسی جرأت نہ ہو سکی۔

چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قُلْتُ : لَيْسَ تَفْضِيلُ عَلِيٍّ بِرَفْضٍ وَلَا هُوَ بِبِدْعَةٍ ، بَلْ قَدْ ذَهَبَ إِلَيْهِ خَلْقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ.

"میں کہتا ہوں: تفضیل علی رفض ہے اور نہ ہی بدعت بلکہ صحابہ اور تابعین عظام ﷺ میں سے ایک مخلوق اس طرف گئی ہے"۔ (1)

خیال رہے کہ جس بات کی اصل کتاب و سنت میں نہ پائی جائے اور قرونِ اولیٰ میں بھی اُس کا وجود نہ پایا جائے اور وہ بعد میں نمودار ہو جائے تو وہ بدعت ہوتی ہے، قطع نظر اس سے کہ اُسے بدعتِ حسنہ کہا جائے یا بدعت سیئہ۔ سو چونکہ سیدنا علی ﷺ کی تفضیل کے دلائل کتاب و سنت اور قرونِ اولیٰ میں پائے جاتے ہیں اسی لیے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بدعت ہونے کی نفی کی ہے۔

اس عبارت میں امام ذہبی نے جس بات کو ''خَلْقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ'' کہا ہے، اسی کو امام باقلانی نے ''كَثِيرٌ مِنَ الصَّحَابَةِ'' کہا ہے، جیسا کہ اِس سے قبل اُن کی عبارت گزر چکی ہے۔

اہل سنت مگر شیعی مذہب

کیا اہل سنت کے تمام مکاتبِ فکر (بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث وغیرہ) یہ بتلانا پسند کریں گے کہ خلافت کے لیے افضلیت کی شرط کس کا مذہب ہے، ہمارا یا شیعہ کا؟

---

(1) سیر أعلام النبلاء ج ١٦ ص ٤٥٧۔

قارئین کرام! یہ کہنا کہ خلیفہ فقط وہ شخص ہو سکتا ہے جو مطلقاً تمام لوگوں سے افضل ہو، یہ تمام شیعہ اور اکثر معتزلہ کا مذہب ہے، جبکہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اگر مفضول (غیر افضل) کی خلافت پر اہل تقویٰ مسلمانوں کا اجماع ہو جائے تو اُس کی خلافت منعقد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا يُشْتَرِطُ فِي الْإِمَامِ أَنْ يَّكُونَ مَعْصُومًا، وَلَا أَنْ يَّكُونَ أَفْضَلَ مِنْ أَهْلِ زَمَانِهِ.

"اور یہ شرط نہیں ہے کہ خلیفہ معصوم ہو اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ وہ اہل زمانہ سے افضل ہو"۔ (1)

اس پر شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

كَمَا زَعَمَتِ الشِّيْعَةُ، وَإِنْ وَافَقَهُمْ بَعْضُ أَهْلِ السُّنَّةِ.

"جیسا کہ شیعہ سمجھتے ہیں، اگرچہ بعض اہل سنت نے بھی اُن کی موافقت کی ہے"۔ (2)

یہ بعض اہل سنت کون ہیں؟ آگے امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں اس کی وضاحت آ رہی ہے۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

وَلَا يُشْتَرِطُ أَنْ يَّكُونَ أَفْضَلُ مِنْ أَهْلِ زَمَانِهِ، خِلَافًا لِلشِّيْعَةِ، وَغَرْضُهُمْ إِبْطَالُ خِلَافَةِ مَنْ عَدَا الْأَئِمَّةَ اثْنَا عَشَرَ.

"خلیفہ کا اہلِ زمانہ سے افضل ہونا شرط نہیں، بخلاف شیعہ کے، اور اس سے اُن

---

(1) متن العقائد للنسفي، ملحق بشرح العقائد ص ۲۲۲، مکتبۃ الحسن، لاہور۔

(2) میزان العقائد حاشیۃ شرح العقائد ص ۱۵۸۔

کا مقصد بارہ اماموں کے علاوہ دوسروں کی خلافت کو باطل قرار دینا ہے"۔[1]

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا يُشْتَرِطُ أَنْ يَكُونَ هَاشِمِيًّا وَلَا مَعْصُومًا وَلَا أَفْضَلَ مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِمْ.

"اور اُس کا ہاشمی ہونا، معصوم ہونا اور جن پر وہ خلیفہ ہو اُن سے افضل ہونا شرط نہیں"۔[2]

موصوف مزید لکھتے ہیں:

وَاشْتَرَطَتِ الشِّيعَةُ أَنْ يَكُونَ هَاشِمِيًّا بَلْ عَلَوِيًّا، وَعَالِمًا بِكُلِّ أَمْرٍ حَتَّى الْمُغَيَّبَاتِ، قَوْلًا بِلَا حُجَّةٍ، مَعَ مُخَالَفَةِ الْإِجْمَاعِ، وَأَنْ يَكُونَ أَفْضَلَ أَهْلِ زَمَانِهِ، لِأَنَّ تَقْدِيمَ الْمَفْضُولِ قَبِيحٌ عَقْلًا. وَنُقِلَ عَنِ الْأَشْعَرِيِّ.

"شیعہ نے شرط عائد کی ہے کہ خلیفہ ہاشمی بلکہ علوی ہو، اور تمام امور کا عالم ہو، حتیٰ کہ غیبی امور کا بھی، یہ قول اجماع کی مخالفت کے ساتھ ساتھ بلا دلیل بھی ہے، اور انہوں نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ وہ اہل زمانہ سے افضل ہو، اس لیے کہ غیر افضل کو مقدم کرنے میں عقلی قباحت ہے، اور اشعری سے بھی یہی قول منقول ہے"۔[3]

---

(1) النبراس شرح شرح العقائد ص ۳۲۰۔

(2) شرح المقاصد ج ۳ ص ۴۷۰؛ شرح العقائد ص ۱۵۸۔

(3) شرح المقاصد ج ۳ ص ۴۸۲۔

قاضی عبد الرحمان الایجی اور سید شریف علی بن محمد جرجانی رحمۃ اللہ علیہما لکھتے ہیں:

فِي إِمَامَةِ الْمَفْضُولِ مَعَ وُجُودِ الْفَاضِلِ، مَنَعَهُ قَوْمٌ كَالْإِمَامِيَّةِ.

"فاضل کی موجودگی میں مفضول کی خلافت کو ایک قوم نے ممنوع کہا ہے، جیسا کہ شیعہ"۔[1]

امام ابوالیسر بزدوی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[2]

خلافت کے لیے افضل کی شرط بکواس

اکثر علماءِ عقائد اہلِ سنت کی عبارات آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُنہوں نے لکھا کہ خلافت کے لیے افضل کی شرط شیعہ لوگوں کا عقیدہ ہے لیکن اِسی بات کو تردیدِ شیعہ میں مشہور عالم علامہ ابن حجر مکی نے خرافات قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وَاشْتِرَاطُ الْعِصْمَةِ فِي الْإِمَامِ، [وَكَوْنُهُ أَفْضَلَ الْأُمَّةِ] وَكَوْنُهُ هَاشِمِيًّا وَظُهُورُ مُعْجِزَةٍ عَلَى يَدَيْهِ يُعْلَمُ بِهَا صِدْقُهُ، مِنْ خَرَافَاتِ نَحْوِ الشِّيعَةِ وَجَهَالَاتِهِمْ.

خلیفہ کے لیے عصمت کی شرط، اُس کا اُمت سے افضل ہونا، اُس کا ہاشمی ہونا اور اُس کے ہاتھوں پر معجزہ کا ظاہر ہونا جس سے اُس کی سچائی معلوم ہو سکے، یہ سب شیعہ جیسے لوگوں کی بکواسات اور جہالتیں ہیں"۔[3]

---

(1) شرح المواقف ج۸ ص ۴۰۵۔

(2) أصول الدين لأبي اليسر بزدوي ص ۱۹۳۔

(3) الصواعق المحرقة، مكتبة فياض ص ۵۷۔

دوسروں کی باتیں بکواسات اور اپنی باتیں آیات؟

یہ بطورِ نمونہ چند تصریحاتِ علماءِ اہلِ سنت ہیں، اِنہیں سامنے رکھتے ہوئے ذرا غور فرمائیں کہ جب خلیفہ کے لیے علی الاطلاق سب سے افضل ہونا اہلِ سنت کا نہیں بلکہ تمام شیعہ اور اکثر معتزلہ کا مذہب ہے تو پھر اہلِ سنت کیوں خلیفۂ اول کی افضلیت کے ثبوت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، اور وہی کچھ کہنا شروع کر دیتے ہیں جو اگر کوئی دوسرا کہے تو اُسے بکواسات و جہالات میں شمار کیا جاتا ہے؟ خیال رہے کہ عقائد کی اکثر نہیں بلکہ تمام کتابیں صحابہ و تابعین کے بعد لکھی گئیں اور اُن میں سے بیش تر میں یہ تین باتیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ خلافت کے لیے افضلیت شرط نہیں

۲۔ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کی خلافت جائز ہے

۳۔ سیدنا صدیق اکبر ﷛ تمام صحابہ کرام ﷡ سے افضل ہیں اور اُن کی افضلیت قطعی ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ اِن متضاد باتوں کے اندراج کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا جو سبب مجھے سمجھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ جب خلفاء ثلاثہ ﷡ کی خلافت کے منکرین اُن کی خلافت کو ناجائز ثابت کرنے کی خاطر سیدنا علی ﷛ کے فضائل و خصائص سامنے لائے تو سنی سٹ پٹا گئے، کیونکہ واقعی فضائل و خصائصِ مرتضوی دوسرے تمام صحابہ کرام ﷡ سے زیادہ ہیں، جیسا کہ سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابن عباس، سیدنا امام حسن مجتبیٰ ﷛ اور پھر محدثین میں امام احمد بن حنبل، امام نسائی، امام اسماعیلی، امام حاکم، امام ابن عبد البر، امام جزری مقری، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ ابن حجر مکی، امام سمہودی اور دوسرے معتبر ائمہ اہلِ سنت نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

نیز ایسے تمام رجوعی اقوال جو اکابر ائمہ کے حوالے سے بیان کیے جاتے ہیں کہ وہ پہلے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے مگر بعد میں اُنہوں نے رجوع کر لیا تھا، بھی اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں، ورنہ اوّلاً کسی سنی امام کی توجہ چوتھے نمبر پر خلیفہ ہونے والے شخص کی افضلیت کی طرف جاتی ہی کیوں؟ ایسے اکابر میں امام مالک، امام سفیان ثوری، امام دار قطنی اور بہت سے متقدمین و متأخرین کے نام آتے ہیں۔

سو ایسے تمام دلائل کا توڑ نہ کر سکنے کی وجہ سے پہلی دو باتیں بطورِ اصول لکھی گئیں اور وہ دونوں حق ہیں لیکن اہل سنت کے سب حلقے اس بات پر کہاں قناعت کر سکتے تھے، اس لیے پھر غیر معتدل لوگ اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے: مثلاً بعض نے کہا:

۱۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی افضل ہیں اور اُن کی افضلیت کا دارومدار منقول فضائل و مناقب پر نہیں بلکہ کسی اور چیز پر ہے جو سمجھ نہیں آتی۔

۲۔ بعض نے کہا: شیخین کریمین رضی اللہ عنہما دونوں ہی افضل ہیں، کیونکہ اُن سے اسلام کو زیادہ فائدہ پہنچا اور اُن کی خلافت مستحکم رہی

۳۔ بعض نے کہا: ترتیبِ خلافت ہی ترتیبِ افضلیت ہے۔

یہ ترتیب کے مدعی لوگ پھر تذبذب کا شکار ہوئے کہ آیا سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں سے کون افضل ہے؟ پھر اِن لوگوں نے فضائل مرتضوی میں وارد شدہ احادیث صحیحہ کثیرہ کو بالائے طاق رکھ کر اقوالِ علماء کا سہارا لیتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ جی: جب صحابہ نے اُنہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پہلے خلیفہ منتخب کیا تھا تو اُن کے مد نظر اُن کی کوئی نہ کوئی افضلیت ہو گی تو اُنہوں نے ایسا کیا، لہٰذا ہم اسلاف کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے ہیں، خواہ ہمیں اس کی وجہ سمجھ آئے یا نہ آئے۔ قربان جاؤں تمہاری بے بسی پر!

میں عرض کرتا ہوں: اس کو کہتے ہیں پڑھی لکھی جہالت۔ اللہ کے بندو! ذرا اُن واقعات

وحالات کو ہی پڑھ لیا ہوتا جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کے بعد رونما ہوئے تھے اور پھر اُس وقت جو مجلسِ شوریٰ قائم ہوئی تھی، اُس کے طریقہ ٔانتخاب میں ہی غور کر لیا ہوتا۔ کیا اُس میں افضلیت کی بحث چلی تھی؟ نہیں، ہرگز نہیں بلکہ اُن دِنوں میں خود سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اظہارِ خیال فرماتے تھے کہ کاش یہ لوگ ''أُصَيْلَعَ'' یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہی خلیفہ منتخب کر لیتے! اس کی مفصل ومدلل تحقیق کے لیے فقیر کی کتاب ''شرح أسنى المطالب في مناقب سيدنا علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ'' کا مطالعہ بہت مفید ہو گا۔

رافضی کا[Action] عمل اور سنی کا[Reaction] ردِّ عمل

روافض نے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر قناعت نہیں کی بلکہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے اُن سے ماقبل خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا انکار کیا اور اُنہیں غاصب تک قرار دے ڈالا تو اُس کے ردِّ عمل میں سنی نے وہ کچھ کیا جس کا کچھ نمونہ مذکورہ بالا صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ ناپسندیدہ ردِ عمل ہے اور ایسا مکروہ رَدِ عمل محض عوام سے سرزد نہیں ہوا بلکہ اس میں بڑے بڑے پڑھے لکھے اور قد آور لوگوں کے نام آتے ہیں۔ شرح العقائد تفتازانی کے بعض غیر معتدل شارحین نے بھی روافض کے رد عمل میں ایسا ہی بھونڈا طریقہ اپنایا اور لوگوں کو بھی اسی کی تلقین کی، اور وہ اس حد تک بہک گئے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بنسبت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت کرنے کو بھی کمینگی قرار دے دیا۔ نعوذ باللہ من تلك الخرافات. یہ فقیر پھر عرض کرتا ہے ایسے ناگفتہ بہ اقوال کی تفصیل اور پھر اُن کی تردید کے لیے ہماری کتاب ''شرح أسنى المطالب'' کا مطالعہ ضرور فرمایئے۔

شاہ عبدالعزیز کا اپنے دعوائے اجماع کے خلاف جانا

مفتی منیب صاحب نے جن چار ہندی علماء کا اجماعِ امت بنایا تھا اُن میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں:

سوال: تفضیلیہ کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں اور اگر اس کے پیچھے اہل سنت نماز میں اقتداء کریں تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: تفضیلیہ کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم اُن لوگوں کی ہے جو حضرت علی ﷛ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت، اُن کی تعظیم ، اُن کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور قول و فعل میں اُن کے طریقہ کی اتباع کرنے میں سرگرم اور ثابت قدم ہیں، اس قسم کے لوگ شیخین پر جنابِ مرتضیٰ علی ﷛ کی مذکورہ بالا تفضیل کے باوجود اور حضرت علی ﷛ کی محبت اور اتباع میں سرگرم ہونے کے باوجود اہلِ سنت میں داخل ہیں، لیکن اُنہوں نے اس مسئلہ میں خطا کی ہے اور اُن کے اس اختلاف کو یوں سمجھنا چاہیے، جیسا کہ اشعریہ اور ماتریدیہ کے مابین اختلاف ہے۔ اس قسم کے تفضیلی کی امامت جائز ہے اور اہل سنت کے بعض علماء اور صوفیہ اس روش پر تھے۔ جیسا کہ محدث عبدالرزاق، سیدنا سلمان فارسی اور حضرت حسان بن ثابت اور بعض دوسرے صحابہ کرام ﷡۔

اور تفضیلیہ کی دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: ہمیں حضرت علی مرتضیٰ اور اُن کی اولاد کی محبت اور قول و فعل میں اُن کے طریقہ کی اتباع ہی کافی ہے، اور ہم شیخین اور دوسرے صحابہ کو بُرا نہیں کہتے لیکن ہمیں اُن سے کوئی سروکار بھی نہیں، نہ محبت نہ عداوت، نہ اتباع اور نہ ترکِ اتباع، نہ

اُن کے قول و فعل پر عمل کرنا اور نہ اعراض کرنا، اس قسم کے تفضیلی بلاشبہ بدعتی ہیں اور ان کی امامت کا حکم وہی ہے جو بدعتی کی امامت کا ہے، اور معتبر اہل سنت میں سے کوئی شخص اس قسم کا تفضیلی نہیں ہوا"۔[1]

ہمیں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُن الفاظ سے اتفاق نہیں ہے جنہیں ہم نے انڈر لائن کر دیا ہے، کیونکہ اُن الفاظ کی زد میں مذکورہ بالا چوبیس حضرات، جملہ بنو ہاشم اور تمام اہل بیت کرام ﷺ آتے ہیں، کیا یہ سب خطاوار تھے؟

نیز مفتی صاحب نے لکھا: "اس عقیدہ (بعد الانبیاء علیہم السلام افضل البشر ابو بکر صدیق ﷺ) کا منکر تفضیلی رافضی بدعتی ضال مضل ہے"۔ اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء ﷺ بھی بشر تھیں اور اُنہیں امام مالک سمیت بہت سے اکابر نے حضور اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل کہا ہے، حتیٰ کہ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ ﷺ کا مذہب بھی یہی تھا، جیسا کہ ہم اِس سے قبل باحوالہ نقل کر چکے ہیں۔

اس سے قبل متعدد حوالہ جات کے ساتھ لکھا جا چکا ہے کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ ﷺ سیدنا علی ﷺ کو تمام اولین و آخرین سے افضل فرماتے تھے۔ خود شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں امام عبد الرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دو صحابیوں کا نام آیا اور دوسرے صحابہ کا فقط ذکر آیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"سیدنا سلمان فارسی اور حضرت حسان بن ثابت اور بعض دوسرے صحابہ کرام ﷺ"۔

میں پوچھتا ہوں: کیا یہ دو ہستیاں اور دوسرے صحابہ کرام ﷺ قرآن، حدیث اور اجماعِ صحابہ کے

---

(1) فتاوی عزیزي فارسي ص ۱۸۴، ۱۸۳ و مترجم ص ۴۱۳، ۴۱۲۔

منکر ہیں کہ اُن کے موقف کو خطا قرار دیا گیا؟

رافضیت وناصبیت کے مابین راہِ اعتدال

راقم الحروف از خود تو کوئی راہ نکالنے کی اہلیت نہیں رکھتا، تاہم پہلے سے موجود راہوں میں سے کسی کو راہِ اعتدال سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' دین میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے ہر شخص کی ذاتی مرضی ہے کہ وہ اِس غیر قطعی اور ظنی مسئلہ کے جس پہلو کو چاہے اپنالے، تاہم مجھے اس سلسلے میں دوسرے متعدد صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ ساتھ سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا حذیفہ بن یمان، سیدنا ابن مسعود، سیدنا امام حسن، سیدنا امام حسین اور سیدنا زید بن علی علیہ السلام کا مذہب زیادہ پسند ہے۔ اِن ہستیوں کے نزدیک خلفاء ثلاثہ ﷺ کی خلافت بھی برحق تھی اور یہ سب حضرات سیدنا علی ﷺ کو افضل بھی سمجھتے تھے۔ علامہ ابوالفتح عبدالکریم شہرستانی اور علامہ ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ نے موخر الذکر ہستی کا مذہب یوں نقل کیا ہے:

وَكَانَ مِنْ مَذْهَبِهِ جَوَازُ إِمَامَةِ الْمَفْضُولِ مَعَ قِيَامِ الْأَفْضَلِ. فَقَالَ: كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ﷺ أَفْضَلَ الصَّحَابَةِ، إِلَّا أَنَّ الْخِلَافَةَ فُوِّضَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ لِمَصْلِحَةٍ رَأَوْهَا، وَقَاعِدَةٍ دِينِيَّةٍ رَاعَوْهَا، مِنْ تَسْكِينِ نَائِرَةِ الْفِتْنَةِ، وَتَطْيِيبِ قُلُوبِ الْعَامَّةِ. فَإِنَّ عَهْدَ الْحُرُوبِ الَّتِي جَرَتْ فِي أَيَّامِ النُّبُوَّةِ كَانَ قَرِيبًا، وَسَيْفُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيٍّ عَنْ دِمَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ وَغَيْرِهِمْ لَمْ يَجِفَّ بَعْدُ، وَالضَّغَائِنُ فِي صُدُورِ الْقَوْمِ مِنْ طَلَبِ الثَّأْرِ كَمَا هِيَ۔ فَمَا كَانَتِ الْقُلُوبُ تَمِيلُ إِلَيْهِ كُلَّ الْمَيْلِ، وَلَا تَنْقَادُ لَهُ الرِّقَابُ كُلَّ الْاِنْقِيَادِ.

فَكَانَتِ الْمَصْلِحَةُ أَنْ يَكُونَ الْقَائِمُ بِهٰذَا الشَّأْنِ مَنْ عَرَفُوهُ بِاللِّيْنِ، وَالتَّوَدُّدِ ، وَالتَّقَدُّمِ بِالسِّنِ ، وَالسَّبْقِ فِي الْإِسْلَامِ ، وَالْقُرْبِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ .

"اُن کے مذہب میں افضل کی موجودگی میں مفضول کی خلافت جائز تھی، چنانچہ وہ فرماتے تھے: سیدنا علی بن ابی طالب ؓ تمام صحابہ کرام ؓ سے افضل تھے مگر مصلحت کی خاطر اور ایک دینی قاعدہ کی رعایت کرتے ہوئے خلافت سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کو سونپی گئی، تاکہ فتنہ نہ اٹھے اور عامۃ الناس کے دلوں کو تسکین ہو، کیونکہ وہ جنگیں جو عہدِ نبوت میں بپا ہوئی تھیں اُن کا زمانہ قریب تھا اور تلوارِ ذوالفقار مشرکین قریش وغیرہ کے خون سے ابھی تازہ تھی، اور قوم کے سینوں میں انتقام کے کینے ابھی قائم تھے، لہٰذا ایسی صورتِ حال میں لوگوں کے دل اُن کی طرف پوری طرح مائل نہ ہوتے اور وہ مکمل پیروی پر تیار نہ ہوتے۔ سو مصلحت اسی میں تھی کہ کوئی ایسا شخص کھڑا ہو جس کی نرم خوئی، شفقت، عمر اور اسلام میں تقدم اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس کی قربت وصحبت کو سب جانتے ہوں"۔ (1)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی ؓ کے اشجع الناس ہونے اور اُن کے جان توڑ جہاد کی وجہ سے لوگ اُن کی خلافت پر جمع نہ ہوتے اور زبردستی سے انتشار ہو سکتا تھا، جس سے اسلام کا نقصان ہوتا، جبکہ اہل بیت کرام علیہم السلام کو دوسری تمام باتوں سے اسلام کی سلامتی زیادہ محبوب ہے۔

---

(1) الملل والنحل للشهرستاني ص ١٨٠؛ الإمام زيد لأبي زهرة ص ٨٣؛ تكميل الإيمان للشيخ عبد الحق محدث دهلوي ص ١٤٢۔

چنانچہ خلافتِ اولیٰ کے انتخاب کے وقت بھی بعض لوگوں نے سیدنا علی ﷺ کو پیشکش کی تھی کہ اگر وہ چاہیں تو بزورِ شمشیر خلافت کا رُخ ان کی طرف موڑا جا سکتا ہے۔ اس پر سیدنا علی ﷺ نے فرمایا تھا:

سَلَامَةُ الدِّيْنِ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ غَيْرِهِ.

"دین کی بقا ہمیں دوسری باتوں سے زیادہ محبوب ہے"۔ (1)

سیدنا زید بن علی علیہما السلام کے نکتہ کی تائید احادیث نبویہ سے

جس باریک بات کی طرف سیدنا امام زید بن علی علیہما السلام نے اشارہ فرمایا ہے یہی بات احادیثِ نبویہ میں بھی آئی ہے۔ اس بات کی گہرائی کو سمجھنے کے لیے صحیحین کی اُن احادیث کا معنٰی و مطلب کو سمجھنا ہو گا جن میں سیدنا علی علیہ السلام اور انصار ﷺ سے بغض کو منافقت فرمایا گیا ہے۔ اِس بغض کی وجہ یہ ہے کہ انصار ﷺ نے نبی کریم ﷺ اور مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دے کر اور اپنے تن من دھن کو قربان کر کے تمام کفار کے ارادوں کو بالعموم اور قریش کے عزائم کو بالخصوص خاک میں ملا دیا اور دوسری طرف سیدنا علی علیہ السلام نے تمام مہاجرین و انصار ﷺ سے بڑھ کر قریش مکہ کو تہ و تیغ اور فی النار کیا تو اولادِ قریش کے دِلوں میں سیدنا علی علیہ السلام اور انصار ﷺ کے بارے میں بغض کا پیدا ہو جانا فطری امر تھا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر سیدنا علی علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا تھا کہ تمہارے خلاف لوگوں کے سینوں میں کینے ہیں جو میرے بعد ظاہر ہوں گے۔ دوسری طرف انصار ﷺ کو فرمایا تھا کہ میرے بعد تمہارے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے گا، سو تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے آکر ملو۔ یہ دونوں باتیں ہو کر رہیں، چنانچہ سیدنا علی علیہ السلام کے خلاف بغض بھی خوب ظاہر

---

(1) المرتضی عربي لأبی الحسن ندوي ص ۸۹، ومترجم اردو ص ۱۴۹۔

ہوا اور انصار ﷺ کو ترجیحی سلوک کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ سو جن لوگوں کو سیدنا علی علیہ السلام چوتھے خلیفہ کے طور پر بھی گوارا نہیں تھے تو وہ انہیں خلیفہ اول کے طور پر کیونکر گوارا ہوتے؟

خود نبی کریم ﷺ نے واشگاف الفاظ میں فرما دیا تھا کہ اگر تم علی کو خلیفہ بناؤ گے تو اُس کو ھادی اور مھدی پاؤ گے اور وہ تمہیں صراط مستقیم پر چلائے گا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ فی الجملہ یہ کہ سیدنا زید بن علی علیہ السلام کا تجزیہ مبنی بر حقیقت ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام سب صحابہ سے افضل تھے لیکن مذکورہ بالا ۳ وجوہ کی بنا پر اُن کی خلافتِ اولیٰ پر اتفاق نہ ہوتا۔

علامہ ابن قیم کا عمدہ نقطۂ نظر

دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو بھی منظور تھا کہ وصالِ نبوی ﷺ کے فوراً بعد اہل بیت کرام علیہم السلام کو نبی کریم ﷺ کا جانشین ہونا مناسب نہیں تھا، کیونکہ اس سے منصبِ نبوت پر شبہات کا امکان تھا۔ اس نکتے کو علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ وہ ''السِّرُّ فِيْ خُرُوجِ الْخِلَافَةِ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

السِّرُّ: وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ فِيْ خُرُوجِ الْخِلَافَةِ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، أَنَّ عَلِيًّا لَوْ تَوَلَّى الْخِلَافَةَ بَعْدَ مَوْتِهٖ لَأَوْشَكَ أَنْ يَّقُوْلَ الْمُبْطِلُوْنَ إِنَّهٗ مَلِكٌ وَرِثَ مُلْكَهٗ أَهْلُ بَيْتِهٖ، فَصَانَ اللّٰهُ مَنْصَبَ رِسَالَتِهٖ وَنُبُوَّتِهٖ عَنْ هٰذِهِ الشُّبْهَةِ. وَتَأَمَّلْ قَوْلَ هِرَقْلَ لِأَبِيْ سُفْيَانَ: هَلْ كَانَ فِيْ آبَائِهٖ مِنْ مَلِكٍ؟ قَالَ: لَا. فَقَالَ لَهٗ: لَوْ كَانَ فِيْ آبَائِهٖ مَلِكٌ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ آبَائِهٖ،

فَصَانَ اللّٰهُ مَنْصَبَهُ الْعَلِيَّ مِنْ شُبْهَةِ الْمُلْكِ فِي آبَائِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ.

وَهٰذَا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ هُوَ السِّرُّ فِي كَوْنِهِ لَمْ يُوَرِّثْ هُوَ وَالْأَنْبِيَاءُ قَطْعًا لِهٰذِهِ الشُّبْهَةِ، لِئَلَّا يَظُنَّ الْمُبْطِلُ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ طَلَبُوا جَمْعَ الدُّنْيَا لِأَوْلَادِهِمْ وَوَرَثَتِهِمْ كَمَا يَفْعَلُهُ الْإِنْسَانُ مِنْ زُهْدِهِ فِي نَفْسِهِ وَتَوْرِيثِهِ مَالَهُ لِوَلَدِهِ وَذُرِّيَّتِهِ فَصَانَهُمُ اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ، وَمَنَعَهُمْ مِنْ تَوْرِيثِ وَرَثَتِهِمْ شَيْئًا مِنَ الْمَالِ، لِئَلَّا تَتَطَرَّقُ التُّهْمَةُ إِلَى حِجَجِ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ فَلَا يَبْقَى فِي نُبُوَّتِهِمْ وَرِسَالَتِهِمْ شُبْهَةٌ أَصْلًا

وَلَا يُقَالُ: فَقَدْ وَلِيَهَا عَلِيٌّ وَأَهْلُ بَيْتِهِ، لِأَنَّ الْأَمْرَ لَمَّا [اِسْتَقَرَّ] سَبَقَ أَنَّهَا لَيْسَتْ بِمُلْكٍ مَوْرُوثٍ، وَإِنَّمَا هِيَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ تَسْتَحِقُّ بِالسَّبْقِ وَالتَّقَدُّمِ، كَانَ عَلِيٌّ فِي وَقْتِهِ هُوَ سَابِقُ الْأُمَّةِ وَأَفْضَلُهَا، وَلَمْ يَكُنْ فِيهِمْ حِينَ وَلِيَهَا أَوْلَى بِهَا مِنْهُ، وَلَا خَيْرَ مِنْهُ، فَلَمْ يَحْصُلْ لِمُبْطِلٍ شُبْهَةٌ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالَى.

”نبی ﷺ کے گھرانے سے حضراتِ ابو بکر، عمر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی طرف خلافت کے خروج میں واللہ اعلم، یہ راز ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت سنبھال لیتے تو باطل پرست لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ وہ ایک بادشاہ تھے جنھوں نے ملک کو اپنے اہل بیت کے لیے بطورِ وراثت چھوڑا، سو اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت کو اس شبہ سے محفوظ فرمالیا۔

آپ ہِرَقل کے قول میں غور کیجیے جو اُس نے ابو سفیان سے پوچھا تھا: کیا اُس نبی کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ ابو سفیان نے کہا: نہیں۔ اِس پر

ھِرَقْل نے کہا: اگر اُس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو اپنے آباء (باپ دادا) کے ملک کا مطالبہ کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس اعلیٰ منصب کو آباء اور اہلِ بیت کی مملکت کے شبہ سے بچا لیا تھا۔

اور اسی راز کے پیشِ نظر واللہ اعلم، نبی کریم ﷺ اور جملہ انبیاء کرام علیہم السلام نے قطعاً کسی کو وارث نہیں بنایا تاکہ کوئی منکر یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اولاد اور ورثاء کے لیے دنیا جمع کی، جیسا کہ عام زاھدین اپنے زھد سے اپنی ذریت و نسل کے لیے مال جمع کر لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اِس شبہ سے محفوظ رکھا اور ان کے ورثاء کو کسی مالی چیز کا وارث نہیں بنایا تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے دلائل کی طرف کسی اعتراض کو راہ نہ ملے اور اُن کی نبوتوں اور رسالتوں میں کلیۃً کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

اور یہ اعتراض قائم نہیں ہو سکتا کہ بعد میں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے اہلِ بیت نے خلافت کی تھی۔ اس لیے کہ بعد میں معاملہ مضبوط ہو چکا تھا، شبہات کا وقت گزر چکا تھا اور واضح ہو چکا تھا کہ یہ خلافتِ نبوت ہے، جس کے استحقاق کے لیے اسلام لانے میں سبقت اور تقدم لازم ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں پوری امت سے سابق اور افضل تھے، اور وہ جس وقت خلیفہ مقرر ہوئے اُس وقت اُن سے زیادہ کوئی اور شخص خلافت کا اہل نہیں تھا، اور نہ ہی اُن سے بہتر شخص موجود تھا۔ پس اُن کی خلافت کے تأخر کی بدولت نبوت

پر باطل پرستوں کے لیے کسی قسم کے شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ والحمد للہ تعالیٰ"۔[1]

اِن حکمتوں کے پیشِ نظر اگر کوئی مسلمان خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو بھی برحق سمجھے اور کثرتِ دلائل کی وجہ سے سیدنا علی علیہ السلام کو افضل بھی سمجھے تو وہ کیونکر موردِ طعن و تشنیع ہو سکتا ہے؟

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ اگر اوّلاً خلافت پر اہل بیت ہی جلوہ گر ہو جاتے تو نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ملوکیت کا شبہہ ہوتا، یہ شبہہ کیوں ہوتا؟ کیا اِس لیے کہ سیدنا علی علیہ السلام کا درجہ افضلیت میں چوتھا تھا اور اُنہیں اول خلیفہ بنادیا گیا؟ نہیں بلکہ اِس شبہہ کا تعلق اُن کا اہل بیت سے ہونا تھا، لہٰذا اِس مقام پر سیدنا امام زید بن علی علیہما السلام کی بات زیادہ صحیح ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سیدنا علی علیہ السلام ہی تھے مگر مذکورالصدر حکمتوں کے پیشِ نظر اُن کی خلافت پر اتفاق بھی نہ ہوتا اور اُن شبہات کو بھی راہ ملتی جو علامہ ابن قیم نے بیان کیے۔

یہاں اہل سنت کے اس موقف کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اگر افضل شخص کے تقرر پر لوگ متفق نہ ہو رہے ہوں تو پھر افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو خلیفہ بنانا جائز ہے جبکہ شیعہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

میرا موقف یہ کہ بلاشبہہ سیدنا علی علیہ السلام علمِ قرآن، علمِ حدیث، فہمِ قرآن، فہمِ حدیث، علمِ قضا، شجاعت، بصالت، فراست، ذکاوت، اسلامی سبقت، نماز کی سبقت اور نسب کی افضلیت میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل، اعلیٰ اور برتر تھے مگر اُنہیں خلافت اُس دور میں ملی جس دور میں اُن کی ذاتِ والا سے وہ کام لینا مقدر تھا جس کو کبھی "إِنَّ مِنكُمْ مَنْ يُقَاتِلُ عَلَى تَأْوِيلِ

(1) بدائع الفوائد لابن قیم الجوزیۃ ج ۳ص ۷۲۴، وط: ص ۱۱۶۹، ۱۱۶۸۔

اَلْقُرْآنِ .... کے الفاظ میں بیان کیا گیا، کبھی ''اُمِرْتُ بِقِتَالِ النَّاکِثِیْنَ ..... کے الفاظ میں ذکر کیا گیا، اِسی میں قصاص کا بہانہ بنانے والے طالب الدنیا باغیوں کو بے نقاب کرنا اور خوارج کی بیخ کنی کرنا بھی شامل تھا۔

اہلِ قبلہ سے جنگ میں مولیٰ علی علیہ السلام کی افضلیت

اِس سے قبل ہم وہ حدیث متعدد الفاظ اور متعدد حوالہ جات کے ساتھ نقل کر چکے ہیں جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس طرح میں نے نزولِ قرآن کی تکمیل کے لیے جنگ کی ہے اِسی طرح علی تاویلِ قرآن کے لیے جنگ کرے گا۔ ذرا سوچئے کہ نزولِ قرآن کی تکمیل مدینۃ العلم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تو تاویلِ قرآن کی تکمیل بابُ مدینۃ العلم مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمائی۔ تاویل کا معنیٰ ہے بات کی حقیقت تک پہنچنا، سیدنا یوسف علیہ السلام کی شان میں لفظ تاویل استعمال کر کے فرمایا کہ اُن پر خوابوں کی حقیقت عیاں تھی جبکہ سیدنا علی علیہ السلام کی شان میں فرمایا کہ اُن پر قرآن مجید کی حقیقت عیاں تھی۔ چونکہ تنزیلِ قرآن کی تکمیل کے بعد تاویلِ قرآن کی تکمیل کا مرحلہ آتا ہے اور یہ غیر معمولی اعزاز ہے، اِس لیے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کا نام لیے بغیر مطلقاً فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص یہ مرحلہ طے کرے گا تو باری باری شیخین کریمین رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ! کیا وہ شخص میں ہوں؟ فرمایا: نہیں۔ پھر فرمایا: وہ ہماری جوتی کی مرمت کرنے والا ہے اور اُس وقت سیدنا علی علیہ السلام حجرہ میں نعل مبارک کی مرمت فرما رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح آخری اور تمام آسمانی کتب کی جامع کتاب کی تنزیل کی تکمیل فرمانے والی ذات انبیاء کرام علیہم السلام میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے اسی طرح غیر انبیاء میں تاویلِ قرآن کی تکمیل فرمانے والی ذات بھی سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کسی اور شخص کو اِس عنایتِ ربانی کی قدر و منزلت

سمجھ آئے یا نہ آئے لیکن صحابہ کرام خصوصاً سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو فوراً اِس کی قدر و منزلت کا احساس ہو گیا تھا تو بھری مجلس میں اُنہوں نے بیٹھے بیٹھے نہیں بلکہ کھڑے ہو کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ میں ہوں؟ فرمایا: نہیں بلکہ وہ علی ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اندازہ فرمایئے کہ سیدنا علی علیہ السلام کا جو قابلِ رشک اعزاز تھا اُسی کو کچھ سفہائے امت اُن کی ناکامی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عقل کے اندھوں کو یہ حقیقت سمجھ آ ہی نہیں سکتی کہ تنزیلِ قرآن کی تکمیل کا تعلق کفار سے تھا جبکہ تاویلِ قرآن کا تعلق اہل قبلہ اور کلمہ گو لوگوں سے ہوتا ہے۔ اہل قبلہ میں سے ہر ایک اپنے تئیں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو صحیح سمجھ رہا ہے مگر صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی واضح فرما دیا تھا کہ علی سے بڑھ کر قرآن مجید کو سمجھنے والا اور امن و جنگ میں اُس پر عمل کرنے والا کوئی نہیں۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبارک کتاب "خصائص أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ" کے آخری صفحات میں اِن جنگوں کے متعلق احادیث درج فرمائی ہیں اور قربان جاؤں کہ اُنہوں نے جو ترتیب رکھی ہے اُس سے ہی از خود روشن ہوتا چلا جاتا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام کے متعلق احادیث نبویہ میں جو پیش گوئیاں آئی تھیں اُن میں سے ہر ایک پیش گوئی عملاً جب جب سامنے آتی گئی تو مولیٰ مرتضیٰ علیہ السلام کی حقیت، حقانیت اور افضلیت کو آشکار کرتی چلی گئی، حتیٰ کہ ایک ایسا موقع بھی آیا کہ وہ ہستی جنہیں کسی خیر کے معاملہ میں سیدنا علی علیہ السلام کا نام زبان پر لانا بھی گوارا نہیں تھا وہ بھی اہل قبلہ کے ساتھ سیدنا علی علیہ السلام کی آخری جنگ کے تذکرہ کے موقع پر بول اُٹھی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ خوارج کو میری اُمت کا بہترین شخص قتل کرے گا۔ اِس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سیدنا علی علیہ السلام کی جو جو افضلیت بیان فرمائی تھی وقت گزرنے کے

ساتھ ساتھ ہر وہ افضلیت ''اَلْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ'' کے مطابق عملِ مرتضوی کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہوتی رہی۔

اگر اِس سلسلے میں آپ فقیر کی کتاب ''شرح خصائص علي علیہ السلام'' کی حدیث ۱۵۲ سے لے کر حدیث نمبر ۱۸۸ تک کا مطالعہ فرمائیں تو آپ اِس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جن کٹھن اور جنگی مراحل سے سیدنا علی علیہ السلام گزرتے گئے قرآن مجید کی تاویل کا عملی نمونہ بخشتے گئے اور حق کو نکھارتے چلے گئے۔ آخر یونہی تو نہیں اُن کے حق میں دعا فرمائی گئی تھی کہ ''اے اللہ! حق کو اُدھر کرتا جا جدھر علی ہوتا جائے''۔

تفضیلِ مرتضوی کو بدعت کہنے میں بعض فقہاء کی خطا

اگر مسلمان انسان خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ساتھ اُن کی خلافت کو بھی درست مانتا ہو لیکن سیدنا علی علیہ السلام کی تفضیل کا قائل ہو تو اُس کا یہ موقف کتاب و سنت، اہل بیت کرام اور کثیر صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے نظریے کے مطابق ہے لیکن حیرت ہے کہ بعض فقہاء کرام نے بلا سوچے سمجھے اِس نظریے کو بدعت اور اِس کے قائل کو مبتدع کہہ دیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ شروع شروع میں کسی غیر معتدل عالم یا فقیہ نے لکھ دیا ہو گا کہ سیدنا علی علیہ السلام کی تفضیل کا قائل بدعتی ہے تو اُس کے بعد دوسرے علماء بھی بلا تردد و تدبر اُس کی عبارت کو نقل کرتے چلے گئے ہوں گے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس قول کو بہت سے علماء و فقہاء سے یکجا جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''عجب اُس سے جو اجماعِ صحابہ و تابعین و کافۂ اہلِ سنت کا خلاف کرے پھر (اپنے) آپ کو سنی جانے، اے عزیز! جیسے تمام ایمانیات پر یقین لانے سے آدمی

مسلمان ہوتا ہے اور ایک کا انکار کافر و مرتد کر دیتا ہے اسی طرح سنی وہ جو تمام عقائد اہل سنت میں اُن کے موافق ہو، اگر ایک میں بھی خلاف کرتا ہے ہرگز سنی نہیں بدعتی ہے۔ اسی لیے علماء دین تفضیلیہ کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے اور اُنہیں اہل بدعت کی شاخ جانتے ہیں۔ ابو شکور سالمی تمہید میں فرماتے ہیں:

وبعض کلامهم بدعة ولایکون کفرا وهوقولهم بان علیا رضي الله تعالیٰ عنه کان افضل من ابي بکر وعمر وعثمان رضی الله تعالیٰ عنهم۔

اور بعض کلام اُن کا بدعت ہے کفر نہیں اور وہ یہ قول اُن کا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل ہیں۔

عقائد بزدوی میں ہے:

اقلهم غلوا الزیدیة فانهم کانوا لایکفرون احدا من أصحاب رسول الله صلی الله علیه [وآله]وسلم ویقولون ان ابابکر وعمر کانا امامي حق ویفضلون علیا علی سائر الصحابة۔

سب رافضیوں میں کمتر غلو و شدت میں زیدیہ ہیں کہ وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ [وآلہ] وسلم میں کسی کو کافر نہیں کہتے اور کہتے ہیں کہ ابو بکر و عمر خلیفۂ برحق تھے اور تفضیل دیتے ہیں علی کو باقی صحابہ پر۔

غنیۃ الطالبین شریف میں کہ مشہور بذات پاک حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عقیدۂ روافض میں مرقوم:

ومن ذلك تفضیلهم علیا علی جمیع الصحابة۔

عقائدِ روافض سے ہے اُن کا تفضیل دینا علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ پر۔

شرح قصیدۂ امالی سے گزرا:

من أنکرہ یوشك ان فی ایمانه خطرا۔

جو شخص تفضیل شیخین سے انکار کرے قریب ہے کہ اُس کے ایمان میں خطرہ ہو۔

امام ابو عبداللہ ذہبی امیر المؤمنین علی سے تفضیلِ شیخین کا بتواتر منقول ہونا ذکر کرکے فرماتے ہیں: قبح الله الرافضة ما جهلهم۔ (خدا رافضیوں کا برا کرے کس قدر جاہل ہیں یعنی حضرت مولیٰ کی محبت کا دعویٰ پھر اُن کا ایسا صریح خلاف۔

فتاوی خلاصہ میں ہے:

ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع۔

روافض میں سے جو حضرت علی کو دوسروں پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

فی الروافض من فضل علیا علی الثلاثة فمبتدع۔

روافض میں سے جو حضرت علی کو خلفائے ثلاثہ پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع۔

رافضی اگر حضرت علی کو دوسروں پر فضیلت دے تو وہ بدعتی ہے۔

علامہ عبد العلی برجندی شرح نقایہ اور علامہ شیخ زادہ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر

میں فرماتے ہیں:

الرافضی ان فضل علیا فھو مبتدع۔

رافضی اگر حضرت علی کو دوسروں پر فضیلت دے تو وہ بدعتی ہے۔

شمس قہستانی کی شرح نقایہ میں ہے:

یکرہ امامۃ من فضل علیا علی العمرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

جو حضرت علی کو شیخین پر فضیلت دے اس کی امامت مکروہ ہے۔

اشباہ والنظائر میں ہے:

ان فضل علیا علیہما فھو مبتدع۔

اگر مولیٰ علی کو شیخین سے افضل بتائے تو وہ بدعتی ہے۔

علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں:

من فضل علیا فحسب فھو من المبتدعۃ۔

جو مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو صرف افضل بتاتا ہے وہ اہل بدعت سے ہے۔

علامہ بحر العلوم ملک العلماء مولانا عبد العلی لکھنوی قدس سرہ العزیز رسائل ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں:

اما الشیعۃ الذین یفضلون علیا علی الشیخین ولا یطعنون فیہما أصلا کالزیدیۃ فتجوز خلفھم الصلاۃ لکن تکرہ کراھۃ شدیدۃ۔

وہ شیعہ جو مولیٰ علی کو شیخین پر تفضیل دیتے ہیں اور شیخین کی شان پاک میں اصلاً طعن نہیں کرتے جیسے زیدیہ اُن کے پیچھے نماز جائز تو ہے لیکن سخت کراہت

کے ساتھ مکروہ۔

فاضل سید ابن عابدین شامی رد المحتار علی الدر المختار میں فرماتے ہیں:

اذا کان یفضل علیا اویسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر۔

جبکہ مولیٰ علی کی تفضیل مانے یا صحابہ کو برا کہے تو وہ بدعتی ہے نہ کافر"۔[1]

قارئینِ کرام! خدارا انصاف فرمائیے! شیعہ اگر کہیں کہ خلافت کے لیے افضل ہونا شرط ہے تو اُن کا یہ کہنا بکواس ہے اور اگر غیر شیعہ شخص کسی قسم کی شرط کے بغیر سیدنا علی علیہ السلام کی افضلیت و تفضیل کا قول فقط اِس لیے کرے کہ جتنا اُن کے فضائل میں احادیث صحیحہ اور حسنہ آئی کسی بھی دوسرے صحابی کی فضیلت میں نہیں آئیں تو وہ بدعتی، خارج از اہل سنت اور مستحق عذابِ نار ہے، جبکہ دوسری طرف ہمارے مفتیان وغیرہ کے غیض وغضب کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص دلائل کی بنا پر حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل کی قطعیت اور اُس کے اجماعی ہونے میں اختلاف کرے تو اُس پر فتووں کی بارش کر دیتے ہیں اور جہنم سے پہلے تو کہیں رُکتے ہی نہیں۔ آخر انہوں نے یہ کیوں سمجھ لیا ہے کہ اُن کی تمام باتیں آیات اور دوسروں کی ساری باتیں بکواسات؟

قولِ فقہاء کا قرآن مجید کے خلاف ہونا

یہ چودہ حضرات کی کتب کے حوالہ جات ہیں، مطلع القمرین کے ساتھ پندرہ بن جاتے ہیں اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عالمگیری کا حوالہ رہ گیا، اُس میں یہی بات یوں مذکور ہے:

الرَّافِضِيُّ إِذَا كَانَ يَسُبُّ الشَّيْخَيْنِ وَيَلْعَنُهُمَا ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ، فَهُوَ كَافِرٌ . وَإِنْ كَانَ يُفَضِّلُ عَلِيًّا كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهُ عَلٰى أَبِي بَكْرٍ

(1) مطلع القمرین في إبانة سبقة العمرین ص ۱۶۸، ۱۶۴۔

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ لَايَكُونُ كَافِرًا إِلَّا أَنَّهُ مُبْتَدِعٌ.

"رافضی جب شیخین کو برا کہے اور معاذ اللہ اُن پر لعنت کرے تو وہ کافر ہے اور اگر وہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دے تو وہ کافر تو نہیں مگر بدعتی ہے"۔ (1)

اِس کے ساتھ یہ سولہ حوالہ جات ہو گئے۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد کتب ہو سکتی ہیں جن میں نقل در نقل یہ خلافِ حق بات چلائی گئی ہو لیکن جتنا بھی زیادہ کتب میں یہ بات مذکور ہو سب بے سود، کیونکہ یہ محض قول ہے اِس کے پیچھے دلائل کی کوئی قوت نہیں ہے۔ اِن سب کے برعکس جو شخص سیدنا علی علیہ السلام کی دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل کا قول کرتا ہے تو وہ سب پر بھاری ہے، اِس لیے کہ اُس کے ساتھ قرآن و سنت دونوں ہیں۔ وہ اِس طرح کہ سیدنا علی علیہ السلام تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایمان و نماز میں سابق ہیں ماسوا سیدہ خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے، اور جو سابق ہو اُس کے لیے سورۃ الواقعہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلسَّٰبِقُونَ ﴿١٠﴾ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾

"اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقرب بارگاہ ہیں"۔

جو لوگ سیدنا علی علیہ السلام کی تقدیم ایمانی کو اُن کی کم سنی کی نظر کر دیتے ہیں اُن کا فلسفہ کم از کم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن دو حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں۔

۱۔ اوّلاً وہ حدیث جس میں چار شیر خوار بچوں کے کلام کرنے اور گواہی دینے کا تذکرہ ہے۔

۲۔ ثانیاً وہ حدیث جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدۂ کائنات علیہا السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ

---

(1) الفتاوى الهندية [عالمگيري] ج ٢ ص ٢٨٦۔

علی میری پوری امت سے اسلام میں مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کے کلام و قیاس پر کلام نبوی ﷺ مقدم ہے۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تو ضعیف حدیث بھی قیاس سے بہتر ہے۔ چنانچہ امام ذہبی اور دوسرے حضرات ابن حزم ظاہری سے نقل کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

جَمِيعُ أَصْحَابِ حَنِيفَةَ مُجْمِعُونَ عَلَى أَنَّ مَذْهَبَ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ ضَعِيفَ الْحَدِيثِ أَولَى عِنْدَهُ مِنَ الْقِيَاسِ وَالرَّأْيِ.

"تمام پیروکارانِ ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ اِس امر پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اُن کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس اور رائے سے بہتر ہے"۔ (1)

بعض علماء کی ناپاک جرأت

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ سراج الامہ، امام الأئمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حدیث شریف کی اتنی اہمیت تھی کہ وہ قیاس ورائے پر ضعیف حدیث کو بھی ترجیح دیتے تھے لیکن مسئلۂ تفضیل میں بعض متشدد علماء اِس حد تک آگے نکل گئے کہ الامان والحفیظ، خود ہی پڑھ لیجئے!

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

"بلکہ انصافاً تفضیلِ شیخین کے خلاف کوئی حدیثِ صحیح بھی آجائے تو قطعاً واجب التأویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تأویل نہ ہو، واجب الرد کہ تفضیل شیخین متواتر و اجماعی ہے اور متواتر و اجماعی کے مقابل آحاد ہرگز نہ سنے

(1) مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي ص ٣٤؛ تاريخ الإسلام للذهبي ج ٩ ص ٣١٠؛ إعلام الموقعين لابن القيم ج ١ ص ٨٢، وط: ج ٢ ص ١٤٥؛ الخيرات الحسان لابن حجر مكي ص ٦٣؛ عقود الجمان للصالحي ص ٢٨٢؛ قواعد في علوم الحديث للظفر أحمد التهانوي ص ٩٥؛ إمام أبو حنيفه كى محدثانه حيثيت، نعمت الله حقاني ص ٩٨۔

جائیں گے"۔[1]

معاذ اللہ ،لاحول ولاقوۃ إلاباللہ۔ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کیسا اجماع؟ اللہ تعالیٰ مذہبی تعصب سے محفوظ رکھے۔نہ تو تفضیل شیخین پر کبھی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا اجماع قابلِ قبول ہو سکتا ہے جو فرمانِ رسول ﷺ کے خلاف ہو۔فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس پر علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ اُن کے نزدیک تفضیلِ صدیقی قطعی ہے،لہٰذا اِس کے مقابلہ میں ظن نہیں آسکتا۔علامہ قسطلانی کا یہ دعوائے قطعیت واجماع بھی بلادلیل اور باطل ہے۔ اِن دونوں حضرات کے اِس دعوائے اجماع کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ امام نووی نے دعویٰ کیا کہ گوہ کے حلال ہونے پر اجماع ہے یا جیسا کہ صاحبِ ھدایہ نے دعویٰ فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

بعض علماءِ ہند کا تضاد

فاضل بریلوی نے اپنی اُس کتاب میں جو تفضیل شیخین کے اثبات میں لکھی ہے اُس میں تفضیلی کو سنی تسلیم نہیں کیا، جیسا کہ آپ چند صفحات قبل اُن کی کتاب "مطلع القمرین" کے حوالہ سے پڑھ چکے ہیں۔چند الفاظ پھر توجہ سے پڑھ لیجئے:

"سنی وہ جو تمام عقائد اہل سنت میں اُن کے موافق ہو،اگر ایک میں بھی خلاف کرتا ہے ہرگز سنی نہیں بدعتی ہے۔اسی لیے علماء دین تفضیلیہ کو سنیوں میں شمار نہیں کرتے"۔[2]

جبکہ ایک اور مقام میں فاضل بریلوی نے کسی اہل حدیث مولوی کی تردید میں شیخین کے باادب

(1) فتاوی رضویہ ج۵ ص ۵۸۱۔

(2) مطلع القمرین في إبانة سبقة العمرین ص ۱۶۴۔

مگر سیدنا علی علیہ السلام کی افضلیت کے قائل کو سنی ثابت کیا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"ثالثاً: یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برِفض ہونے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں عبارتِ تقریب رُمِيَ بِالتَّشَيُّعِ، ملاجی کو بایں سال خوردی و دعویٰ محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاوراتِ سلف و اصطلاح محدثین میں تشیع و رِفض میں کتنا فرق ہے؟ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے، حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلِ سنت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبتِ اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے، حالانکہ یہ محض سُنیت ہے"۔(1)

علاوہ ازیں دوسرے مسائل میں بھی موصوف کی کتب میں تضادات موجود ہیں۔

فقہاء کرام کا رفض و تفضیل کو گڈمڈ کرنا

مذکورہ بالا فقہاء کرام میں سے اکثر نے دو باتوں کو گڈمڈ کر دیا ہے، اُنہوں نے رافضی اور تفضیلی کو یکساں یا قریب قریب سمجھ لیا ہے حالانکہ اِن دونوں میں بہت واضح فرق ہے۔ چنانچہ رافضی اُسے کہتے ہیں جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کا دشمن ہو اور ایسے شخص سے شیخین رضی اللہ عنہما پر سبّ و شتم اور لعنت وغیرہ ہر چیز متوقع ہے، جبکہ سیدنا علی علیہ السلام کو شیخین یا دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر

(1) فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۱۷۴ تا ۱۷۶ بتصرف یسیر۔

فضیلت دینے والا ایسی ہر قسم کی برائی سے پاک ہوتا ہے۔ رافضی (شیخین سے اظہارِ براءت کرنے والے) کو اور تفضیلی (مولا علی علیہ السلام کو دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھنے والے) کو یوں گڈمڈ کرنا اور دونوں کو ایک یا قریب قریب ہی سمجھنا ہمارے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی بدنظمی کی دلیل اور سراسر ظلم وزیادتی ہے۔

بعض علماءِ عقائد کا غیر مدبرانہ کلام

بعض علماء عقائد نے تو اِس بدنظمی کی حد ہی کر دی ہے۔ چنانچہ فاضل بریلی کی عبارت میں ''عقائد بزدوی'' کے حوالہ سے ایک عبارت گزر چکی ہے، اُس ''عقائد بزدوی'' سے مراد علامہ ابو الیسر محمد البزدوی کی کتاب ''أصول الدین'' ہے۔ اُنہوں نے پہلے یہ عنوان قائم کیا ہے: ''بیان مذهب الروافض'' (رافضیوں کے مذہب کے بیان میں) پھر اِس کے تحت روافض کے چند فرقوں کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے:

وَأَقَلُّهُمْ شَرًّا ((الزَّيْدِيَّةُ)) فَإِنَّهُمْ كَانُوا لَايُكَفِّرُونَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ عليه السلام وَيَقُولُونَ إِنَّ أَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَا إِمَامَيْ حَقٍّ وَلٰكِنْ يُفَضِّلُونَ عَلِيًّا عَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ ، وَإِنَّمَا سُمُّوا رَوَافِضَ لِأَنَّهُمْ وَقَعُوا فِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ ، فَزَجَرَهُمْ زَيْدٌ ، فَرَفَضُوهُ وَتَرَكُوهُ ، فَسُمُّوا مِنْ يَوْمَئِذٍ رَوَافِضَ.

''اور اِن تمام فرقوں سے کم سے کم شر والا فرقہ زیدیہ ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور کہتے ہیں: حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما امام حق ہیں لیکن وہ سیدنا علی علیہ السلام کو تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اُن کا

نام روافض اِس لیے پڑا کہ وہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی برائی میں پڑے تو سیدنا زید علیہ السلام نے اُنہیں ڈانٹا تو اُن لوگوں نے امام زید علیہ السلام کو دور کر دیا اور اُنہیں چھوڑ دیا۔ پس اُس دن سے اُن کا نام روافض پڑ گیا"۔ (1)

اندازہ فرمائیے! جو لوگ شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کو برحق مانتے ہیں اور کسی صحابی کی تکفیر بھی نہیں کرتے اُنہیں ابو الیسر بزدوی فقط اِس لیے نسبتاً کم برے کہہ رہے ہیں کہ وہ سیدنا علی علیہ السلام کو باقی صحابہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ یہ ابو الیسر بزدوی کی ہفوات کا حصہ ہے، کیونکہ یہ نظریہ فقط زیدیہ کا نہیں بلکہ اُن کے امام سیدنا زید بن علی زین العابدین علیہما السلام کا مذہب بھی یہی تھا، جیسا کہ ہم اِس قبل نقل کر چکے ہیں اور بشمول فاضل بریلی متعدد علماء اسلام کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ تفضیلِ مرتضوی کے قائل اِس امام کی اِن کی شہادت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و کرامت تھی جس کا نظارہ اہلِ دنیا سالہا سال تک کرتے رہے۔

یہاں ابو الیسر بزدوی اِس حد تک ڈانواں ڈول ہوئے کہ ایک طرف تو اُنہوں نے زیدیہ کو روافض کا فرقہ قرار دیا اور دوسری طرف یہ بھی لکھا کہ اُنہیں روافض اِس لیے کہا گیا کہ اُنہوں نے شیخین کی برائی کی تھی۔ علامہ بزدوی کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ جن لوگوں نے سیدنا امام زید بن علی علیہما السلام کو چھوڑ دیا تھا وہ اور بعد والے اُن کے تمام ہمنوا روافض کہلاتے ہیں اور جن لوگوں نے امام پاک کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا وہ اور قیامت تک اُن کے پیروکار زیدیہ کہلاتے ہیں۔ زیدیہ اور روافض دونوں کو ایک سمجھنا ایسا ہے جیسا کہ دن اور رات کو ایک سمجھنا یا مسلم اور مجرم کو یکساں سمجھنا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

---

(1) أصول الدين لأبي اليسر البزدوي ص ۲۵۵۔

تفضیلِ شیخین کے تواتر کا دعویٰ

فاضل بریلی نے امام ذہبی کے حوالہ سے نقل کیا کہ امیر المؤمنین علی سے تفضیلِ شیخین کا بتواتر منقول ہونا مذکور ہے۔ امام ذہبی کا یہ دعویٰ اِسی طرح بلا دلیل ہے جس طرح فاضل بریلی کی درجِ بالا عبارت کے یہ ابتدائی الفاظ دعویٰ بلا دلیل ہیں:

”عجب اُس سے جو اجماعِ صحابہ و تابعین و کافہ ٔاہلِ سنت کا خلاف کرے پھر (اپنے) آپ کو سنی جانے“۔

صحابہ، تابعین اور کافہ ٔاہل سنت کا کبھی بھی اجماع نہیں ہوا، اگر صحابہ کا اجماع ہوا ہوتا یا بقول امام ذہبی مولا علی علیہ السلام سے تفضیل شیخین تواتر کے ساتھ ثابت ہوتی تو پھر اہل بیت کرام اور کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تفضیلِ مرتضوی کا قول کیوں کرتے؟ خصوصاً سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے بابا کریم علیہ السلام کی شہادت سے ایک دن بعد یوں کیوں فرماتے:

لَقَدْ كَانَ فِيكُمْ بِالْأَمْسِ رَجُلٌ مَا سَبَقَهُ الْأَوَّلُونَ وَلَا يُدْرِكُهُ الْآخِرُونَ.

”کل تم میں ایک ایسا شخص تھا جس کے مرتبہ کو اولین پہنچے اور نہ ہی آخرین پہنچیں گے“۔

یہ حدیث متعدد حوالہ جات کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے۔

وہ کیسا اجماعِ صحابہ اور کیسا تواترِ مرتضوی جس سے اہل بیت کرام علیہم السلام بے خبر ہوں؟

کیا تفضیلِ مرتضوی کا قول بدعت ہے؟

فاضلِ بریلی نے جو فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا کلام نقل کیا ہے وہ تقریباً ایک ہی قول ہے

جسے متعدد حضرات نے نقل کر دیا ہے۔ سب نے سیدنا علی ؑ کی افضلیت کے قائل کو مبتدع (بدعت کا مرتکب) قرار دیا ہے اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہ بات کتاب و سنت کے بھی خلاف ہے اور کثیر صحابہ اور اہل بیت کرام علیہم السلام کی تصریحات کے بھی منافی ہے۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ شرعاً بدعت ایسی بات کو کہتے ہیں جس کی اصل کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ پائی جائے جبکہ سیدنا علی ؑ کی افضلیت کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم تینوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ:

الف: ہم گزشتہ سطور میں بعض آیات لکھ چکے ہیں کہ سابقون ہی سابقون ہیں۔

ب: حدیث نبوی پیش کر چکے ہیں کہ سیدنا علی ﷺ ساری امت سے اسلام میں مقدم، علم میں اکثر اور حلم میں برتر ہیں۔

ج: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کر چکے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے: اہل مدینہ میں سب سے افضل علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔

د: سیدنا امام حسن مجتبیٰ ؑ کا ارشاد لکھ چکے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: اوّلین اُن کے بابا کریم ؑ سے سبقت نہیں کر سکے اور آخرین اُن کے مرتبہ کو پہنچ نہیں سکیں گے۔

علاوہ ازیں حدیث الرایۃ (خیبر والی حدیث)، حدیث المنزلۃ، حدیث الموالاۃ، حدیث المباہلۃ اور دوسری متعدد احادیث میں سیدنا علی ؑ کی ایسی خصوصیات کا ذکر ہے جو اُن کی فضیلت کی نہیں بلکہ افضلیت کی دلیل ہیں۔

غور فرمایئے! کچھ لوگ جشن میلاد النبی ﷺ، ایصالِ ثواب، عرس، گیارھویں شریف، دعا بعد نمازِ جنازہ، شب براءت کی اجتماعی عبادت وغیرہ امور کو بدعت کہتے ہیں اور دوسرے لوگ اِن تمام چیزوں کو ثابت کرنے کی کوشش میں احادیث وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ ہمارا اِن

اُمور کے قائلین اور منکرین سب سے سوال ہے کہ انصاف سے بتلائیں کہ کیا افضلیتِ مرتضوی بھی ایسا غریب، اجنبی اور بدعتی (انوکھا اور نیا) مسئلہ ہے جس کی گونج ظاہری دورِ نبوی، دورِ صحابہ اور دورِ تابعین میں نہیں تھی؟ اگر نہیں تھی تو واضح کریں اور اگر تھی تو پھر بتلائیں کہ جب کسی مسئلہ کی حقانیت میں نصوصِ صریحہ اور دلائلِ واضحہ شروع سے موجود ہوں تو پھر اُسے بدعت اور اُس کے قائل کو مبتدع کہنا کیسی فقاہت ہے اور کہاں کی دیانت ہے؟

ابتدائی صفحات میں ہم درجِ ذیل اعترافاتِ اہلِ سنت کو مع عربی عبارات لکھ چکے ہیں ایک مرتبہ اُن کا خلاصہ پھر پڑھ لیں:

- امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے سات اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے ہیں کہ وہ سیدنا علی علیہ السلام کی دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تفضیل کے قائل تھے۔
- علامہ ابن حزم ظاہری نے بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے جو تفضیلِ مرتضوی کے قائل تھے۔
- امام باقلانی نے لکھا ہے کہ کثیر صحابہ کے نزدیک تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ مشہور تھی۔
- اِنہوں نے ہی دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک قوم تفضیلِ مرتضوی کا مذہب رکھتی تھی۔
- اِنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی اور اُن کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تفضیل مرتضیٰ کا اظہار کرتی تھی۔
- امام ذہبی جیسے آدمی کو اِسی لیے لکھنا پڑا تھا کہ تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ رفض ہے اور نہ ہی بدعت بلکہ یہ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔

❁ بعض ائمہ اہل سنت نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ علی علیہ السلام اہل بیت سے ہیں اُن پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

جب تفضیلِ مرتضوی پر اِس قدر احادیث نبویہ، اقوالِ صحابہ، اقوالِ تابعین اور تصریحاتِ علماءِ اہل سنت موجود ہیں تو پھر کچھ فقہاء کا اور بعض متشددین کا تفضیلِ مرتضوی کے قول کو بدعت اور قائل کو مبتدع کہنا نہ صرف یہ کہ بے خبری کی دلیل ہے بلکہ کتاب وسنت، اقوالِ اہل بیت کرام علیہم السلام اور اقوالِ صحابہ عظام رضی اللہ عنہم سے تصادم بھی ہے۔

بات دراصل وہی ہے کہ غیر سنی لوگوں کے مذہب کی ضد میں اوّلاً کسی سنی عالم اور فقیہ سے اِس مسئلہ میں خطا ہوگئی تو دوسرے بھی بلا تامّل اُس کی عبارت کو نقل کرتے چلے گئے اور بسا اوقات انسان سے ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ بے دھیانی میں اپنے سے سابق کی خطا کی پیروی کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

وَقَدْ يَقَعُ كَثِيرًا أَنَّ مُؤَلِّفًا يَذْكُرُ شَيْئًا خَطَأً فِي كِتَابِهِ فَيَأْتِي مَنْ بَعْدَهُ مِنَ الْمَشَايِخِ فَيَنْقُلُونَ تِلْكَ الْعِبَارَةَ مِنْ غَيْرِ تَغْيِيرٍ وَلَا تَنْبِيهٍ، فَيَكْثُرُ النَّاقِلُونَ لَهَا وَأَصْلُهَا لِوَاحِدٍ مُخْطِئٍ.

”بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مصنف اپنی کتاب میں کوئی چیز خطا کے طور پر ذکر کر جاتا ہے تو اُس کے بعد آنے والے مشائخ اُس عبارت کو کسی قسم کی تبدیلی اور تنبیہ کے بغیر نقل کرتے چلے جاتے ہیں، پس اُس عبارت کے ناقلین کثیر ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل خطا کرنے والا ایک ہی تھا“۔(1)

---

(1) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب البیع، باب المتفرقات ج ۶ ص ۳۰۸۔

کبھی زلّات و تضاداتِ اسلاف کا اظہار نیکی ہو جاتا ہے

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "مطلع القمرین" میں بلا تامل و تدبر جو چودہ پندرہ عبارات نقل فرمائی ہیں وہ اُن کی اُس عبارت کے خلاف ہیں جسے ہم فتاوی رضویہ کی پانچویں جلد سے نقل کر چکے ہیں اور یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کھلا تضاد ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھی علماء حق کی طرف سے اُن کے تضادات پر مستقل تحریر منظر عام پر آئے گی اور اُن کی کتاب مطلع القمرین کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔ ہر چند کہ مطلع القمرین میں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اُس طرح افراط و تفریط نہیں ہوئی جس طرح علامہ ابن تیمیہ سے منہاج السنۃ میں ہوئی، تاہم اُن کی یہ کتاب افراط و تفریط، تضادات اور اغلاط و خطا سے محفوظ نہیں رہ سکی۔

اِس کی ضرورت اِس لیے محسوس کی گئی کہ دورِ حاضر میں اعلیٰ حضرت کی محبت کا دم بھرنے والے کچھ ایسے نادان دوست پیدا ہو چکے ہیں جو اعلیٰ حضرت کی ہر ہر بات کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، اُن کی کتب کو اغلاط سے یکسر منزہ اور مبراء قرار دیتے ہیں اور کانوں کو ہاتھ لگا کر کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے علاوہ اُن کے کان کسی دوسرے کی بات سننے سے بہرے ہیں، حالانکہ ایسا خیال شرک فی الرسالت کے مترادف ہے۔ اندریں حالات ضروری ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تصنیفی غلطیاں اور تضادات کو آشکار کیا جائے تاکہ پبلک ایسی گمراہ کن عقیدت سے محفوظ رہے جو مآل کار فتنوں کا سبب بن جاتی ہے۔ دراصل ایسی سوچ انسان کو جمود میں مبتلا کر دیتی ہے اور چونکہ جمود انسان کو علمی وسعت سے محروم کر دیتا ہے اِس لیے جمود کا شکار انسان ہر اُس شخص کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے جو اُس کے بزرگ کی کسی بات سے اختلاف کرے، خواہ وہ بات حقیقت میں غلط ہی کیوں نہ ہو۔ جمود میں مبتلا آدمی کے اندر اپنے بزرگ کے علاوہ کسی دوسرے کی صحیح بات کو بھی سننے کی گنجائش نہیں رہتی۔

لطیفہ

ایسے عالم نما جہلاء سے متاثر ایک شخص کی انتہا پسندی ملاحظہ فرمائیے۔ راقم الحروف نے اپنے ایک عالم دوست کے اعزاز میں اُن کے والد صاحب کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ مختلف اشیاء تیار کی گئیں، جن میں ایک خشک سالن یعنی شوربے کے بغیر بھی تھا۔ میں اُس سالن کو برتن کے بجائے روٹی پر رکھ کر کھانے لگا تو وہ بزرگ بول اُٹھے کہ اِس طرح روٹی پر سالن رکھ کر کھانا مکروہ ہے۔ میں نے اُن کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے ادباً عرض کیا: چلیے حضرت! میں برتن سے ہی کھالیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں نے عرض کیا: حضرت ویسے فتاوی شامی کتاب الحظر والإباحة میں ہے کہ اِس طرح خشک سالن روٹی پر رکھ کر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر میں نے ردالمحتار مطبوعه دار إحياء التراث العربي، بیروت کی نویں جلد اُٹھا کر وہ مقام پیش کیا تو بزرگ فرمانے لگے: ہمیں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے یہ مسئلہ دکھائیے تو مانیں گے۔ اِس جمود وجہالت پر میں سٹ پٹا گیا اور خود پر کنٹرول کرتے ہوئے اُنہیں عرض کیا: حضرت کھانے سے فراغت کے بعد ہم آپ سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تمام موضوعات پر مثلاً تفسیر، حدیث، شروح حدیث، تصوف، سیرۃ النبی، فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب وغیرہ جتنی کتب ہیں سب کے نام لکھ لیں گے اور خرید کر اپنی لائبریری میں رکھیں گے۔ پھر ان شاء اللہ دین ودنیا کا کوئی بھی مسئلہ اعلیٰ حضرتؒ کی کتب کے علاوہ کسی دوسری کتاب سے پیش نہیں کریں گے۔ میری اِس تعریض پر اُن کے فرزند زیرِلب مسکراتے رہے۔

بزرگوں سے محبت میں اِس قسم کی انتہا پسندی میں بزرگوں کا قصور نہیں ہوتا بلکہ بعد کے پڑھے لکھے مگر جمود پسند جہلاء کی اندھی عقیدت کا قصور ہوتا ہے۔ ایسے اندھے عقیدت منداور انتہا پسند پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے انتہا پسندوں سے واسطہ پڑا تھا، جن کے

سامنے حدیث نبوی پیش کی جاتی تو وہ کہتے: فلاں امام اِس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ ایسی اندھی عقیدت کو کچلنے کی خاطر امام محمد بن ادریس الشافعی کو اپنے ہی استاذ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تردید میں کتاب لکھنا پڑ گئی تھی۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ الساجی کی کتاب میں پڑھا کہ اُنہیں مصریوں نے بیان کیا کہ امام شافعی نے امام مالک کے خلاف کتاب اِس لیے لکھی کہ اُنہیں معلوم ہوا کہ اندلس میں امام مالک کی ایک ٹوپی موجود ہے جس کے وسیلے سے لوگ بارش کی دعا کرتے ہیں، اور اُن لوگوں کو اگر کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے تو وہ کہتے ہیں: امام مالک نے یہ فرمایا ہے۔ اِس پر امام شافعی نے فرمایا: امام مالک بشر تھے وہ خطا اور غلطی کرتے تھے، پس اِسی بات نے امام شافعی کو امام مالک کے خلاف کتاب لکھنے پر اُبھارا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: میں اِس بات کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن میں نے ایک سال تک اللہ تعالیٰ سے اِس پر استخارہ کیا تو پھر کتاب لکھی''۔ (1)

خود امام شافعی کو بھی اپنے ایسے اندھے معتقد کے ساتھ واسطہ پڑ گیا تھا۔ چنانچہ امام بیہقی لکھتے ہیں:

> ''محدث حمیدی بیان کرتے ہیں کہ مصر میں امام شافعی سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا تو اُنہوں نے اُسے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اِس بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے: اِس پر وہ شخص کہنے لگا: آپ بھی

---

(1) مناقب الشافعي للبيهقي ج ١ ص ٥٠٩؛ توالي التأسيس لمعالي محمدبن إدريس، للعسقلاني ص ١٤٨، ١٤٧۔

اِس بارے میں یہی فرماتے ہیں؟اِس پر امام شافعی نے فرمایا: کیا تونے میری گردن میں زُنّار دیکھا ہے یا تونے مجھے کنیسہ سے باہر آتے ہوئے دیکھا ہے؟ ارے میاں! میں تجھے کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا ہے اور تو مجھے کہتا ہے: میں اِس بارے میں کیا کہتا ہوں؟ کیا جو میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا ہوں تو خود اُس کا قائل نہیں ہوں؟"۔[1]

چونکہ ہمارے دور میں بھی کچھ ایسے عاشقانِ مسلکِ فلاں پیدا ہو چکے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ اُن کی اندھی عقیدت کی بیخ کنی کی خاطر اُن کے متبوع کی زلات، خطائیں اور تضادات کو واضح کیا جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض معتبر علماء کرام نے موصوف کے تضادات وزلّات کو جمع کرنا شروع کیا تھا اور کئی سو صفحات لکھ چکے تھے مگر وہ مزید لکھنے یا اُس کی اشاعت سے اِس لیے رُک گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے اور کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ ایسے تمام علماء سے ہماری گزارش ہے کہ وہ بلاخوف لومۃ لائم یہ کام کر گزریں اور خیر کے کام سے ہاتھ مت روکیں، کیونکہ ہر دور میں ایسے اسلاف جن کے پیروکاروں میں اندھے عقیدت مند پیدا ہو چکے ہوں، کی تحریری اغلاط، زلّات اور تضادات کو ظاہر کرنا بہت بڑی نیکی سمجھا گیا ہے۔ اِس میں خدانخواستہ بزرگ کے ساتھ کسی قسم کی عداوت نہیں ہوتی بلکہ اُن کے اُن اندھے عقیدت مندوں کی حوصلہ شکنی کرنا مقصود ہوتا ہے جو اپنی اُنگلیاں کانوں میں ٹھونس کر کہتے ہیں کہ اُنہیں اُن کے علاوہ کسی کی بات سننا پسند ہی نہیں۔ ایسی اندھی عقیدت نہ تو امام مالک پسند فرماتے تھے اور نہ ہی کوئی عالمِ حق اور بزرگ پسند کرتا ہے۔ امام مالک کو تو سلطانِ وقت نے آفر کی تھی کہ وہ تمام مسلمانوں کو اُن کی کتاب "موطأ

(1) مناقب الشافعي للبيهقي ج ١ ص ٤٧٤؛ حلية الأولياء ج ٩ ص ١٠٦؛ مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة للسيوطي ص ٩٦۔

امام مالک" پر جمع کر دیتا ہے تو امام مالک نے اُسے منع کر دیا تھا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہم کچھ ساتھی مل کر اِس ارادۂ خالص سے ماضی قریب کے بعض اسلاف کی بعض کتب کا تجزیہ کریں گے اور اُن کے اندھے عقیدت مندوں اور جمود پسندوں پر واضح کر دیں گے کہ اُن کے متبوع سے بھی غلطیاں ہوتی تھی اور اُن کے متبوع نہ تو امام مذہب تھے، نہ ہی امام عقیدہ تھے اور نہ ہی حرفِ آخر تھے، البتہ علماء اہل سنت میں اپنے دور کے جیّد عالم دین تھے اور علماء حق کی تعظیم شرعی طور پر ہر مسلمان پر لازم ہے۔

جبری تحکُّم کی انتہا

وہ مسئلہ جو کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہو اُسے بدعت کی کوئی صورت بھی نہیں دی جا سکتی، یعنی اُسے بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ سو اگر کچھ لوگ اُسے گمراہی اور بدمذہبی کا نام دیں اور اُس کے قائل پر بدعقیدہ، قطعیت کا منکر، رافضی، بددین اور مستحق عذابِ نار ہونے کا فتویٰ دیں تو یہ جبر و تشدد کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

سوچئے تو سہی کہ ایک طرف شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی تفضیل کو زبردستی قطعی منوانے پر زور دیا جاتا ہے اور جو نہ مانے اُس پر رافضی، منکر، بدعقیدہ، مبتدع، گمراہ اور مستحقِ نار ہونے کا فتوی لگایا جاتا ہے اور دوسری طرف جس ہستی کے فضائل میں سب سے زیادہ احادیثِ صحیحہ اور حسنہ آئی ہیں اُن کی تفضیل کے قول کو شر، برائی، رفض، بدعت، بے دینی، بدعقیدگی اور سببِ عذابِ جہنم کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ ذرا بتایئے گا ضرور کہ اِس کو عدل و انصاف کا نام دیا جائے یا مذہبی دہشت گردی گا؟

امن کی التجا

دانستہ یا نادانستہ جو لوگ بھی ایسے جبر و تشدد کے روادار ہیں اُن سے اپیل ہے کہ وہ اپنی

نفسانی خواہش کے بجائے کتاب وسنت کے مطابق حکم لگائیں۔اُن میں سے بعض اہل مطالعہ پر ظاہر بھی ہے کہ نہ تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تفضیل قطعی ہے اور نہ سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تفضیل کا قول بدعت، رافضیت، بدعقیدگی اور بدمذہبی ہے، لہٰذا جہاں تک شریعت جانے کی اجازت دیتی ہے اُس سے تجاوز کرنے سے اجتناب فرمائیں، کیونکہ حد سے تجاوز ہی ظلم ہوتا ہے۔

قارئین کرام! ظلم بالائے ظلم دیکھئے کہ جو لوگ ایک طرف شرعی حدود کو پھلانگ کر ایک ظنی چیز کو قطعی بنانے اور منوانے پر بضد ہیں اور دوسری طرف کتاب وسنت سے ثابت شدہ بات کو بدعت، گمراہی، بدمذہبی اور بدعقیدگی ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں، اُلٹا وہی واویلا مچاتے رہتے ہیں کہ ملک کا امن تباہ کیا جارہا ہے، مگر عقل مند اور انصاف پسند لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون لوگ جبر وتشدد اور ناروا فتویٰ بازی پر گامزن ہیں اور کن لوگوں نے اللہ جل جلالہ اور اُس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل سے دلائل وبراہین کا سہارا لیا ہوا ہے۔

اعتذار

راقم الحروف جس طرح اپنی تمام سابقہ کتب میں لکھ چکا ہے یہاں بھی اُسی طرح عرض کرتا ہے کہ اگر میری کوئی بات کتاب وسنت اور کامل ومکمل اجماعِ امت کے خلاف ثابت کر دی گئی تو میں قولاً اور قلباً تو بلا تاخیر اُس سے رجوع کرلوں گا اور بشرطِ حیات آئندہ ایڈیشن میں تحریری رجوع بھی کرلوں گا۔ إِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

دُعا

اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ ہمیں ہر حال میں کتاب وسنت کے مطابق چلنے کی سعادت عطا فرمائے رکھے، حق کو ماننے اور حق کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے، عدل وانصاف پر قائم

رکھے اور سر مو بھی اعتدال و توازن سے تجاوز کرنے سے محفوظ رکھے۔

یا اللہ العالمین! ہم سب اہل اسلام کو باہمی منافرت، مذہبی تعصب، تعلّی، تحدّی، تکبر، غرور، جاہ پسندی اور تشدد وافتراق سے نجات دے کر ہمیں باہمی محبت، اخلاص، برداشت، رواداری اور اُلفت و مودت کی لازوال نعمتوں سے مالامال فرما۔ قادر و مالک! دنیا بھر کے مسلمانوں کو باہم متحد و متفق فرما اور اُن کے اتحاد کی بدولت کفر و شرک اور ظلم کے اندھیروں کا خاتمہ فرما۔ آمین، ثم آمین، بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

سُبْحَٰنَ رَبِّكَ رَبِّ ٱلْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلَٰمٌ عَلَى ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾ وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٨٢﴾

مآخذ ومراجع

حديث

١- **الآحاد و المثانى:** أبوبكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم، متوفّى ٢٨٧ھ، دار الراية، الرياض، الطبعة الأولى ١٤١١ھ۔

٢- **الأحاديث المختارة مماليس فى الصحيحين:** ضياء الدين محمد بن عبد الواحد المقدسي الحنبلي، متوفّى ٦٤٣ھ، مكتبة النهضة الحديثية، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤١٠ھ۔

٣- **الأحاديث المشكلة فى الرتبة:** محمد بن سيد درويش الحوت البيروتي، متوفّى ١٢٧٧ھ، دار عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٣ھ۔

٤- **الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان:** أبوحاتم محمد بن حبان البستي متوفّى ٣٥٤ھ، بترتيب: علاء الدين علي بن بلبان الفارسي، متوفّى ٧٣٩ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٨ھ۔

٥- **الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار:** أبو عمر يوسف بن عبد الله المعروف بابن عبد البر القرطبي، متوفّى ٤٦٣ھ، دار الوعي، حلب، الطبعة الأولى ١٤١٤ھ۔

٦- **الأسرار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة:** علي بن سلطان محمد المشهور بملا علي القاري، متوفّى ١٠١٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٥ھ۔

٧- **الأمالي المطلقة:** حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلانى، متوفّى ٨٥٢ھ، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦ھ۔

٨- **إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة:** أحمد بن أبي بكر البوصيري، متوفّى ٨٤٠ھ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ۔

٩- **أسنى المطالب فى أحاديث مختلفة المراتب:** محمدبن سيددرويش الحوت البيروتي، متوفّى ١٢٧٧ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨ھ۔

١٠- **البحر الزخار المعروف بمسند البزار:** أحمد عمرو بن عبد الخالق البزار، متوفّى ٢٩٢ھ مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٤٠٩ھ۔

١١- **تخريج إحياء علوم الدين:** أبوعبداللّٰہ محمودبن محمدالحداد، دار العاصمة، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٠٨ھ۔

١٢- **تذكرة الموضوعات:** جمال الدين محمدبن طاهر الصديقي پٹني، متوفّى ٩٨٦ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة ١٤١٥ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٣٣ھ۔

١٣- **الترغيب والترهيب:** زكي الدين عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري، متوفّى ٦٥٦ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧ھ۔

١٤- **التمهيد لما فى الموطأ من المعانى والمسانيد:** أبوعمر يوسف بن عبد البر النمري القرطبي، متوفى ٤٦٣ھ مكتبة فضالة زنقة، ابن زيدون، المحمدية، المغرب ١٤١٢ ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ۔

١٥- **الجامع الصحيح المسند من حديث رسول الله ﷺ وسننه وأيامه:** محمدبن إسمعيل البخاري، متوفّى ٢٥٦ھ، مكتبة الرشد، الرياض الطبعة الثانية ١٤١٩ھ۔

١٦- **الجامع الصغير فى أحاديث البشير النذير ﷺ:** جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفّى ٩١١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٣٦ھ۔

١٧- **الجامع المختصر من السنن عن رسول الله ﷺ ومعرفة الصحيح والمعلول وما عليه العمل** (سنن الترمذي): إمام أبوعيسى محمدبن عيسى الترمذي، متوفّى ٢٧٩ھ، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى ١٩٩٦ء

١٨- **جامع المسانيد:** أبو الفرج عبدالرحمان بن علي الجوزي، متوفى ٥٩٧ھ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ۔

١٩- **الجامع لشعب الإيمان:** أبو بكر أحمد بن حسين البيهقي، متوفى ٤٥٨ھ، مكتبة الرشد الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٣ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٠ھ۔

٢٠- **جزء فيه طرق حديث: من كذب عليّ متعمداً:** أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني ، متوفى ٣٦٠ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧ھ۔

٢١- **الجمع بين الصحيحين:** محمد بن فتوح الحميدي، متوفى ٤٨٨ھ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩ھ۔

٢٢- **الزهد:** أبو عبدالله أحمد بن حنبل الشيباني، متوفى ٢٤١ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٤ھ۔

٢٣- **سلسلة الأحاديث الصحيحة:** محمد ناصر الدين الألباني، متوفى ١٤٢٠ھ، مكتبة المعارف الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٠ھ۔

٢٤- **سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة:** محمد ناصر الدين الألباني، متوفى ١٤٢٠ھ، مكتبة المعارف الرياض، الطبعة الأولى ١٤١٦ھ۔

٢٥- **سنن ابن ماجة:** إمام أبو عبد الله محمد بن يزيد، متوفى ٢٧٣ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٨ھ، وط: دار الرسالة، الطبعة الأولى ١٤٣٠ھ۔

٢٦- **السنن الكبرىٰ:** أحمد بن شعيب النسائي، متوفى ٣٠٣ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١ھ۔

٢٧- **الشذرة في الأحاديث المشتهرة:** محمد بن طولون الصالحي، متوفى ٩٥٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٣ھ۔

٢٨- **شرح مشكل الآثار:** أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي الحنفي، متوفى ٣٢١ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٥ھ۔

۲۹- **الشريعة:** أبوبكر محمدبن حسين الآجري، متوفّٰی ۳۶۰ھ، دار الوطن، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔

۳۰- **صحيح ابن خزيمة:** محمدبن إسحاق بن خزيمة، متوفّٰی ۳۱۱ھ، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۲۴ھ۔

۳۱- **صحيح سنن الترمذي:** محمد ناصر الدين الألباني، متوفّٰی ۱۴۲۰ھ، مكتبة المعارف الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ۔

۳۲- **ضعيف الجامع الصغير وزيادته:** محمد ناصر الدين الألباني، متوفّٰی ۱۴۲۰ھ، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۰۸ھ۔

۳۳- **عمل اليوم والليلة:** أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب النسائي، متوفّٰی ۳۰۳ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت۔

۳۴- **الفتن:** حافظ نُعيم بن حماد الخزاعي المروزي، متوفّٰی ۲۲۹ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔

۳۵- **الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة:** محمد بن علي الشوكاني، متوفّٰی ۱۲۵۰ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ھ۔

۳۶- **قطف الأزهار المتناثرة في الأحاديث المتواترة:** جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفّٰی ۹۱۱ھ، المكتب الإسلامي، بيروت ۱۴۰۵ھ۔

۳۷- **كتاب السنة:** أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الشيباني، متوفّٰی ۲۸۷ھ، المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۱۳ھ۔

۳۸- **كشف الأستار عن زوائد البزار:** نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، متوفّٰی ۸۰۷ھ مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۴ھ۔

۳۹- **كشف الخفاء ومزيل الألباس:** إسمعيل بن محمد العجلوني، متوفّٰی ۱۱۶۴ھ، دار

الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ۔

٤٠۔ **كشف المناهج والتناقيح فى تخريج أحاديث المصابيح:** صدر الدين محمد بن إبراهيم السلمي المناوي، متوفّى ٨٠٣هـ، الدار العربية للموسوعات، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ۔

٤١۔ **اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع:** محمد بن خليل القاؤقجي الطرابلسي، متوفّى ١٣٠٥هـ، دار البشائر الاسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٥هـ۔

٤٢۔ **لقط الآلى المتناثرة فى الأحاديث المتواترة:** أبو الفيض محمد مرتضى الحسيني الزبيدي، متوفّى ١٢٠٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ۔

٤٣۔ **مجمع البحرين فى زوائد المعجمين:** نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، متوفّى ٨٠٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ۔

٤٤۔ **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:** نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، متوفّى ٨٠٧هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٤هـ، وبتحقيق شيخ حسين سليم أسد الداراني، دار المنهاج، جدة، الطبعة الأولى ١٤٣٦هـ۔

٤٥۔ **مختصر زوائد مسند البزار:** أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفّى ٨٥٢هـ، مؤسسة الكتب الثقافية، الصنائع، الطبعة الثالثة ١٤١٤هـ۔

٤٦۔ **المستدرك على الصحيحين:** أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيشابوري، متوفى ٤٠٥هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ وط: دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة الثانية ١٤٢٢هـ وط: دار الميمان، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٣٥هـ۔

٤٧۔ **المسند:** أبو بكر عبد اللّٰه بن محمد ابن أبي شيبة، متوفّى ٢٣٥هـ، دار الوطن، بيروت الطبعة الأولى ١٤١٨هـ۔

٤٨۔ **المسند:** أحمد بن حنبل الشيباني، متوفّى ٢٤١هـ، عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ، وط: بتحقيق أحمد شاكر، دار الحديث القاهرة، الطبعة الأولى ١٤١٦هـ،

وط: بتحقيق شعيب الأرنؤوط وشركاءه، مؤسسة الرسالة، يروت، الطبعة الأولى ١٤٢١ هـ۔

٤٩۔ **مسند أبي يعلى:** أحمد بن علي المثنى التميمي، متوفّى ٣٠٧ھ ، دار المأمون، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٣٠ هـ۔

٥٠۔ **مسند سعد بن أبي وقاص:** أبو عبدالله أحمد بن إبراهيم الدورقي، متوفّى ٢٤٦ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٧ هـ۔

٥١۔ **مشكاة المصابيح:** محمد بن عبدالله الخطيب التبريزي، متوفّى ٧٤١ھ، دار الأرقم ، بيروت، وط: المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة الثانية ١٣٩٩ هـ۔

٥٢۔ **مصابيح السنة:** محي الدين حسين بن مسعود الفراء البغوي، متوفّى ٥١٦ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٧ هـ۔

٥٣۔ **مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه:** أحمد بن أبي بكر البوصيري، متوفّى ٨٤٠ھ، الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٤٢٤ هـ۔

٥٤۔ **المصنَّف:** إمام عبدالرزاق بن همام الصنعاني، متوفّى ٢١١ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة الأولى ١٤٢١ ھ، وط: المجلس العلمي، جنوب إفريقة، الطبعة الأولى ١٣٩٠ هـ۔

٥٥۔ **المصنوع في معرفة الحديث الموضوع:** علي بن سلطان محمد المعروف بمُلا علي القاري، متوفّى ١٠١٤ ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الخامسة ١٤١٤ هـ۔

٥٦۔ **المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية:** حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني ، متوفّى ٨٥٢ھ، دار الباز، عباس أحمد الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤٠٧ هـ۔

٥٧۔ **مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه:** أحمد بن أبي بكر البوصيري، متوفّى ٨٤٠ھ، الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٤٢٥ هـ۔

٥٨۔ **المقاصد الحسنة:** شمس الدين محمد عبدالرحمان السخاوي، متوفّى ٩٠٢ھ ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٥ ۔

٥٩- المنار المنيف في الصحيح والضعيف: محمد بن أبي بكر المعروف بابن القيم الجوزية الحنبلي، متوفى ٧٥١ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية، بحلب الطبعة الأولى ١٣٩٠ھ، وط: دار عالم الفوائد، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤٢٨ھ۔

٦٠- المنتخب من مسند عبد بن حُميد: حافظ أبو محمد عبد بن حُمَيْد، متوفى ٢٤٩ھ، دار بلنسية، الرياض، الطبعة الثانية ١٤٢٣ھ۔

٦١- الموطأ: إمام مالك بن أنس، متوفى ١٧١ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٠ھ، وبرواية محمد بن الحسن الشيباني: [موطأ محمد] متوفى ١٨٩ھ، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى ١٤١٣ھ۔

٦٢- نظم المتناثر من الحديث المتواتر: أبو عبدالله محمد بن جعفر الكتاني، متوفى ١٣٨٢، دار الكتب السلفية، مصر، الطبعة الثانية۔

٦٣- نوادر الأصول في أحاديث الرسول ﷺ: أبو عبدالله محمد الحكيم الترمذي، متوفى ٣٢٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٣ھ۔

٦٤- هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكاة: حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفى ٨٥٢ھ، دار ابن القيم، الدمام، الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ۔

تفسير

٦٥- إرشاد الرحمان لأسباب النزول والناسخ والمنسوخ والمتشابه وتجويد القرآن: عطية بن عطية الأجهوري، متوفى ١١٩٠ھ، مركز التراث الثقافي المغربي، البيضاء، الطبعة الأولى ١٤٣٠ھ۔

٦٦- أسباب نزول القرآن: أبو الحسن علي بن أحمد الواحدي، متوفى ٤٦٨ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١١ھ۔

٦٧- بحر العلوم (تفسير السمرقندی) : إمام أبو الليث نصر بن محمد السمرقندي،

متوفّٰی ۳۷۵ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۳ھ۔

۶۸- تأویلات أهل السنة: أبي منصور محمد بن محمود الماتریدي السمر قندي الحنفي، متوفّٰی ۳۳۳ھ، مؤسسة الرسالة الطبعة الأولی ۱۴۲۵ھ۔

۶۹- تفسیر الجلالین: جلال الدین محمد بن أحمد المحلي، متوفّٰی ۸۶۴ھ، وجلال الدین عبد الرحمان بن أبي بکر السیوطي، متوفّٰی ۹۱۱ھ، دار ابن کثیر، بیروت۔

۷۰- تفسیر سفیان الثوری: سفیان بن سعید بن مسروق الثوري الکوفي، متوفّٰی ۱۶۱ھ دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۳ھ۔

۷۱- تفسیر القرآن: عز الدین بن عبد السلام الدمشقي الشافعي، متوفّٰی ۶۶۰ھ، جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامیة، الإحساء، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة الأولی ۱۴۱۶ھ۔

۷۲- تفسیر القرآن العزیز: إمام عبد الرحمن بن محمد إدریس بن أبي حاتم الرازي، متوفّٰی ۳۲۷ھ، مکتبة نزار مصطفی الباز، مکة المکرمة، الطبعة الثانیة ۱۴۱۹ھ۔

۷۳- جامع البیان عن تأویل آی القرآن: إمام أبو جعفر محمد بن جریر الطبري، متوفّٰی ۳۱۰ھ، دار الفکر، بیروت الطبعة ۱۴۱۵ھ۔ وط: مرکز البحوث والدراسات العربیة والإسلامیة، بدار هجر، القاهرة، الطبعة الأولی ۱۴۲۲ھ۔

۷۴- جامع البیان فی تفسیر القرآن: محمد بن عبد الرحمان الإیجي، متوفّٰی ۹۰۵ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۲۴ھ۔

۷۵- الجامع لأحکام القرآن: أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد المالکي القرطبي، متوفّٰی ۶۶۸ھ، دار الکتاب العربي، بیروت، الطبعة الثانیة ۱۴۲۰ھ۔

۷۶- حاشیة القونوی علی تفسیر البیضاوی: عصام الدین إسماعیل بن محمد الحنفي، متوفّٰی ۱۱۹۵ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۹ھ۔

۷۷- حدائق الروح والریحان فی روابی علوم القرآن: محمد أمین بن عبد اللّٰه الأرمي، دار

طرق النجاة، ۱۴۲۱ھ۔

۷۸- الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور: جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكر السيوطي ،متوفّٰی ۹۱۱ھ،دار الفکر، بيروت، الطبعة ۱۴۱۴ھ،وط: مركز هجر للبحث والدراسات العربية والإسلامية، القاهرة، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ۔

۷۹- رموز الکنوز فی تفسیر الکتاب العزیز: عزالدين عبدالرزاق بن رزق الله الرسعني الحنبلي، متوفّٰی ۶۶۱ھ،مکتبة الأسدي، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ۱۴۲۹ھ۔

۸۰- روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی: أبوالفضل سيد محمود آلوسي الحنفي ،متوفّٰی ۱۲۷۰ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة ۱۴۱۴ھ،وط: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۳۱ھ۔

۸۱- السراج المنیر: شيخ محمد بن أحمد الشربيني، متوفّٰی ۹۷۷ھ،دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۵ھ۔

۸۲- الکشاف عن حقائق التأویل: محمود بن عمر الزمخشري، متوفّٰی ۵۳۸ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۔

۸۳- الکشف والبیان: أبوإسحاق أحمد بن الثعلبي، متوفّٰی ۴۲۷ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۲ھ۔

۸۴- اللباب فی علوم الکتاب: أبوحفص عمر بن علي ابن عادل الحنبلي، متوفّٰی ۸۸۰ھ ،دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ۔

۸۵- المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز: قاضي عبدالحق بن غالب بن عطية الأندلسي، متوفّٰی ۵۴۶ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۳ھ۔

۸۶- معالم التنزیل فی التفسیر والتأویل: أبومحمد الحسين بن مسعود الفراء البغوي، متوفّٰی ۵۱۶ھ، دار طيبة، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۰۹ھ۔

۸۷- مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر): فخر الدين محمد بن عمر التميمي البكری، الرازي ،

متوفّٰی ۴۰۲ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱ھ، وط: دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۱ھ۔

۸۸- نظم الدرر في تناسب الآيات والسور: أبوالحسن إبراهيم بن بن عمر البقاعي، متوفّٰی ۸۸۵ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ۔

۸۹- الوجيز في تفسير الكتاب العزيز: أبوالحسن علي بن أحمد الواحدي النيشابوري، متوفّٰی ۴۶۸ھ، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ۔

شرح حدیث

۹۰- إكمالُ إكمالِ المُعْلِم: أبوعبد الله محمد بن خليفة الوشتاني أبي المالكي، متوفّٰی ۸۲۸ھ، دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ۔

۹۱- أنوار الباری اردو شرح صحيح البخاری، (إفادات علامة أنور شاه كشميري) سيد أحمد رضا بجنوري، متوفّٰی، إدارہ تاليفاتِ أشرفيه، ملتان، تاريخ اشاعت شعبان ۱۴۲۵ھ۔

۹۲- البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج: محمد بن علي بن آدم الإتيوبي الولّوي، دار ابن الجوزي، الطبعة الأولى ۱۴۲۶ھ۔

۹۳- تحفة الأحوذی بشرح الجامع الترمذی: شيخ عبدالرحمن مباركپوري، متوفّٰی ۱۳۲۵ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ۔

۹۴- التنوير شرح الجامع الصغير: محمد بن إسماعيل الأمير الصنعاني، متوفّٰی ۱۱۸۲ھ، مكتبة دار السلام، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۳۲ھ۔

۹۵- التوضيح لشرح الجامع الصحيح: أبوحفص عمر بن علي المعروف بابن الملقن، متوفّٰی ۸۰۴ھ، دار الفلاح، مصر، الطبعة الأولى ۱۴۲۹ھ۔

۹۶- جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم: أبوالفرج عبد الرحمان المعروف بابن رجب الحنبلي، متوفّٰی ۷۹۵ھ، دار السلام، القاهرة، الطبعة

الثانية ١٤٢٤هـ۔

٩٧- **حاشية مسند الإمام أحمد بن حنبل**: أبوالحسن محمد بن عبدالهادي السندي، التتوي المدني، متوفى ١١٣٨ھ، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، قطر، الطبعة الأولى ١٤٢٨ھ۔

٩٨- **السراج المنير شرح الجامع الصغير**: علي بن أحمد بن نور الدين العزيزي، متوفى ١٠٧٠ھ، المطبعة الخيرية، مصر، الطبعة الأولى ١٣٠٤ھ۔

٩٩- **فتح الباري شرح صحيح البخاري**: حافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفى ٨٥٢ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦ھ، وط: دار الحديث، القاهرة، سنة الطبع ١٤٢٤ھ، وط: دار طيبة، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ۔

١٠٠- **فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم، مع تكملة**: شبير أحمد عثماني، متوفى ١٣٦٩ھ، دار الضياء، الكويت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ھ۔

١٠١- **فيض القدير شرح الجامع الصغير**: محمد عبدالرؤف المناوي الشافعي، متوفى ١٠٢١ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ١٣٩١ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة ١٤٢٢ھ

١٠٢- **كفاية الحاجة فی شرح سنن ابن ماجه**: أبوالحسن محمد بن عبد الهادي السندي التتوي، متوفى ١١٣٨ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٨ھ۔

١٠٣- **الكوكب الوهاج والروض البهاج فی شرح صحيح مسلم بن الحجاج**: محمد أمين بن عبدالله الأرمي، دار المنهاج، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٣٠ھ۔

١٠٤- **مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح**: علي بن سلطان محمد المعروف بملا علي القاري، متوفى ١٠١٤ھ، المكتبة التجارية، مكة المكرمة، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ۔

١٠٥- **مصباح الزجة فی زوائد ابن ماجه**: أبوالعباس أحمد بن أبي بكر البوصيري الكناني،

متوفى ۸۴۰ھ، وزارة التعليم العالي، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ۱۴۲۵ھ۔

۱۰۶- **معالم السنن شرح سنن أبي داود:** أبوسليمان حمد بن محمد الخطابي، متوفى ۳۸۸ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۱ھ۔

۱۰۷- **المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم:** أبوالعباس أحمد بن عمر القرطبي المالكي، متوفى ۶۵۶ھ، دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ۔

۱۰۸- **مكمل إكمال الأكمال:** محمد بن محمد السنوسي المالكي، متوفى ۸۹۵ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ۔

۱۰۹- **نعمة الباری فی شرح صحیح البخاری:** غلام رسول سعيدي، متوفى ۱۴۳۷ھ، فريدبک سٹال، لاهور، الطبع الثاني ۱۴۳۴ھ۔

سیرت

۱۱۰- **السيرة النبوية:** محمدبن إسحاق بن يسار المطلبي المدني، متوفى ۱۵۱ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ۔

۱۱۱- **السيرة النبوية:** أبومحمد عبدالملك بن هشام، متوفى ۲۱۳ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۱۰ھ۔

۱۱۲- **المِنَحُ المكّية فی شرح الهمزيّة:** أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي المكي الشافعي، متوفى ۹۷۴ھ، دار المنهاج، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۲۶ھ۔

۱۱۳- **نظام الحكومة النبوية، المسمىٰ: التراتيب الإدارية:** سيدمحمدعبد الحي الكتاني، متوفى ۱۳۸۲ھ، شركة دار الأرقم، بيروت۔

فضائل ومناقب

۱۱۴- **الانتقا فی فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء:** أبو عمر يوسف بن عبدالبر الأندلسي، متوفی ۴۶۲ھ، مکتب المطبوعات الإسلامية بحلب، الطبعة الأولی ۱۴۱۷ھ۔

۱۱۵- **استجلاب ارتقاء الغرف بحب أقرباء الرسول وذوی الشرف:** شمس الدين محمدبن عبدالرحمان السخاوي، متوفی ۹۰۲ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

۱۱۶- **أسنی المطالب فی مناقب سيدنا علی بن أبی طالب:** شمس الدين محمد بن محمد الجزري، متوفی ۸۳۳، مکتبة القرآن، القاهرة، وط: مکتبة الإمام أمير المؤمنين علي بن أبي طالب، الأصفهان، إيران۔

۱۱۷- **توالی التأسيس لمعالی محمدبن إدريس:** أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفی ۸۵۲ھ، دار الکتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۶ھ۔

۱۱۸- **جواهر العقدين فی فضل الشرفين:** نور الدين علي بن عبدالله السمهودي، متوفی ۹۱۱ھ، دار الکتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ۔

۱۱۹- **خصائص أمير المؤمنين علی بن أبی طالب** کرم الله وجهه: أبو عبدالرحمان أحمد بن شعيب النسائي، متوفی ۳۰۳ھ، دار الکتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۷ھ۔

۱۲۰- **در السحابة فی مناقب القرابة والصحابة:** قاضي محمدبن علي الشوکاني، متوفی ۱۲۵۰، دار الفکر، دمشق، الطبعة الأولی ۱۴۰۴ھ۔

۱۲۱- **الرياض النضرة فی مناقب العشرة:** أبو جعفر أحمد المشهور بالمحب الطبري، متوفی ۶۹۴ھ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۸ھ، وط: دار الکتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۵ھ۔

۱۲۲- **الخيرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم أبی حنيفة النعمان:** شهاب الدين أحمد بن حجر الهيتمي المکي، متوفی ۹۷۴ھ، دار أرقم، بيروت۔

۱۲۳- **عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم أبی حنيفة النعمان:** محمدبن يوسف

الصالحي الشامي، متوفّى ٩٤٢ھ، دار الكتب، پشاور، پاکستان۔

١٢٤- **الفروسية المحمدية:** محمد بن أبي بكر بن أيوب ابن قيم الجوزية، ٧٥١ھ، دار عالم الفوائد، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤٢٨ھ، وط: المكتبة التوفيقية، القاهرة۔

١٢٥- **فضائل الخلفاء الأربعة وغيرهم:** أبو نعيم أحمد بن عبد اللّٰه الأصفهاني، متوفّى ٤٣٠ھ، دار البخاري، المدينة المنورة۔

١٢٦- **فضائل الصحابة:** أبو عبد اللّٰه أحمد بن محمد بن حنبل، متوفّى ٢٤١ھ، دار ابن الجوزي، الدمام، الطبعة الثالثة ١٤٢٦ھ۔

١٢٧- **فضائل الصحابة:** أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، متوفّى ٣٠٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٥ھ۔

١٢٨- **كتاب الحلى بتخريج خصائص على:** أبو إسحاق الحويني، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٧ھ۔

١٢٩- **محض الصواب فى فضائل أمير المؤمنين عمر بن الخطاب:** يوسف بن الحسن الدمشقي الصالحي المعروف بابن المبرد، متوفّى ٩٠٩ھ، مكتبة أضواء السلف، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٠ھ۔

١٣٠- **مناقب الأئمة الأربعة:** قاضي أبو بكر محمد بن الطيب الباقلاني، متوفى ٤٠٣ھ، دار المنتخب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ۔

١٣١- **مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه:** شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفّى ٧٤٨ھ، ناشر: لجنة إحياء المعارف النعمانية، حيدر آباد الدكن بالهند، الطبعة الرابعة ١٤١٩ھ۔

١٣٢- **مناقب الشافعي:** أبو بكر أحمد بن حسين البيهقي، متوفّى ٤٥٨ھ، دار التراث، القاهرة، الطبعة الأولى ١٣٩٠ھ۔

عقائد وکلام

۱۳۳- **الإبانة عن شريعة الفرق الناجية ومجانبة الفرق المذمومة:** عبيد اللّٰه بن محمد بن بطة العكبري الحنبلي، متوفى ٣٨٧، دار الرية، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٠٩ ھ۔

۱۳۴- **أبكار الأفكار في أصول الدين:** أبو الحسن علي بن محمد بن سالم المعروف بسيف الدين الآدمي، متوفى ٦٣١ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٤ ھ۔

۱۳۵- **إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء:** شاه ولي الله محدث دهلوي، متوفى ١١٧٦ ھ، قديمي كتب خانه، آرام باغ كراچي۔

۱۳۶- **اصلاحِ عقائد واعمال:** مفتي منيب الرحمان، معاصر، ضياء القرآن، لاهور، اشاعت دهم۔

۱۳۷- **الإعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد:** أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي، متوفى ٤٥٨ ھ، اليمامة، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٠ ھ، وط: دار الفضيلة، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٠ ھ۔

۱۳۸- **الاقتصاد في الاعتقاد:** أبو أحمد محمد بن محمد الغزالي، متوفى ٥٠٥ ھ، دار قتيبة، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٣ ھ۔

۱۳۹- **افضلیتِ صدیق اکبر، علماء اهل سنت کا متفقه فتویٰ:** مفتي منيب الرحمان، معاصر، جاری کرده: شعبه نشر واشاعت فدائیان ختم نبوت، کراچي پاکستان،

۱۴۰- **انبیاء کرام کے بعد افضل کون؟:** مفتي محمد مطيع الرحمان رضوي هندي، معاصر، ناشر جماعتِ رضائے مصطفیٰ (یوکے)

۱۴۱- **تكميل الإيمان فارسی:** شيخ عبد الحق محدث دهلوي، متوفى ١٠٥٢ ھ، الرحيم اكيڈمی، كراچي، ١٤٢١ ھ، ومترجم أردو، الموسوم نعيم العرفان ترجمة تكميل الإيمان، مكتبة اعلیٰ حضرت، لاهور ٢٠٠٣۔

۱۴۲- **التمهيد فی أصول الدين، أو: التمهيد لقواعد التوحيد:** أبو المعين ميمون بن محمد النسفي الحنفي الماتريدي، متوفّٰی ۵۰۸ھ، المكتبة الأزهرية للتراث، القاهرة۔

۱۴۳- **الجامع لعلوم الإمام أحمد بن حنبل، قسم العقيدة:** تاليف: خالد الرباط، سيد عزت عبيد، محمد أحمد عبد التواب، دار الفلاح، مصر، الطبعة الأولی ۱۴۳۰ھ۔

۱۴۴- **حاشية جمع الفرائد بإنارة شرح العقائد:** صدر الورٰی قادري، مكتبة المدينة، كراچي، الطبعة الثانية ۱۴۳۷ھ۔

۱۴۵- **حاشية ملا برخوردار ملتانی علی النبراس:** ملا برخوردار ملتاني، متوفّٰی، مكتبه حقانية ، ملتان، وط: مكتبة رشيدية كوئٹه۔

۱۴۶- **حاشية علی المسايرة:** شيخ قاسم بن قطلوبغا الحنفي، متوفّٰی ۸۷۸ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، وط: المكتبة الأزهرية للتراث، القاهرة، ۱۳۸۷ھ۔

۱۴۷- **شرح العقائد النسفية:** سعد الدين مسعود بن عبد اللّٰه الشهير بسعد الدين التفتازاني، متوفّٰی ۷۹۳ ھ، مكتبة الحسن، اردو بازار، لاهور، وط: مكتبة المدينة، كراچي، وط: مكتبه رشيديه، كوئٹه۔

۱۴۸- **شرح المقاصد:** مسعود بن عبد اللّٰه الشهير بسعد الدين التفتازاني، متوفّٰی ۷۹۳ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ۱۴۲۲ھ۔

۱۴۹- **شرحُ المواقف:** السَيد الشَريف علي بن مُحمَد الجرجَاني، متوفّٰی ۸۱۶ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۹ھ۔

۱۵۰- **شمُّ العوارض فی ذمِّ الروافض:** علي بن سلطان مُحمد القاري الحنفي، متوفّٰی ۱۰۱۴ھ، دار الأثرية، عمان، أردن۔

۱۵۱- **الصواعق المحرقة فی الرد علی أهل البدع والزندقة:** أحمد بن حجر الهيتمي المكي الشافعي، متوفّٰی ۹۷۵ھ، مطبوعة مكتبة القاهرة، مصر، الطبعة الثانية ۱۳۸۵ ھ، وط: مكتبة فياض، منصورة، الطبعة الأولی ۱۴۲۹ھ۔

۱۵۲- **فتح الإله الماجد بإيضاح شرح العقائد:** زكريا بن محمد الأنصاري الخزرجي، متوفى ۹۲۶ھ، دار الضياء، الكويت، الطبعة الأولى ۱۴۳۴ھ۔

۱۵۳- **الفصل في الملل والأهواء والنحل:** أبو محمد علي بن أحمد المعروف بابن حزم الظاهري، متوفى ۴۵۶ھ، دار الجيل، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۱۶ھ۔

۱۵۴- **القول الفصل شرح الفقه الأكبر:** محي الدين محمد بن بهاؤ الدين الرحماوي، متوفى ۹۵۲ھ، دار المنتخب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔

۱۵۵- **كتاب الإرشاد إلى قواطع الأدلة في أصول الإعتقاد:** إمام الحرمين عبد الملک بن عبد اللّٰه الجويني الشافعي، متوفى ۴۷۸ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ۔

۱۵۶- **المسامرة في شرح المسايرة:** كمال الدين محمد بن محمد المعروف بابن أبي شريف المقدسي، متوفى ۹۰۵ھ، مطبعة السعادة بجوار محافظة، مصر، الطبعة الثانية ۱۳۴۷ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ۔

۱۵۷- **مقالات الإسلاميين وإصلاح المصلين:** أبو الحسن علي بن إسماعيل الأشعري، متوفى ۳۲۴ھ، تحقيق محي الدين عبد الحميد، مكتبة النهضة المصرية۔

۱۵۸- **الملل والنحل:** أبي الفتح محمد بن عبد الكريم بن أبي بكر أحمد الشهرستاني، متوفى ۵۴۸ھ، دار المعرفة بيروت، الطبعة التاسعة ۱۴۲۹ھ۔

۱۵۹- **منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر:** علي بن سلطان محمد المعروف بملا علي القاري، متوفى ۱۰۱۴ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹۔

۱۶۰- **المواقف في علم الكلام:** عضد الدين قاضي عبد الرحمان بن أحمد الإيجي، متوفى ۷۵۶ھ، عالم الكتب، بيروت۔

۱۶۱- **ناصبيت تحقيق كے بهيس ميں:** مولانا عبد الرشيد نعماني، متوفى، مكتبة سيد أحمد شهيد، لاهور، طبع اول ۲۰۲۰ء۔

۱۶۲- **النصب والنواصب:** بدر بن ناصر بن محمد العواد، مكتبة دار المنهاج، الرياض،

الطبعة الأولى ۱۴۳۳ھ۔

۱۶۳- النكت والفوائد على شرح العقائد: برهان الدين إبراهيم بن عمر البقاعي، متوفّٰی ۸۸۵ ھ، المكتبة العصرية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۳۳۔

۱۶۴- اليواقيت والجواهر: عبدالوهاب الشعراني، متوفّٰی۹۷۳ھ، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، وط: دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔

علم الأصول

۱۶۵- الإشارة في أصول الفقه: قاضي أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد الباجي المالكي، متوفّٰی ۴۷۴ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ۔

۱۶۶- إجابة السائل شرح بغية الآمل: محمد بن إسماعيل الأمير الصنعاني، متوفّٰی ۱۱۸۲ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۸ھ۔

۱۶۷- إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول: محمد بن علي الشوكاني متوفّٰی ۱۲۵۰ھ، دار الفضيلة، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ۔

۱۶۸- أصول السرخسي: أبو بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي، متوفّٰی ۴۹۰ھ، لجنة إحياء المعارف النظامية، حيدر آباد دکن۔

۱۶۹- أصول الشاشي: نظام الدين الشاشي، من رجال القرن السابع، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى ۲۰۰۰ء۔

۱۷۰- إفاضة الأنوار في إفاضة أصول المنار: محمود بن محمد الدهلوي، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۲۶ھ۔

۱۷۱- إيصال السالك إلى أصول مذهب الإمام مالك: محمد يحيى بن محمد المختار الولاتي المالكي، متوفّٰی ۱۳۳۰ھ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۷ھ۔

۱۷۲- البحر المحيط في أصول الفقه: بدر الدين محمد بن بهادر الزركشي، متوفّٰی

٧٩٤هـ، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، الكويت، الطبعة الثانية ١٤١٣هـ۔

١٧٣- **البرهان في أصول الفقه:** إمام الحرمين أبو المعالي عبدالملک الجويني، متوفّٰی ٤٧٨هـ، مطبوعة قطر، الطبعة الأولى ١٣٩٩هـ۔

١٧٤- **التبصرة في أصول الفقه:** أبو إسحاق إبراهيم بن علي الفيروز آبادي الشيرازي، متوفّٰی ٤٧٦هـ، دار الفكر، دمشق، ١٤٠٣هـ۔

١٧٥- **التحقيق والبيان في شرح البرهان:** علي بن إسماعيل الأبياري، متوفّٰی ٦١٨هـ، دار الضياء، الكويت، الطبعة الأولى ١٤٣٤هـ۔

١٧٦- **تشنيف المسامع بجمع الجوامع:** بدر الدين محمد بن بهادر الزركشي، متوفّٰی ٧٩٤هـ، المكتبة المكية مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ۔

١٧٧- **تقويم الأدلة في أصول الفقه:** أبو زيد عبيدالله بن عمر الدبوسي حنفي، متوفّٰی ٤٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ۔

١٧٨- **التمهيد في أصول الفقه:** محفوظ بن أحمد بن حسن الكلوذاني الحنبلي، متوفّٰی ٥١٠هـ، مركز البحث العلمي، جامعة أم القرى، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ۔

١٧٩- **تيسير التحرير شرح كتاب التحرير:** محمد أمين المعروف بأمير بادشاه الحسيني الخراساني المكي، دار الباز، عباس أحمد الباز مكة المكرمة۔

١٨٠- **تيسير الوصول إلى منهاج الأصول من المنقول والمعقول:** كمال الدين محمد ابن إمام الكاملية، متوفّٰی ٨٧٤هـ، الفاروق الحديثية، القاهرة، الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ۔

١٨١- **جمع الجوامع:** تاج الدين عبدالوهاب بن علي السبكي الشافعي، ٧٧١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ۔

١٨٢- **الردود والنقود شرح مختصر ابن الحاجب:** محمد بن محمود بن أحمد البابرتي الحنفي، متوفّٰی ٧٨٦هـ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٦هـ۔

١٨٣- **رفع النقاب عن تنقيح الشهاب:** أبو علي حسين بن علي الشوشاوي، متوفّٰی

٨٩٩هـ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٥هـ۔

١٨٤- **روضة الناظر وجنة المناظر**: موفق الدين عبدالله بن أحمد بن قدامة، متوفى ٦٢٠ هـ، المكتبة المكية، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ۔

١٨٥- **زبدة الأسرار في شرح مختصر المنار**: أحمد بن محمد بن عارف الزيلي السيواسي متوفى ١٠٠٦هـ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ۔

١٨٦- **الشامل**: عبدالكريم النملة، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٣٠هـ۔

١٨٧- **شرح الأصول من علم الأصول**: شيخ محمد بن صالح العثيمين الحنبلي، دار ابن الجوزي، الدمام، الطبعة الرابعة ١٤٣٥هـ۔

١٨٨- **شرح تنقيح الفصول في اختصار المحصول في الأصول**: شهاب الدين أبو العباس أحمد بن إدريس القرافي المالكي، متوفى ٦٨٤هـ، دار الفكر، بيروت، ١٤٢٤هـ۔

١٨٩- **شرح غاية السول إلى علم الأصول**: جمال الدين يوسف بن حسن المقدسي الحنبلي، متوفى ٩٠٩هـ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ۔

١٩٠- **شرح الكوكب المنير**: محمد بن أحمد المعروف بابن النجار حنبلي، متوفى ٩٧٢هـ مكتبة العبيكان، الرياض، ١٤١٣هـ۔

١٩١- **شرح مختصر التحرير**: شيخ محمد بن صالح العثيمين حنبلي، مؤسسة الشيخ محمد بن صالح العثيمين الخيرية، القصيم، السعودية، الطبعة الأولى ١٤٣٤هـ۔

١٩٢- **شرح مفتاح الوصول إلى بناء الفروع على الأصول**: أبو الطيب مولود السريرى السوسي دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٣٣هـ۔

١٩٣- **شرح منار الأنوار**: مولى عبداللطيف الشهير بابن الملك، دار الكتب العلمية، بيروت

۔

١٩٤- **شرح الورقات**: تاج الدين عبدالرحمان بن إبراهيم الفزاري، المعروف بابن الفركاح الشافعي، متوفى ٦٩٠هـ، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

١٩٥- العدة في أصول الفقه: قاضي أبويعلى محمد بن حسين الفراء الحنبلي، متوفى ٤٥٨ھ، جامعة محمد بن سعود الإسلامية، الرياض، الطبعة الثالثة ١٤١٤ھ۔

١٩٦- غاية السول إلى علم الأصول: جمال الدين يوسف بن حسن المقدسي الحنبلي، متوفى ٩٠٩ھ، دار غراس، الكويت، الطبعة الأولى ١٤٣٣ھ۔

١٩٧- فتح الغفار بشرح المنار: زين الدين بن إبراهيم المعروف بابن نجيم الحنفي ،متوفى ٩٧٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ۔

١٩٨- فصول البدائع في أصول الشرائع: شمس الدين محمد بن حمزة الفناري الرومي، متوفى ٨٣٤ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٧ھ۔

١٩٩- الفصول في الأصول: إمام أحمد بن علي الرازي الجصاص، متوفى ٣٧٠ھ، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، قطر، الطبعة الثانية ١٤١٤ھ۔

٢٠٠- فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت: عبد العلي محمدبن نظام الدين السهالوي الأنصاري، متوفى ١٢٢٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٣ھ۔

٢٠١- قواطع الأدلة في الأصول: أبوالمظفر منصور بن محمد السمعاني، متوفى ٤٨٩ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٨ھ۔

٢٠٢- الكافي شرح البزدوي: حسام الدين حسين بن علي بن حجاج السغناقي، متوفى ٧١٤ھ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ۔

٢٠٣- كتاب التحرير مع التيسير التحرير: كمال الدين محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الهمام الحنفي، متوفى ٨٦١ھ، دار الباز، عباس أحمد الباز مكة المكرمة۔

٢٠٤- كشف الأسرار شرح المصنف على المنار: أبوالبركات عبدالله بن أحمد المعروف بحافظ الدين النسفي، متوفى ٧١٠ھ، دار الكتب العلمية، بيروت۔

٢٠٥- كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي: علاؤ الدين عبدالعزيز بن أحمد البخاري، متوفى ٧٣٠ھ، دار الكتاب العربي، بيروت۔

٢٠٦- كنز الوصول إلى معرفة الأصول: فخر الإسلام علي بن محمد البزدوي، متوفى ۴۸۲ھ، میر محمد کتب خانه، کراچي۔

٢٠٧- اللمع في أصول الفقه: أبو إسحاق إبراهيم بن علي الفيروز آبادي الشيرازي، متوفى ۴۷۶ھ، مكتبة نظام اليعقوبي الخاصة، البحرين، الطبعة الأولى ۱۴۳۳ھ۔

٢٠٨- المحصول في علم أصول الفقه: فخر الدين محمد بن عمر بن الحسين الرازي، متوفى ٦٠٦ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت۔

٢٠٩- مختصر التحرير في أصول الفقه: تقي الدين محمد بن أحمد مصري، المعروف بابن النجار حنبلي، متوفى ۹۷۲ھ، دار الأرقم، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ۔

٢١٠- مراتب الإجماع: أبو محمد علي بن أحمد المعروف ابن حزم الأندلسي، متوفى ۴۵٦ھ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ۔

٢١١- مراقي السعود إلى مراقي السعود: محمد أمين بن أحمد الجكني المالكي، مكتبة ابن تيمية، القاهرة، الطبعة الأولى ۱۴۱۳ھ۔

٢١٢- المسائل الأصولية: عبد الرحمان بن عبد العزيز السديس، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ۱۴۲٦ھ۔

٢١٣- المستصفى من علم الأصول: أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالي، متوفى ۵۰۵ھ، دار الميمان، الرياض، الطبعة الأولى۔

٢١٤- مسلّم الثبوت مع فواتح الرحموت: قاضي محب الله بن عبد الشكور البهاري، متوفى ۱۱۱۹ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ۔

٢١٥- معرفة الحجج الشرعية: أبو اليسر محمد بن محمد بن الحسين البزدوي، متوفى ۴۹۳ھ، مؤسسة الرسالة ناشرون، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ۔

٢١٦- من أصول الفقه على منهج أهل الحديث: زكريا بن غلام قادر الباكستاني، دار الخراز، جدة، الطبعة الأولى ۱۴۲۳ھ۔

۲۱۷۔ **میزان الأصول فی نتائج العقول:** علاؤالدین شمس النظرمحمد بن أحمد السمرقندي، متوفی ۵۳۹ھ، مطبوعة قطر، الطبعة الأولی ۱۴۰۴ھ۔

۲۱۸۔ **نظم جمع الجوامع شرح الکوکب الساطع:** جلال الدین عبدالرحمان بن أبی بکر السیوطي، متوفیٰ ۹۱۱ھ، مکتبة الإیمان، المنصورة، مصر، ۱۴۲۰ھ۔

۲۱۹۔ **نفائس الأصول فی شرح المحصول:** شھاب الدین أبوالعباس أحمد بن إدریس الصنھاجي المصری، متوفی ۶۸۴ھ، مکتبة نزار، مکة المکرمة، الطبعة الأولی ۱۴۱۶ھ۔

۲۲۰۔ **نورالأنوار علی شرح المنار:** الشیخ أحمد المعروف بملاجیون، متوفی ۱۱۳۰ھ، المصباح، لاھور، اشاعتِ اول ۲۰۱۷ء۔

أسماء الرجال

۲۲۱۔ أسماء **المدلسین:** جلال الدین عبدالرحمان بن أبي بکرالسیوطي، متوفی ۹۱۱ھ، دار السلام، القاھرة، الطبعة الأولی ۱۴۳۴ھ۔

۲۲۲۔ **الاستیعاب فی معرفة الأصحاب:** أبو عمرو یوسف ابن عبدالبر القرطبي، متوفی ۴۶۳ھ دارالکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ، وط: دار الفکر، بیروت ۱۴۲۶ھ۔

۲۲۳۔ **الإصابة فی تمییز الصحابة:** أحمدبن علي بن حجر العسقلاني، متوفی ۸۵۲ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۵ھ، وط: دارھجر، القاھرة، الطبعة الأولی ۱۴۲۹ھ۔

۲۲۴۔ **تاریخ الثقات:** أبوالحسن أحمدبن عبدالله بن صالح العجلي، متوفی ۲۶۱ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۵ھ۔

۲۲۵۔ **تذھیب تھذیب الکمال فی أسماء الرجال:** شمس الدین محمدبن أحمد الذھبي، متوفی ۷۴۸ھ، الفاروق الحدیثیة، القاھرة، الطبعة الأولی ۱۴۲۵ھ۔

۲۲۶۔ **تقريب التهذيب:** شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفّى ۸۵۲ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ، وط: دار العاصمة، الرياض۔

۲۲۷۔ **تهذيب التهذيب:** شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، متوفّى ۸۵۲ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۵ھ۔

۲۲۸۔ **تهذيب الكمال في أسماء الرجال:** جمال الدين يوسف المزي، متوفّى ۷۴۲ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ۔

۲۲۹۔ **المغني في الضعفاء:** شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفّى ۷۴۸ھ، إدارة إحياء التراث الإسلامي، قطر۔

أصولِ حديث

۲۳۰۔ **تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي:** جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفّى ۹۱۱ھ، مكتبة الكوثر، الرياض، الطبعة الثانية ۱۴۱۵ھ۔

۲۳۱۔ **قواعد في علوم الحديث:** ظفر أحمد عثماني تهانوي، متوفى ۱۳۹۴ھ، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الخامسة ۱۴۰۴ھ۔

۲۳۲۔ **لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث:** عبد الفتاح أبو غدة، متوفّى ۱۴۱۷ھ، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۴ھ۔

فقه وفتاوى حنفى

۲۳۳۔ **البحر الرائق شرح كنز الدقائق:** زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المصري الحنفي، متوفى ۹۷۰ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔

٢٣٤- **فتاوى رضوية:** الشيخ أحمد رضا الحنفي البريلوي، متوفّی ١٣٤٠ ھ، مكتبة رضوية آرام باغ کراچی، وط: رضا فاؤنڈیشن، جامعية نظامية رضوية، لاهور۔

٢٣٥- **فتاوى عزيزى:** شاه عبدالعزيز محدث دهلوي، متوفّی ١٢٢٩ ھ، كتاب فروشي حاجي محمد عليم ويسران، بازار كتاب فروشيكابل افغانستان، ومترجم اردوايچ ايم سعيد کمپنی، کراچی، سنة الطبع ١٣٨٧ ھ۔

٢٣٦- **الفتاوى الهندية المعروفة بالفتاوى العالمكيرية:** العلامة الهمام الشيخ النظام وجماعة من علماء الهند، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١ ھ۔

٢٣٧- **فتح القدير في شرح الهداية:** إمام كمال الدين بن الهمام، متوفّی ٨٦١ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٥ ھ۔

٢٣٨- **الهداية شرح بداية المبتدى:** أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني، متوفّی ٥٩٣ ھ دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦ ھ۔

فقه وفتاوى شافعى

٢٣٩- **الحاوى للفتاوى:** جلال الدين عبد الرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفّی ٩١١، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٢ ھ، وط: دار الكتاب العربي بيروت سنة الطبع ١٤٢٥ ھ۔

فقه وفتاوى حنبلى

٢٤٠- **إعلام الموقعين عن رب العالمين:** محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية الحنبلي، متوفّی ٧٥١ ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٨ ھ، وط: دار ابن الجوزي، الدمام، الطبعة الأولى ١٤٢٣ ھ۔

٢٤١- **مجموع الفتاوى:** أبو العباس أحمد بن عبد الحليم ابن تيمية الحنبلي، متوفّی ٧٢٨ ھ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٢ ھ۔

ترغیب وترهیب

٢٤٢- الباقيات الصالحات: أحمد بن عيسى التجيبي الأقليشي، متوفى ٥٥١، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٤ھ۔

٢٤٣- تذكرة أولي البصائر في معرفة الكبائر: أبو الفرج عبد الرحمان بن علي المروف بابن الجوزي، متوفى ٥٩٧ھ، دار ابن كثير، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٤ھ۔

٢٤٤- سفر السعادة: مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروزآبادي الشيرازي، متوفى ٨٢٦ھ، دار القلم، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٦ھ۔

٢٤٥- شرح سفر السعادة: شيخ عبد الحق محدث دهلوي، متوفى ١٠٥٢، مكتبة نوريه رضويه، سكهر، سنة الطبع ١٣٩٨ھ۔

٢٤٦- مفتاح دار السعادة ومنشور ولاية العلم والإرادة: أبو عبد الله محمد بن أبي بكر المعروف بابن القيم الجوزية الحنبلي، متوفى ٧٥١ھ، دار عالم الفوائد، مكة المكرمة الطبعة الأولى ١٤٣٢ھ۔

٢٤٧- منح المنة في التلبس بالسنة: شيخ عبد الوهاب الشعراني، متوفى ٩٧٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٠ھ۔

٢٤٨- ميزان العمل: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي، متوفى ٥٠٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٩ھ۔

تصوّف

٢٤٩- إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين: سيد محمد بن محمد الحسيني الزبيدي، متوفى ١٢٠٥ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٩ھ۔

۲۵۰- **إحياء علوم الدين:** إمام محمد بن محمد الغزالي، متوفّی ۵۰۵ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ۔

۲۵۱- **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء:** أبونُعَيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني، متوفّی ۴۳۰ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ، وط: مكتبة الخانجي، القاهرة، ۱۴۱۶ھ۔

۲۵۲- **الفتوحات المكية:** أبوعبد الله محمد المعروف بابن عربي، متوفّی ۶۳۸ھ، دار الفكر، بيروت ۱۴۱۴ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة ۲۰۱۱ء۔

۲۵۳- **كتاب التعرف لمذهب أهل التصوف:** أبوبكر محمد بن إسحاق البخاري الكلاباذي، متوفّی ۳۸۰ھ، مكتبة الخانجي، القاهرة۔

۲۵۴- **اللمع فی تاريخ التصوف الإسلامی:** أبونصر عبد الله بن على السراج الطوسي، متوفّی ۳۷۸ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ۔

لغت

۲۵۵- **تاج العروس من جواهر القاموس:** سيد محمد مرتضیٰ الحسيني الزبيدي، متوفّی ۱۲۰۵ھ، دار الفكر، بيروت ۱۴۱۴ھ۔

۲۵۶- **القاموس المحيط:** مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروز آبادي، متوفّی ۸۱۷ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۱۳ھ۔

۲۵۷- **كتاب التعريفات:** مير سيد شريف علي بن محمد الجرجاني، متوفّی ۸۲۶ھ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ۔

۲۵۸- **كتاب العين:** أبوعبد الرحمان الخليل بن أحمد الفراهيدي، متوفّی ۱۷۵ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ۔

۲۵۹- **لسان العرب:** محمد بن مكرم المعروف بابن منظور الأفريقي، متوفّی ۷۱۱ھ، دار

إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦ھ۔

۲۶۰- **لغات الحديث:** علامہ وحید الزمان، متوفی ۱۳۲۸ھ، نعمانی کتب خانہ، لاهور، تاریخ اشاعت ۲۰۰۵ء۔

۲۶۱- **مصباح اللغات:** عبد الحفیظ بلیاوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، الطبعة الأولى ۱۹۸۲ء۔

۲۶۲- **المفردات في غريب القرآن:** إمام حسين بن محمد راغب الأصفهاني، متوفّى ٥٠٢ھ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤١٨ھ۔

سیر وتاریخ

۲۶۳- **الإمام زيد حياته وعصره، آراءه وفقهه:** شيخ محمد أبو زهرة مصري، دار الفكر العربي، القاهرة، ١٤٢٥ھ۔

۲۶۴- **أسنى المطالب في سيرة أمير المومنين علي بن أبي طالب** رضي الله عنه: دكتور علي محمد محمد الصلّابي، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٥ھ۔

۲۶۵- **البداية والنهاية:** عماد الدين إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي الشافعي، متوفّى ٧٧٤ھ، دار ابن كثير دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٨ھ، وط: دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦ھ، وط: دار هجر، القاهرة، الطبعة الأولى ١٤١٧ھ۔

۲۶۶- **بغية الطلب في تاريخ حلب:** كمال الدين عمر بن أحمد بن أبي جرادة، دار الفكر، بيروت۔

۲۶۷- **تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام:** شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفّى ٧٤٨ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الثانية ١٤١٠ھ۔

۲۶۸- **تاريخ بغداد:** أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي، متوفى ٤٦٣ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة ٢٠١١ء۔

۲۶۹- تاریخ الخلفاء: جلال الدين عبدالرحمان بن أبي بكر السيوطي، متوفى ۹۱۱ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ ھ، وط: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، قطر، الطبعة الثانية ۱۴۳۴ ھ۔

۲۷۰- تاريخ مدينة دمشق: أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله بن عبدالله بن عساكر الشافعي، متوفى ۵۷۱ ھ، دار الفكر، بيروت ۱۴۱۶ ھ۔

۲۷۱- خامس الخلفاء الراشدين أمير المؤمنين الحسن بن على بن أبي طالب ﷺ: الدكتور علي محمد الصلابي، دار ابن كثير، دمشق، الطبعة الأولى ۱۴۲۵ ھ۔

۲۷۲- رأس الحسين لابن تيمية متوفى ۷۲۸ ھ، مع استشهاد الحسين للإمام ابن جرير الطبري: دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۶ ھ۔

۲۷۳- سير أعلام النبلاء: شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، متوفى ۷۴۸ ھ، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الحادية العشرة ۱۴۲۲ ھ۔

۲۷۴- الطبقات الكبرىٰ: إمام محمد بن سعد بن منيع الظهري، متوفى ۲۳۰ ھ، مكتبة الخانجي القاهرة، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ ھ، وط: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۳۳ ھ۔

۲۷۵- كتاب البدء والتاريخ: مطهر بن طاهر المقدسي، متوفى ۳۵۵ ھ، مكتبة الثقافة الدينية، مصر۔

۲۷۶- مختصر تاريخ دمشق: محمد بن مكرم المعروف بابن منظور أفريقي، متوفى ۷۱۱ ھ دار الفكر، دمشق، الطبعة الأولى ۱۴۰۹ ھ۔

۲۷۷- مرآة الجنان وعبرة اليقظان: أبو محمد عبدالله بن أسعد اليافعي اليمني، متوفى ۷۶۸ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۷ ھ۔

۲۷۸- مشاهير علماء الأمصار: أبو حاتم محمد بن أحمد بن حبان البستي، متوفى ۳۵۴ ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ ھ۔

۲۷۹۔ المعرفة والتاريخ: يعقوب بن سفيان الفسوي، متوفی ۲۷۷ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ، وط: مكتبة الدار، المدينة المنورة، الطبعة الأولى ۱۴۱۰ھ۔

۲۸۰۔ مقاتل الطالبين: علي بن الحسين بن محمد المرواني، الأموي الأصفهاني، متوفی ۳۵۶ھ، مؤسسة الأعلمي، بيروت، الطبعة الثالثة ۱۴۱۶ھ۔

۲۸۱۔ المنتظم فی تاريخ الملوك والأمم: أبوالفرج عبدالرحمان ابن الجوزي، متوفی ۵۹۷ھ، دار الكتب العلمية، بيروت ۱۴۱۲ھ۔

۲۸۲۔ الوافی بالوفيات: صلاح الدين خليل بن أيبک الصفدي، متوفی ۷۶۴ھ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ۔

۲۸۳۔ وفيات الأعيان وانباء أبناء الزمان: شمس الدين أحمد بن محمد بن أبي بكر بن خلكان، متوفی ۶۸۱ھ، دار صادر، بيروت، سنة الطبع ۱۴۱۴ھ۔

متفرقات

۲۸۴۔ حدائق بخشش: أحمد رضا بريلوي، متوفی ۱۳۴۰ھ، پروگریسو بکس، لاهور۔

۲۸۵۔ ديوان الإمام الشافعي ﷺ: إمام محمد بن إدريس الشافعي، متوفی ۲۰۴ھ، تحقيق محمد عبد الرحيم، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ۔

۲۸۶۔ مكتوبات: الشيخ أحمد فاروقي سرهندي، متوفی ۱۰۳۴ھ، مطبع منشي نول كشور لكهنؤ، ومترجم اردو، ترجمه مولانا سيد زوار حسين شاه صاحب، ناشر اداره مجدديه، ناظم آباد، كراچي ۱۹۹۳۔

(مطبوع)

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ (صحیح مسلم)

أنوارُ العرفان

فی

اسماءِ القرآن

اسماءِ قرآن کی روشنی میں فضائل وعلوم قرآن اور مقام
صاحبِ قرآن ﷺ پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب

تصنیف
قاری ظہور احمد فیضی
ریسرچ سکالر: جامعہ اسلامیہ، لاہور

مکتبہ باب العلم
لاہور

شَرحُ خَصَائِصِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ (مطبوع)

چند خصوصیات:

- مکمل عربی متن مع سند
- سابقہ عربی طبعات کی غلطیوں کی اصلاح
- ہر حدیث کی مکمل تخریج وتشریح
- سند کے لحاظ سے علماء اصولِ حدیث سے ہر حدیث پر حکم
- ہر حدیث پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا متین جواب
- مصنف (امام نسائی رحمہ اللہ) کے قائم فرمودہ عنوانات کی روشنی میں خصوصیاتِ مرتضوی
- متن میں مذکور پنجتن پاک علیہم السلام کا تعارف اور ان کے اہم فضائل وخصائص
- جدید وقدیم تمام ناصبی اعتراضات کا انتہائی علمی اور مہذب رد
- علماء ومشائخِ اہلِ سنت دامت برکاتہم کی گرانقدر تقریظات
- پانچ سو سے زائد مآخذ ومراجع (کتابیات) کی فہرست مع سنہ طباعت اور مطبع وغیرہ
- صفحات (1150) گیارہ سو پچاس
- مکمل بیروتی طرزِ طباعت وبائنڈنگ اور امپورٹڈ کاغذ۔

مناقب الزہراء (مطبوع)

شرح

إتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل

المعروف

مناقب الزہراء

تصنیف

امام زین الدین محمد بن عبد الرؤف المناوی

متوفی ۱۰۳۱ھ

ترجمہ، تخریج، تحقیق، تشریح

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم

لاہور

(مطبوع)

اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ

اے اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں

اَھلِ بیتِ کرام

اور

"علیہ السلام"

تصنیف

قاری ظہور احمد فیضی

مکتبۃ باب العلم

لاہور پاکستان

(مطبوع)

صلح الإمام الحسن علیہ السلام

الخلافة الباطنية

(باطنی خلافت)

تصنیف

قاري ظهور احمد فيضي

مکتبہ باب العلم، لاہور، پاکستان

(مطبوع)

انزل الناس منازلهم من الخير والشر

الاحاديث الموضوعة في فضائل معاوية

شان معاویہ میں باطل روایات کا رد

تصنیف
قاری ظہور احمد فیضی

مکتبہ باب العلم
لاہور پاکستان

مکتبہ باب العلم
MAKTABA BAB UL ILAM
Publisher & Distributor

مكتبة باب العلم

MAKTABA BAB UL ILM

Publisher & Distributor